# قوم یہود اور ہم

## قرآن کی روشنی میں

# QAUM-E-YAHOOD AUR HUM

## QURAN KI ROSHNI MAIN

مصنّف

حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب مدظلہٗ

MAULANA ABDUL KARIM PAREKH SAHEB

NAGPUR-8 (INDIA)



فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۴۲۲ مٹیا محل اردو مارکیٹ جامع مسجد دھلی ۱۱۰۰۰٦

فون آفس: ۳۲۶۹۹۹۸ ۳۲۶۵۴۰٦ رہائش: ۳۲۶۲۴۸٦

# قوم یہود اور ہم

## قرآن کی روشنی میں

# QAUM-E-YAHOOD AUR HUM
# QURAN KI ROSHNI MAIN

مصنّف

حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب مدظلہ

MAULANA ABDUL KARIM PAREKH SAHEB
NAGPUR - 8 (INDIA)

ناشر

فرید بُکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۴۲۲ مٹیا محل اردو مارکیٹ جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶
فون/آفس : ۳۲۷۹۹۹۸، ۳۲۶۵۳۰۶ رہائش : ۳۲۶۲۳۸۶

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | قوم یہود اور ہم - قرآن کی روشنی میں |
| مصنّف | : | حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب لکڑ گنج ناگپور-8 |
| تعداد | : | 2100 |
| باھتمام | : | الحاج محمد ناصر خان |
| کتابت | : | سہیل احمد ملک |
| ناشر | : | فرید بک ڈپو پرائیوٹ لمٹیڈ - دہلی 6 |
| طباعت | : | راحیل نسیم پرنٹنگ پریس ، دہلی |
| قیمت | : | 40 روپے |

**FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.**
**422, MATIA MAHAL, JAMA MASJID, DELHI-6**
**Phones : 3265406, 3289786 Fax : 3279998**

# فہرستِ مضامین

# انتساب

اُن تمام مسلمانوں کے نام جو اِس آیت سے اب تک ناواقف رہے

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ

اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا

مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والے

یہود اور مشرکین ہی کو پاؤ گے۔

5۔المائدہ۔82

# پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب سے مسلم مجلس مشاورت کی تقریب سے ابتدائی تعارف ہوا تھا۔ اور روحوں کی مناسبت کے تقاضے سے بہت جلد ہم ایک دوسرے کے قریب ہوگئے۔ مولانا کا ذریعہ معاش کاروبار ہے اور خوش حالی کی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن کاروبار کی مشغولیتوں کے ساتھ خدمتِ دین کا بھی زبردست جذبہ رکھتے ہیں۔ موصوف نہایت اہتمام سے سالہاسال سے قرآنِ کریم کا درس ایک خاص انداز سے دیتے ہیں اور ایک وسیع حلقہ اثر رکھتے ہیں، عوام کے علاوہ کاروباری حلقہ بھی خاص طور پر آپ کی دعوت سے متاثر ہے۔ اور آپکے پند ونصائح کو ذوق شوق سے سنتا ہے، اسی جذبہ تبلیغ واشاعتِ دین کے تحت آپ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے منفرد ہے جیسا کہ فاضل مؤلف نے فرمایا ہے "اس کتاب میں یہود سے متعلق تمام آیاتِ قرآنی سلسلہ وار درج کی گئی ہیں اور ان کے آسان ترجمہ کے ساتھ بنی اسرائیل اور یہود کی تاریخ کی مزید وضاحت کے لیے ذخیرۂ احادیث، اقوالِ صحابہؓ اور قدیم وجدید مفسّرین کے بیانات کو سامنے رکھ کر اس قوم کی موجودہ روش کو بے نقاب کیا گیا ہے۔"

موصوف کا یہ تاثر بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اگرچہ قرآن کریم کا کم وبیش ایک چوتھائی حصہ بنی اسرائیل اور یہود کے واقعات، ان کے عادات وخصائل، ان کے اجتماعی ارتداد اور مفسدانہ ذہنیت سے بھرا ہوا ہے لیکن قرآن مجید کے ماننے والے ہی سب سے زیادہ ان کے حالات سے بے خبر ہیں۔ اور جب کہ "بیت المقدس" ان کے قبضہ سے نکل گیا اور پوری ارضِ فلسطین پر یہود کا تسلط ہوگیا تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہیں اور کچھ نہیں کرسکتے"۔ میری رائے میں یہ خدمت انجام دے کر پاریکھ صاحب نے وقت کی ایک اہم اور شدید ضرورت کو پورا کیا ہے، انشاءاللہ یہ کتاب عوام وخواص سب کے لیے سبق آموز ثابت ہوگی۔ میں مؤلفِ کتاب کو ان کے بروقت احساسِ فرض پر مبارکباد دیتا ہوں۔

29 شعبان المعظم 1389ھ مطابق 11 نومبر 1969ء

عتیق الرحمٰن عثمانی
ندوۃ المصنفین، جامع مسجد، دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# مقدّمہ

پچھلی نصف صدی سے بنی اسرائیل، صیہونیت، یہودیت وغیرہ کے چرچے آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ اور اب شاید قیامت تک ہوتے رہیں۔ کیونکہ یورپ کے سرمایہ دار یہود اور استعماری ایجنٹوں کے سہارے علاقہ فلسطین میں اسرائیل کی حکومت وجود میں آچکی ہے۔ اسی یہودی سلطنت کے خطرہ سے عرب ایک عرصہ سے دوچار ہیں۔ کوئی اگر اُن کی تائید میں ایک لفظ بھی کہہ دے تو تمام نظریاتی و مذہبی اختلافات اور خدائی احکامات تک کو پسِ پشت ڈال کر عربوں کے بعض لیڈران طاقتوں کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ روسی امداد بھی کچھ اسی طرح کی تھی۔ انھیں کے بھروسہ پر یہود کے خلاف گلا پھاڑ کر عربوں کے ایک طبقے نے خوب چیخا چلّایا۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں امریکہ اور روس کی مکّارانہ سیاست کام کر گئی اور بات یہاں تک پہنچی کہ بیت المقدس قبلۂ اوّل بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر ملحدین کی قید میں چلا گیا۔

عبادت گاہوں کا احترام مذہبی جذبات رکھنے والوں کو ہوتا ہے محنت کشوں کے آنسو پونچھنے کے بہانے جس کوکھ سے الحاد نے جنم لیا ہو وہ مسجدِ اقصیٰ کی قدر بھلا کیا جان سکتے ہیں۔ شامتِ اعمال دیکھئے کہ مسجدِ اقصیٰ کو آگ بھی لگائی۔ اب ساری دنیا کے مسلمان بے چین ہیں۔ ایک عام ہلچل پائی جا رہی ہے۔ یہ مسئلہ اب عربوں

اور یہودیوں کی سطح کا نہیں رہ گیا بلکہ عالم اسلام اور یہود کی سطح کا ہونے جارہا ہے۔

اس موقع پر بنی اسرائیل اور یہودیت کی تاریخ سے مسلمانوں کو واقف کرانے کی عام ضرورت کا احساس پایا جاتا ہے، یوں تو بڑے شرم کی بات ہے کہ جس ملت کی مذہبی کتاب قرآن پاک میں ایک چوتھائی حصہ میں بنی اسرائیل اور یہود کے واقعات تاریخ، عادات، خصائل نیز اُن کے اجتماعی ارتداد اور مفسدانہ ذہنیت کو عالم انسانی کے لیے فساد کا سگنل بتایا گیا وہی قوم تاریخ یہود سے سب سے زیادہ ناواقف نکلی۔ قسمت کی ستم ظریفی بھی عجیب ہے، ورنہ آج روئے زمین پر مسلمانوں سے زیادہ یہود کا جاننے والا کوئی نہ ہوتا۔ بلکہ ایک یہودی خود کو اتنا نہیں جان سکتا جتنا قرآن کا پڑھنے والا مسلم اُس کے متعلق باخبر ہوتا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ان کی تاریخ کے وہ ابواب صرف ہمیں قرآن مجید میں ہی مل سکتے ہیں جس کا علم نہ یہود کو ہے اور نہ اب مسلمانوں کو ہے۔

کہنے کو یہ بات عجوبہ معلوم ہوگی مگر حقیقت یہی ہے کہ مسلمان دوسری یا تیسری صدی ہجری سے قرآن کو اجتماعی طور پر چھوڑ چکا ہے۔ اِکّا دُکّا افرادِ ملت ایسے ضرور ہوئے جنھوں نے اُمّت کو قرآن سے جوڑنے کی کوشش کی مگر بدنصیبی کہیے اس اُمّتِ مسلمہ کی کہ اس طرف اس نے بہت کم توجہ کی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ توجہ کی ہی نہیں تو یہ غلط نہ ہوگا اور ادھر عالم اسلامی پر یہود کا بھوت جبڑے پھاڑے ننگا ہوکر کھڑا ہے۔ پتہ نہیں کب کیا ہو جائے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس اُمّت کو واضح طور پر یہ بتا دیا جائے کہ تیرے رب کی وہ کتاب جس پر تیرا ایمان ہے یہود کے ماضی، حال، مستقبل کے لیے کچھ انکشافات کرتی ہے۔ زندگی کے جملہ معاملات میں قرآن کی

رہنمائی کا دعویٰ خود قرآن کا ہے اور ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے۔ تو کیوں نہ ہم اللہ کی کتاب سے معلوم کریں کہ یہود کی حقیقت کیا ہے؟ ان کی تاریخ، ان کا ماضی، حال اور مستقبل کیا ہے؟

کسی بھی غیر متعصب شخص کو قرآن پاک میں یہود کی تاریخ پڑھنے کے بعد قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کے نبی ہونے کا بیّن ثبوت ملے گا۔ قرآن مجید کے اس اعجاز کو برسرِعام واضح کرنے کا یہ ایک بہترین موقع ہے۔ بنی آدم میں ہر انصاف پسند آدمی یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوگا کہ یہودیت کو بے نقاب کرنے کے لیے چودہ سو برس قبل جو کلام نازل کیا گیا، واقعی اسے خدا کا کلام ہونا ہی چاہیئے۔ آج ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہم ساری دنیا کو بتا دیں کہ یہود کے آئندہ عزائم کیا ہوں گے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہم آج کس مقام پر ہیں اور آئندہ ہمیں کیا کچھ کرنا ہوگا اس کا بھی صحیح اندازہ کرلیں۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر اس کتاب میں یہود سے متعلق سلسلہ وار آیاتِ قرآنی مع عربی متن کے درج کردی گئی ہیں۔ سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کے بعد یہود کی تاریخ واضح کرنے کے لیے احادیثِ رسولؐ اور واقعاتِ صحابہ کے ساتھ ساتھ ہمارے قدیم و جدید مفسّرین کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے یہود کی موجودہ روش کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اس موقع پر مجموعۂ توریت اور اناجیلِ اربعہ نیز یہود کی مستند مذہبی تفسیر تالمود کے حوالے بھی جہاں ضروری تھے پیش کردیئے گئے ہیں۔

آیاتِ قرآنی کے ترجمے اور ان کی تشریح میں آزادیٔ مطلق نہیں برتی گئی ہے، بلکہ قدیم و جدید مفسّرین کے فکری دائرے میں رہ کر یہ خدمت انجام دی گئی ہے۔ ترجمہ و تشریح

میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ تفسیر "موضح القرآن"، کو یہ خادم اپنا استاد و رہنما تسلیم کرتا ہے۔ ترجمہ و تفسیر میں حضرت موصوف کے کھینچے ہوئے حدود اربعہ کے باہر کوئی بات نکل نہ جائے اس کی خاص احتیاط برتی گئی ہے۔

قدیم میں تفسیر ابن کثیرؒ، تفسیر جلالین اور تفسیر قادری، قریبی دَور میں گذرے ہوئے مفسّرین میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ "صاحبِ موضح القرآن"، مرشد تھانویؒ "صاحبِ بیان القرآن"، ڈپٹی نذیر احمد صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب، اور ہم عصر علماء کرام میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی "تفسیرِ ماجدی"، اور ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی "تفہیم القرآن"، ان تمام تراجم و تفاسیر کو آیات کے معنی و شرح میں ہر وقت سامنے رکھا گیا ہے، اس لحاظ سے بلامبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ ان امور میں کہیں بھی آزادی نہیں برتی گئی ہے۔

توریت، اناجیلِ اربعہ اور تالمود کے اقتباسات جہاں جہاں دیئے گئے ہیں وہاں پوری ذمہ داری سے ابواب، آیات نیز جلد و صفحات کے حوالے بھی دے دیئے گئے ہیں اس کے ساتھ موجودہ دَور میں یہودی جارحیت، مسجدِ اقصیٰ کی حیثیت نیز فلسطین کا مسئلہ اور امریکی و برطانوی سازش کو مدلّل طور پر واضح کر دیا گیا ہے۔

یہ عاجز برسوں سے قرآن مجید کا طالبِ علم اور ایک درجہ میں کلام الٰہی کی خدمت کے لیے سب سے پچھلی صف کا خادم رہا ہے اس لیے تقریباً ہر آیت کریمہ کی تشریح کے بعد جہاں ضرورت محسوس کی گئی، مسلمانوں کو ان کی کوتاہیوں پر تنبیہ بھی کی گئی ہے کتاب کسی کاروباری مقصد کے پیش نظر نہیں لکھی جا رہی ہے اس لیے اگر اپنی صفوں میں خلافِ حق

کام دکھائی دیا تو کچھ اشارات مخفی اور ظاہری طور پر کر دیئے گئے ہیں، جو لوگ اپنی غلطیوں پر مطلع ہونا نہیں چاہتے وہ تو ضرور کچھ نہ کچھ ناراض ہوں گے، لیکن ایسے اصحاب کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اب اگر ہم اپنی اصلی حالت پر لوٹنا چاہتے ہیں تو بڑی صفائی کے ساتھ ہمیں اپنی غلطیوں کا احساس کر کے بارگاہ رب العزت میں سر جھکا دینا چاہیئے اور اسے راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔

اپنے عرب اخوانِ ملّت کے لیے بھی اسی مقصد کے تحت بعض بعض جگہ اشارات کر دیئے گئے ہیں۔ آج عرب ہی یہود کے مدِ مقابل پہلی صف میں ہیں۔ انھیں قرآن کی کسی بات سے واقف کرانا ہمارے لیے بڑی شرم کی بات ہے۔ لیکن قرآن پاک ہمیں انھیں کے توسط سے ملا ہے اس لیے ان کی گمشدہ شے کا پتہ اگر کوئی ہندوستانی مسلمان بتا دے تو انھیں بھی اس اطلاع پر خوش ہونا چاہیئے۔

یوں ذاتی طور پر یہ عاجز اس طرح کے خطاب میں بڑی شرم محسوس کرتا ہے کہ عرب جو قرآن پاک کے اوّلین مخاطب رہے اور جو دین میں ہمارے امام تھے انھیں یہودیت کے مقابلے میں قرآنی اطلاع دینے کے لیے کوئی کوشش کی جائے۔ لیکن اس ناواقفیت سے عربوں کا جو نقصان ہوگا وہ صرف ان کا ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا نقصان ہے۔ اس لیے کسی پیش امام کو کسی مقتدی نے لقمہ دے کر اصل بات یاد دلا دی تو باوجود ایک جسارت ہونے کے بھی ثواب سے انشاء اللہ خالی نہ ہوگی۔ اور ہمارے عربی پیشوا اس لقمہ سے انشاء اللہ خوش ہوں گے۔

کسی کو یہ شبہ ہو کہ عربوں کی مادری زبان عربی ہو کر انھیں قرآن بتانے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ لیکن میں پوری صفائی کے ساتھ عرض کروں گا کہ قرآن پاک کو مدت

ہوئی عرب عوام بھی اسی طرح جز دانوں میں لپیٹ چکے ہیں جیسے کہ ہم۔ مراقش کے شاہ حسن، سعودی عرب کے سربراہ شاہ فیصل اور والیٔ اُردن شاہ حسین نے حالیہ دَور میں جو بیانات دیئے ہیں اس میں ان حق پرستوں نے کُھل کر اس حقیقت کا اقرار کیا ہے۔ اور یہ اقرار اُن کے اور ہمارے لیے خدا کی بارگاہ سے بطور نعمت ملا ہوا ایک بہت بڑا سرمایہ ہے۔ اور دین وشریعت کی اصطلاح میں کوتاہیوں کا اقرار ہماری سب سے بڑی طاقت بھی ہے۔

میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کا عربی ترجمہ شائع کروادے۔ بحمداللہ اردو کے بعد اس کتاب کو انگریزی اور گجراتی میں شائع کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ جلد ہی دوسری زبانوں میں بھی اِسے شائع کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہی اپنے اس حقیر بندے کی تمام ظاہری و باطنی کمزوریوں سے واقف ہے۔ اسی کی دستگیری او رفضل وکرم سے یہ کتاب تیار ہوسکی ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ عالم انسانیت میں یہود کی حقیقت واضح کرنے کے لیے اس کتاب کو ذریعہ بنادے۔ آمین

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

خادم : عبدالکریم پاریکھ

ناگپور۔ بروز بدھ 11 رجب 1389ھ

مطابق 24 ستمبر 1969ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# انسانی تاریخ کی تقسیم
## نبوّت کی بنیاد پر

اس دنیا میں انسان نے جب سے قدم رکھا ہے تب سے اب تک اس کی زندگی کو سات ادوار میں اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے :

1. حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک
2. حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک
3. حضرت ابراہیمؑ سے حضرت موسیٰؑ تک
4. حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک
5. حضرت عیسیٰؑ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک
6. بعثتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اب تک
7. اور یہاں سے قیامت تک

ہبوطِ آدمؑ سے بعثتِ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم تک کے ادوار میں دنیا کے انسانوں کو دینِ حنیف کی دعوت دی جاتی رہی۔ انبیاء بھیجے گئے مقدّس کتابیں نازل کی گئیں۔ جن لوگوں نے انبیاء کی دعوت اور خدائی کتاب کے ضابطوں کو تسلیم کیا وہ مسلم کہلائے اور فی الواقع یہی لوگ مسلم تھے اور اب بھی صرف انھیں لوگوں کو وحی اور تنزیل کی اصطلاح میں مسلم کہا جائے گا جو خدا کے تمام نبیوں کو مانتے ہوں اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہوں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

"مومن وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو تم پر اُتاری گئی اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے اُتاری گئیں۔" (2- البقرۃ آیت 4)

مگر جب یہی ماننے والے بگڑتے ہیں تو سب کچھ رہ جاتے ہیں مگر مسلم نہیں رہ پاتے۔

دَورِ مسیحؑ میں جب دعوتِ مسیحؑ کو تسلیم کیا گیا تو وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (اور گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں) کی آواز سُنائی دی۔ لیکن جب اس دعوت میں بگاڑ آیا تو قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى (کہنے لگے کہ ہم نصرانی ہیں) کا نعرہ لگ گیا۔ اور خدا کے مسلم بندے پھر بہت سے گروہوں میں بٹ گئے اور اس کے پہلے دعوتِ یعقوبی جسے لاڈ اور پیار کے نام سے خدائی آواز کے مطابق "اسرائیل" کہا جاتا ہے۔ انھیں حضرت یعقوبؑ کی اولاد بنی اسرائیل تھی جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں بڑے پیار سے يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ (اے بنی اسرائیل یاد کرو میری ان نعمتوں کو جن کی بارش میں نے تم پر کی اور سارے جہانوں پر تمھیں فضلیت بخشی) فرمایا۔

یہ بنی اسرائیل اپنے وقت کے مسلم تھے۔ ان کے باپ نے مرتے وقت انھیں وصیّت کی تھی کہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (صرف اسی صورت میں مرنا کہ تم مسلم ہو) اور یہ رہے بھی مسلم ہی۔ مگر ان کی نسل جیسے جیسے آگے بڑھتی گئی زمانے کے اثرات اس پر پڑتے رہے اور یہ بنی اسرائیل مسلمانی چھوڑ کر یہودی بن گئے۔ اسی لیے قرآن میں جہاں ان کو ناراضی سے آواز دی گئی، وہاں ——— یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْا (اے لوگ جو یہودی ہو گئے) فرمایا۔ یعنی تم یہودی تھے نہیں بلکہ بن گئے ہو۔ تم تو مسلم تھے، ہمارے تھے، تمھیں پتہ بھی ہے کہ اب کس کے ہو چلے ہو؟۔

# دورِ آدمؑ

پچھلے صفحات میں ہم نے تاریخ انسانی کو سات ادوار میں تقسیم کیا ہے جس میں پہلا دور آدمؑ سے نوحؑ تک قائم کیا گیا ہے۔ اس کی تاریخ اب خود تاریخ کو بھی یاد نہیں۔ البتہ قرآن پاک میں کچھ مقامات پر اس دور کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

(2- البقرة 213)

"پہلے تو سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ بعد میں اختلاف ہوا اور یہ حالت باقی نہیں رہی۔ تب اللہ تعالیٰ نے بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے نبیوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ حق کی بنیاد پر کتاب بھی نازل کر دی تاکہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جائے۔ لیکن انبیاء کے ذریعہ جن لوگوں کو کتاب سپرد کی گئی تھی ان میں پھوٹ پڑ گئی باوجودیکہ ان کے پاس کھلے کھلے احکامات اور دلائل آ چکے تھے۔ اور یہ حرکت انھوں نے

آپسی ضدّا ضدّی کی وجہ سے کی۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے
ان لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھلادی جو ضد اور اختلاف سے دور
رہے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلا دیتا ہے ''

اس آیت کریمہ میں آدمؑ سے بعثتِ نوحؑ تک کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ انسان نے زمین پر قدم رکھا ہی تھا۔ اس کی نسل کا سلسلہ جاری ہو کر خاندان بنا اور خاندانی شاخیں یعنی کنبے قبیلے وجود میں آئے۔ نسلی پھیلاؤ سے بنی آدم حضرت آدمؑ سے جتنی دُور ہوتے گئے اتنا ہی نبوّت سے ان کا تعلق کمزور ہوتا گیا۔ اور ذہنی انتشار سے الگ الگ طور پر دین کی شکل بگڑنے لگی۔ یہ انتشار جب زیادہ بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ ان ہی بنی آدم میں نبیوں اور کتابوں کا سلسلہ جاری فرما کر انھیں اصل حقیقت سے واقف کراتا رہا۔ اوّل انتخاب آدمؑ کا ہوا تھا۔ آدمؑ کا شخصی دور تمام ہوا اور آدمیت وجود میں آ گئی، پھر نوحؑ کا دَور شروع ہوا جس کا اشارہ قرآن کی حسب ذیل عبارت میں ملتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (3 - آل عمران 34، 33)

'' اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندانِ ابراہیمؑ اور خاندانِ عمران کو تمام
دنیا کے لوگوں پر فضیلت دے کر اپنی رسالت کے لیے پسند فرمایا،
یہ ایک سلسلہ کے لوگ تھے۔ بعضے اُن میں بعضوں کی اولاد ہیں اور اللہ
تعالیٰ ہی خوب سُننے والا خوب علم والا ہے ''

# دَورِ نوحؑ

حضرتِ آدمؑ جس عقیدۂ توحید پر اپنی اولاد کو قائم کر گئے تھے اس میں دورِ نوحؑ تک شرک کی آمیزش ہو چکی تھی۔ اس کی وجہ یہ بھی رہی کہ حضرت نوحؑ کے زمانے تک بنی آدم کی بستیوں کا علاقہ وسیع ہوتا گیا۔ اور یہی وسعت ایک دوسرے کی علاقائی دُوری کا جہاں سبب بنی وہاں توحید کے اعتقاد میں بھی کچھ فاصلے بڑھتے گئے اور ایک ہی خاندان کے لوگ اپنے دوسرے بھائیوں سے اتنے دور ہوتے چلے گئے کہ صدیاں بیت جانے پر کبھی آپسی جنگ وجدال کا موقع آیا تو اُن ہی بنی آدم کی مختلف اِکائیاں آپس میں لڑتے وقت یہ بھول گئیں کہ وہ اور ان کے دشمن دونوں کا باپ ایک ہی تھا۔ اور اسی باپ نے انھیں بتا دیا تھا کہ تمھارا خدا بھی ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ توحید چھوڑ کر مشرکانہ طرزِ زندگی ان کی آپسی لڑائی کا اصلی سبب تھا۔

مگر جنھیں ابلیس کے ہتّھے چڑھنا تھا وہ دعوتِ آدمؑ کو بھول کر شرک میں بتلا ہوئے۔ اور اس قدر مشرکانہ عقائد کا شکار ہوئے کہ ان کی اصلاح کے لیے خدا نے جن صالح بندوں کو بھیجا، ان ظالموں نے انھیں حضرات کی قبریں بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔ قرآن پاک میں اُس دَور کے پانچ بزرگوں کے نام بھی بتائے گئے ہیں۔ وَدّ، سُواع،

یغوث، یعوق اور نسر۔

دعوتِ نوحؑ چونکہ خالص توحید کی دعوت تھی اس لیے ان مشرکین نے اپنے بزرگوں کو پکڑے رہنے کی آواز لگائی، اور حضرت نوحؑ کی مخالفت میں تمام عوام کو بھڑکا دیا، کہ یہ ہمارے بزرگوں کا انکاری ہے۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ (71- نوح 23)

"اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو پکڑے رہنا"

خدا کے مقابلے میں یہ بزرگ پرستی انھیں لے ڈوبی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ پانچوں بزرگ نہایت ہی صالح اور توحید کے داعی تھے۔ مگر شیطان نے انسان کو یہیں دھوکا دیا ہے کہ جو لوگ بھی بنی آدم کی اصلاح کے لیے آئیں انھیں معبودوں کی فہرست میں چڑھا دیا جائے تاکہ توحید کہاں گئی اس کا پتہ بھی نہ چل سکے۔

مشرکین کی اس بھیانک سازش سے اصلاحِ اُمّت کا کام جتنا مشکل ہوتا ہے اتنا شاید کسی اور وجہ سے نہیں۔ کیونکہ ایسے مشرک نہ خدا کا صاف صاف انکار کرتے ہیں اور نہ اس کے صالح بندوں کا۔ بلکہ خدا اور اس کے نیک بندوں کو ملا کر ایسی گھال میل کر دیتے ہیں کہ عام لوگوں کے لیے حق و باطل میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

کسی بھی قوم کی اصلاح کے لیے اتنا وقت نہیں لگایا گیا جتنا قوم نوح کے لیے۔ ساڑھے نو سو برس کی مسلسل محنت کے بعد صرف چند نفوسِ قدسیہ ہی حضرت

نوحؑ کے جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ باقی اولادِ آدم نے اجتماعی طور پر اس خدائی آواز کی تصدیق سے انکار کر دیا۔ یوں تو آپس میں خوب لڑتے جھگڑتے تھے مگر حضرت نوحؑ کے خلاف تمام کے تمام متحد ہو گئے۔ لیکن گناہ پر اجتماعیت کام نہیں دیتی۔ ان تمام جتھوں پر قہر الٰہی منڈلا رہا تھا۔

یہاں یہ یاد رہے کہ اُس وقت انسانی آبادی آج کی طرح تمام روئے زمین پر نہیں پھیلی ہوئی تھی بلکہ صرف مشرق وسطیٰ میں ہی اب تک بنی آدم اپنا ڈیرا ڈال سکے تھے۔ انھیں معلوم بھی نہیں تھا کہ اللہ کی زمین کتنی وسیع و عریض ہے۔ یہی علاقہ ان کی کُل کائنات تھی۔ طوفانِ نوح کی داستان صرف توریت اور قرآن ہی میں نہیں بلکہ آج کے تمام مذاہب کی قدیم کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ اپنے پرکھوں کے ڈوب مرنے کی کہانی بنی آدم نے کسی نہ کسی ڈھنگ پر محفوظ رکھی ہے۔

ہم تاریخ یہود قرآن کی روشنی میں لکھ رہے تھے۔ لیکن انسانی تاریخ کو قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے دائروں میں بیان کیا ہے اس لیے مختصر اً حضرت نوحؑ کا بیان بھی سپردِ قلم ہو گیا۔ ورنہ نوحؑ کی زندگی کی پوری معلومات کے لیے آپ سورۂ اعراف، سورۂ ہود، شعراء، نوح، ان چاروں سورتوں میں ملاحظہ فرمالیں۔ صرف اتنی بات اور کہیں گے کہ فرزندانِ توحید نے شرک کو عین دینِ حق سمجھ لیا اور اللہ کے اس مقدس نبی کی دعوت کو رد کر دیا۔ تب اللہ نے اس وقت کی تمام آبادی کو غرقاب کر دیا۔ بچے صرف وہی لوگ جو ایک اللہ کے پرستار تھے اور خدا کی وحدانیت کو ماننے والے تھے ان ہی صالح بنی آدم کا قافلہ ایک کشتی پر سوار تھا جو حضرت نوحؑ نے اللہ کے حکم سے تیار کی تھی، مشرکین کا ایک بار قصّہ تمام کر دیا اور روئے زمین کو تمام نجس اور

ناپاک لوگوں سے پاک کر دیا گیا۔ پھر اسی کشتی پر سوار اہلِ توحید دنیا میں آباد ہوئے اس کے پہلے کی تاریخِ انسانی بھولی بسری ہو گئی۔ پتہ نہیں کیا کچھ انسان نے اس وقت تک حاصل کیا ہو گا۔

انھیں حضرت نوح علیہ السّلام کی اور ان پر ایمان لانے والے ساتھیوں کی اولاد اب روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ شاید اسی وجہ سے تاریخ میں حضرت نوحؑ کو آدمِ ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

# دَورِ ابراہیمؑ

حضرت نوح علیہ السّلام سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام تک متعدد انبیاءؑ آئے لیکن انسان مدنیت اور شہری زندگی میں اتنا پھیل نہ سکا تھا کہ اس کی تاریخ بنتی جو تاریخ ساز تھے ان کی زندگی کا ریکارڈ تو اب بھی محفوظ ہے۔ لیکن جو عوام تھے ان کی اصلاح کے لیے جو کچھ اس زمانے میں انبیاءؑ کے ذریعہ دعوت کا کام انجام دیا گیا اس کی قدرے تفصیل کلام پاک میں ہمیں مل جاتی ہے۔ لیکن اس دور کی تاریخ سے ہمارا اپنا تعلق اتنا نہیں ہے جتنا دورِ ابراہیم علیہ السّلام کی تاریخ سے شروع ہوتا ہے۔

آج کی دنیا کے تین بڑے مذاہب، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے ماننے والوں کی پوری تعداد حضرت ابراہیمؑ کو اپنا پیشوا مانتی ہے۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں انسانوں کے امام کا رُتبہ دیا ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ○ (2-البقرۃ 124)

”اور یاد کرو جب ابراہیمؑ کی ان کے رب نے بہت سی باتوں میں آزمائش کی اور ابراہیمؑ ان میں پورے اترے۔ تب خدا نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ میں تم

کو لوگوں کا امام بناؤں گا۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ پروردگار میری اولاد میں
سے پیشوا بنائیو۔ خدا نے فرمایا ہمارا اِقرار ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔"

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا نہایت ہی مفصّل و جامع نوٹ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

"حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالم گیر دعوت پھیلانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ انھوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستانِ عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت فرمانبرداری (یعنی اسلام) کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ پھر اپنی اس دعوت کی اشاعت کے لیے مختلف علاقوں میں اپنے خلیفہ مقرر کیے۔ شرقِ اُردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کو، شام و فلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحاقؑ کو اور اندرونِ عرب میں اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو مامور کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکّے میں وہ گھر تعمیر کیا جس کا نام کعبہ ہے۔ اور اللہ ہی کے حکم سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا۔

حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں۔ ایک حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو عرب میں رہی۔ قریش اور عرب کے بعض دوسرے قبائل کا تعلق اسی شاخ سے تھا اور جو عرب قبیلے نسلاً حضرت اسماعیلؑ کی اولاد نہ تھے وہ بھی چونکہ اُن کے پھیلائے ہوئے مذہب سے کم و بیش متاثر تھے، اس لیے وہ بھی اپنا سلسلہ انھیں سے جوڑتے

تھے، دوسرے حضرت اسحاقؑ کی اولاد، جن میں حضرت یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور بہت سے انبیاء علیہم السّلام پیدا ہوئے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، حضرت یعقوبؑ کا نام چونکہ اسرائیل تھا اس لیے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان کی تبلیغ سے جن دوسری قوموں نے ان کا دین قبول کیا۔ انھوں نے یا تو اپنی انفرادیت ہی ان کے اندر گم کر دی یا وہ نسلاً ان سے الگ رہے۔ مگر مذہباً ان کے متبع رہے۔ اسی شاخ میں جب پستی و تنزّل کا دور آیا تو پہلے یہودیت پیدا ہوئی اور پھر عیسائیت نے جنم لیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اصل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کا نظام درست کرنا تھا۔ وہ خود اللہ کے مطیع تھے، اس کے دیئے ہوئے علم کی پیروی کرتے تھے۔ دنیا میں اس علم کو پھیلاتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ سب انسان مالکِ کائنات کے مُطیع ہو کر رہیں۔ یہی خدمت تھی جس کے لیے وہ دنیا کے امام و پیشوا بنائے گئے تھے۔ ان کے بعد یہ امامت کا منصب ان کی نسل کی اس شاخ کو ملا جو حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی۔ اسی میں انبیاءؑ پیدا ہوتے رہے۔ اسی کو راہِ راست کا علم دیا گیا، اسی کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ اس راہِ راست کی طرف

اقوامِ عالم کی رہنمائی کرے۔ اور یہی وہ نعمت تھی جسے اللہ تعالیٰ
بار بار اس نسل کے لوگوں کو یاد دلاتا رہا ہے، اسی شاخ نے حضرت
سلیمانؑ کے زمانے میں بیت المقدس کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اس لیے
جب تک یہ شاخ امّت کے منصب پر قائم رہی، بیت المقدس
ہی دعوت الی اللہ کا مرکز اور خدا پرستوں کا قبلہ رہا۔"

(تفہیم القرآن جلد اوّل)

یہی وجہ ہے کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے اصحابؓ بیت المقدس کو اس
وقت تک قبلہ بنائے رہے جب تک بنی اسرائیل کو باضابطہ امامت سے معزول کرنے
کا خدائی اعلان نہ ہوا۔ اسی لیے مسلمانوں میں آج تک بیت المقدس کو قبلۂ اول
ہونے کا شرف حاصل ہے اور تین مقدس زیارت گاہوں میں ایک بیت المقدس بھی ہے۔

(1) خانۂ کعبہ (2) مسجدِ نبویؐ (3) بیت المقدس

ایک مسلمان کو جتنی عقیدت ان تین مقامات سے ہو سکتی ہے حضورؐ کے
اس قول سے ظاہر ہے کہ مذہبی تقدس کے جذبے سے کسی زیارت گاہ کا سفر
اختیار نہ کرو مگر ان تین مقامات کے لیئے بیت اللہ شریف، مسجدِ نبوی، بیت المقدس۔

## مسجدِ اقصیٰ اور معراج النبیؐ

قبلۂ اوّل بیت المقدس (مسجدِ اقصیٰ) کو سرورِ کائنات سیّدِ عالم محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج سے، فضیلت کے اعتبار سے بڑا تعلق ہے۔ یہی وہ

مقام ہے جس کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل کے ابتدائی حصّہ میں معراج شریف کے بیان کے ساتھ وابستہ ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (17 - بنی اسرائیل 1)

"پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام (یعنی کعبہ شریف) سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ اس بندے کو دکھلائیں اپنی قدرت کے کچھ نمونے، بے شک وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔"

اس آیتِ کریمہ میں مسجدِ اقصیٰ کو بابرکت مقام قرار دیا گیا ہے۔ جہاں سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے حیرت انگیز سفرِ معراج کا ایک حصّہ پورا کرتے ہیں اور یہیں سے عالمِ ملکوت کی طرف پرواز کرنے کے لیے جبرئیل علیہ السّلام کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں، آپ کے قدمِ مبارک کا بغیر کسی ہوائی جہاز یا راکٹ کے صدہا میل مکّہ معظّمہ سے مسجد اقصیٰ میں تشریف فرما ہونا ہی بہت بڑا زبردست معجزہ ہے لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ حیرت انگیز وہ سفر ہے۔ جو یہاں سے شروع ہوا اور قدمِ مبارک اس مقدس زمین سے اُٹھ گئے تاکہ کروڑوں، اربوں، کھربوں میل کی مسافت طے کر کے ملکوتی پرواز کے ساتھ انسانیت کا سردار اُس مقام پر پہنچ سکے جہاں شہنشاہِ کائنات کی طرف سے اُسے بلایا گیا تھا۔ ایک بار عالمِ ملکوت پر انسان کی فضیلت پھر واضح ہو گئی کہ جبرئیل امین ایک معیّن مقام پر ٹھہر گئے اور

انسانیت اس سے بھی زیادہ عروج کی منزل طے کرگئی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔

تھک کے جبرئیل بھی رستے سے پلٹ آئے
کتنا اونچا ہے خدا جانے مسلماں کا مقام

مسجدِ اقصیٰ قبلہء اوّل اور مقامِ محترم تو یوں بھی تھا لیکن معراجِ نبویؐ میں حضورؐ کے سفر میں عالمِ ناسوت اور عالمِ ملکوت کا درمیانی مقام بھی مسجدِ اقصیٰ جب بن گئی تو عقیدت اور احترام و تقدس کا ایک اور تعلق بھی قائم ہوگیا۔ آدمیّت کے عروج کی یہ داستان قرآن کی 53 نمبر کی سورت میں کوئی دیکھے تو اُسے پتہ لگ جائے کہ فی الواقع حضورؐ کی عظمت، مرتبہ اور بلندی لاانتہا ہے۔ انسانیت کو آپ کی ذات سے بڑا شرف حاصل ہوا ہے۔ جس پر رشک اگر فرشتوں کو بھی آنے لگے تو تعجب نہیں۔ ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

---

# حضرت یوسفؑ اور یہودی قوم

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا واقعہ آپ ابھی ابھی پڑھ چکے ہیں۔ زندگی کے آخری ایّام میں حضرت نے فلسطین کے ایک گاؤں میں سکونت اختیار کی اس وقت آپ کے خاندان میں جو لوگ آپ کے ساتھ تھے وہ آپ کے بیٹے حضرت اسحٰقؑ اور پوتے حضرت یعقوبؑ انھیں حضرت یعقوبؑ کا پیار کا نام اسرائیل بھی تھا۔ ان کی اولاد میں حضرت یوسفؑ سمیت کُل بارہ لڑکے تھے۔ جن میں سے ایک کا نام یہودہ تھا۔ بنی اسرائیل پر جب دینِ حنیف کا غلبہ کم ہوا تو نسل پرستی کا بھوت ان پر سوار ہونے لگا۔ پھر یہ مسلم کے بجائے یہودی کہلانا زیادہ پسند کرنے لگے۔ حالانکہ اگر نسلی نام رکھنا تھا تو ابراہیمی، اسحاقی، یعقوبی، کہلانا کافی تھا۔ لیکن جس طرح ہم کو مسلم کہلانے سے شافعی، حنفی، مالکی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنّی، کہلانا زیادہ پسند ہے، اسی طرح ان بے چاروں کو بھی یہودی کہلانا زیادہ اچھا معلوم ہوا۔

حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں میں حضرت یوسفؑ بھی ایک تھے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے عظمت کے مینار پر متمکن فرمایا، قرآن پاک میں ایک سورۃ کا نام بھی سورۂ یوسف ہے، اسے بھی مطالعہ فرمائیے، ایک بہترین قصّہ کے ساتھ

بنی اسرائیل کو سلطنت کے دائرے میں آنے کی راہیں آپ پر منکشف ہونگی۔ لیکن یہاں ہم چند ضروری باتوں پر ہی اکتفا کریں گے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے مارے حسد کے انھیں کنویں میں پھینک دیا۔ اپنی دانست میں تو یہ لوگ سمجھ بیٹھے کہ راستے کا کانٹا صاف ہوا لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ راہ چلتے قافلہ والوں نے انھیں اس کنویں سے نکالا اور مصر کے بازار میں بطور غلام کے بیچ ڈالا مصر میں حضرت یوسفؑ کا خریدار حکومت کا ایک اعلیٰ حاکم بنا اور انھیں اپنے گھر کے کام کاج کے لیے رکھ چھوڑا۔ یوسفؑ جب جوانی پر پہنچے تو اسی افسر کی بیوی ان پر عاشق ہوئی۔ خدا کی مدد شاملِ حال ہوئی اور یوسفؑ کی عفّت اور ان کا ناموس بحفاظت رہا۔ اس عورت کی دعوتِ عشق کو انھوں نے رد کر دیا۔ عورت بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اپنے جذبات کی تسکین کے لیے دروازے بند کر کے حضرت پر ٹوٹ پڑی۔ لیکن خدا نے حفاظت فرمائی۔ پھر بھی اس نے حضرت پر ہی دست درازی کا الزام لگایا۔ بے ایمان حکمرانوں کی پرانی سنّت پر عمل ہوا۔ حضرت یوسفؑ کو جیل خانہ جانا پڑا۔ جرم کیا تھا؟

نرالی ہے عدالت مدعی خود جس کے قاضی ہیں
یہاں جو بے خطا نکلے اُسے چھوڑا نہیں جاتا

جیل خانہ میں وحدانیت کی دعوت حضرت یوسفؑ کی زبانی سورۂ یوسف کی ان آیات میں ملاحظہ فرمائیے:

اِنِّی تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ○ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ ○ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (12- یوسف- 37 - 40)

" واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ کر جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، اپنے بزرگوں، ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور تمام انسانوں پر! کہ اس نے اپنے سوا کسی کا بندہ ہمیں نہیں بنایا۔ مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اے قید خانہ کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیٹھ سیدھا طریقۂ زندگی ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

یہ تقریر قید خانے کے دو ساتھیوں کو اُن کے خواب کی تعبیر بتانے سے قبل حضرت یوسفؑ نے فرمائی۔ اس تقریر سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ دعوتِ یعقوبیؑ کا عکس حضرت یوسفؑ کے ذہن پر برسوں سے باپ سے جُدائی کے بعد بھی مِٹ نہیں سکا اور موقع پاتے ہی اپنے عقیدے کو واضح طور پر پیش بھی کر دیا۔ اور اللہ و آخرت کے منکروں کی ملّت کو ترک کرنے کا اعلان بھی کر دیا۔

اللہ کی توحید کے لیے ایسا زبردست اور مضبوط عقیدہ رکھنے والی ذاتِ اقدس حضرت یوسفؑ، ان بنی اسرائیلیوں کو اپنے انتساب کے لئے پسند نہیں آئی کہ وہ اپنے آپ کو یوسفی مشہور کرتے۔ مگر ایک معمولی بھائی یہودہ کے نام سے یہودی مشہور ہونا پسند کیا تاریخی طور پر نہ صرف عوام بلکہ علماء و فقہاء بنی اسرائیل بھی اس کھڈ میں گرنے سے بچ نہ سکے۔

خیر قصہ مختصر یہ کہ خواب کی تعبیر رہائی کا سبب بنی اور ربِّ اکبر نے مِصر کے تختِ سلطنت پر حضرت یوسفؑ کو اپنی مخصوص تدبیروں سے متمکن کر دیا۔ مصری سلطنت پر قابض ہونے کے بعد کنعان سے اپنے والد حضرتِ یعقوبؑ اور تمام بھائیوں سمیت پورے خاندان کے 67 افراد کو مصر میں لا بسایا۔ یہیں سے بنی اسرائیل کی مصر میں آمد کا دَور شروع ہوا۔

ایک طرف حضرت یوسفؑ کا اقتدارِ اعلیٰ منہاج النبوۃ پر قائم ہوا۔ دوسری طرف آپ ہی کی سرپرستی میں مصری عوام کو دینِ ابراہیمؑ کا درس، خاندانِ اسرائیل کے افراد کے ذریعہ جاری ہوا۔ رفتہ رفتہ مصری عوام میں یہ بات عام ہوئی حضرتِ یعقوبؑ سے نسلی تعلق رکھنے والے ان بنی اسرائیلیوں کو ملک میں اقتدارِ اعلیٰ پر متمکن

ہونے کے سبب سے بلند ترین درجہ عطا ہوا۔ اور مزید عروج واستحکام کا ذریعہ خدا کے دین کی دعوت ثابت ہوئی۔

لگ بھگ چار سو سال تک مصری اقتدار بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں رہا۔ اہلِ مصر میں جو لوگ اسلام لائے ان کا مذہب ہی نہیں بلکہ تہذیب، تمدّن اور طرزِ زندگی غیر مسلم مصریوں سے الگ تھلگ ہوگیا۔

اب یہ اسرائیلی قافلہ دورِ موسیٰؑ تک لگ بھگ بیس لاکھ کی تعداد تک پہنچ گیا۔ خاندانِ یعقوبی کی اولاد اور دوسرے فرزندانِ توحید اپنے مقام کو بھول کر مصری تمدّن اور تہذیب کے مشرکانہ عقائد واعمال میں گرفتار ہوئے ٹھیک آج کے ہندوستانی مسلمانوں کی طرح جنھوں نے اپنی ہمسایہ قوموں کی بہت سی رسمیں اور بُت پرستی کے بہت سے عقائدِ باطلہ کو زبردستی اپنے بزرگوں کی تعلیم میں خلط ملط کر دیا۔۔ اور قبر پرستی کی ایک نئی شریعت قرآن وحدیث کے مقابلے میں کھڑی کر دی۔

یہی جرم صدیوں پہلے بنی اسرائیل کر چکے تھے۔ اور ٹھیک اسی شرک کو مٹانے اور بنی اسرائیل کو سدھارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء کرام ان میں مبعوث فرمائے۔ یہ ظالم شرک وبُت پرستی میں اپنی ہمسایہ قوموں سے لیے ہوئے مستعار عقائد کی محبّت میں اتنے اندھے ہو چکے تھے کہ انبیاء کرام کو قتل کرنے میں بھی انھیں حجاب نہیں رہا۔

قتلِ انبیاء اور شرک جیسے عظیم اور ناقابلِ معافی جرم کے سبب ان پر اللہ تعالیٰ کا غصّہ بھڑک اٹھا اور فرعونیوں کی غلامی میں یہ لوگ ایسے جکڑے گئے

کہ حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر، کلیم اللہ، اور صاحبِ توراۃ نبی نہ بھیجے جاتے تو عالم میں ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہ پاتا۔

حضرت موسیٰؑ کی مسلسل جدوجہد کے بعد خدا نے بنی اسرائیل کو نجات دی اور نہ صرف مصر، بلکہ فلسطین جو حضرت یعقوبؑ کا آبائی وطن تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد فرمایا۔ اور توراۃ کو روئے زمین پر قائم کرنے کی جوابدہی بھی اُن پر ڈالی گئی جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

لیکن جب دَورِ موسیٰؑ کے بعد ان میں پھر بگاڑ آیا تو وہی کچھ حرکتیں انھوں نے شروع کیں، جو حضرت موسیٰؑ سے قبل مصر میں کرتے آرہے تھے۔ مگر پھر بھی کُلّی طور پر انھوں نے دینِ موسیٰؑ کو چھوڑا نہیں تھا۔ اور توراۃ کو ترک نہیں کیا تھا! البتّہ ان کے بعض مکّار اور دنیا پرست عالم ورہبان توراۃ میں کتر بیونت کر کے دین کا حلیہ ضرور بگاڑتے رہے۔ اسی دینی بگاڑ کو دور کرنے کے لیے اور توراۃِ مقدس کے احکامات کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلسل انبیاء علیہم السّلام کی بعثت ان میں جاری رکھی۔ حتّٰی کہ حضرتِ مسیح سیدنا عیسیٰ علیہ السّلام کو اُن کی ہدایت کے لیے سلسلۂ انبیاء بنی اسرائیل کے آخر میں بھیج کر اسرائیلی انبیاء کے تسلسل کو موقوف فرمادیا۔ اور مسیح ابن مریمؑ کی زبانِ مبارک سے احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی منادی کرادی۔

## بائبل میں یہودی کفریات

آمدِ مسیحؑ کے قبل بنی اسرائیل میں انبیاء کی بعثت کے موقع پر جب جب

اس بگڑی ملّت کے صالح افراد نبیوں کے جھنڈے تلے جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی سلطنتیں بھی ان کے دم سے قائم کردیں۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کا دَور اس بات پر بیّن شہادت ہے۔

لیکن ملّت کا بگاڑ کسی سیاسی طاقت کے ذریعہ اس وقت دور ہوتا ہے جبکہ شریعتِ خداوندی کی پابندی کا جذبہ ملّت میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تو حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے دنیا سے جانے کے بعد بنی اسرائیل کے بدکار و مشرک سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے خود اپنے سلاطین اور انبیاء کی سیرتوں کو اس طرح سے مسخ کردیا کہ خدا کا کوئی نبی تو کیا معمولی سیرت کا حامل مومن بھی ایسی سیرت سے ہزار بار اللہ کی پناہ مانگے گا۔

بنی اسرائیل کے اس گھناؤنے جرم پر آج بھی توریت کے محرّف نسخے گواہی دیتے ہیں۔ نہ صرف حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے ساتھ ہی ان ظالموں نے ایسی گستاخی کی ہے بلکہ بہت سے نبیوں کو اپنی سیرت کی گراوٹ پر لے آئے ہیں تاکہ دنیا سے اپنی بدکاری پر طعنے سُننے وقت یہ کہہ سکیں کہ یہ اعمالِ بد تو ہم کو فلاں نبیوں کی سیرت سے ملے ہیں، خدا کی پناہ! قلم میں ہمّت نہیں کہ ان واقعات کو نقل کرسکے۔ مگر اس کا کیا علاج؟ اب اس مردود قوم کو برسرِ عام بے نقاب کرنے کے لیے خود اُن کی اپنی تحریف شدہ کتبِ مقدّسہ کو سامنے لائے بغیر چارہ نہیں۔ ایک مسلمان کا عقیدہ توراۃِ مقدّس پر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا قرآنِ پاک اُسے مکلف قرار دیتا ہے۔ مگر جب اس بگڑی اُمّت نے خود اپنی مذہبی کتاب کے سہارے اپنی بداعمالی اور بدکاری کو آج بھی منظرِ عام پر رکھا ہے تو اسے پیش کرنا چاہیے۔

حضرت لوطؑ ہوں یا ابراہیمؑ و داؤدؑ، سلیمانؑ ہوں یا اسحاقؑ سب اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں۔ قرآن پاک نے ان کی تعریف میں یہ کہا کہ:

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ○ (38-صٓ-47)

"اور وہ حضرات ہمارے یہاں سب سے اچھے اور منتخب لوگوں میں سے ہیں۔"

ان مقدس ہستیوں کو اللہ پاک نے انسانوں کو اپنا پیغام پہنچانے اور نیکی وہدایت کی طرف بلانے کے لیے دنیا میں بھیجا تھا۔ ان کے تقویٰ اور پرہیز گاری کی سند خود اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ مگر بائبل میں ان مقدس ہستیوں پر ایسے ایسے رکیک الزامات اور بے ہودہ تہمتیں لگائی گئی ہیں جن کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ہم بائبل کے چند ابواب کا ذکر کر رہے ہیں تاکہ قرآن کریم سے تقابل کرکے بائبل کی تحریف کا اندازہ کیا جاسکے۔

○ لوطؑ نے شراب سے بدمست ہوکر اپنی بیٹیوں سے زنا کیا۔"

(پیدائش $\frac{9}{31 \text{ تا } 38}$)

○ "بڑھاپے میں داؤدؑ کا پہلو گرم کرنے کے لیے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ملک کی جوان کنواری حسینائیں لائی جاتی تھیں۔" (سلاطین $\frac{1}{1 \text{ تا } 4}$)

○ "داؤدؑ نے اوریاہ کی بیوی کو محل میں بلاکر اس سے زنا کیا۔" (2-سموئیل $\frac{11}{4}$)

○ "اور پھر اوریاہ کو قتل کرواکر اس کی عورت کو بیوی بنالیا۔" (2-سموئیل $\frac{12}{1}$)

○ "حضرت سلیمانؑ اسی عورت سے پیدا ہوئے۔" (متی $\frac{1}{6}$)

○ "سلیمانؑ بوڑھے ہوگئے تو ان کی بیویوں نے اُن کا دل غیر معبودوں کی طرف مائل کردیا۔" 1-سلاطین $\frac{11}{4}$

خدا مجھے معاف کرے دل پر پتھر رکھ کر یہودی کفریات ان کی کتب سے نقل کر دیں تاکہ معلوم ہو کہ یہودی کیا کچھ ہیں۔

بائبل نے نعوذ باللہ پیغمبروں کو شرابیوں، زانیوں، قاتلوں، مشرکوں اور بُت پرستوں کی صف میں لا کھڑا کر دیا۔ اس سے بڑھ کر انبیاء علیہم السّلام کی بے ادبی ساری دنیا میں کسی قوم نے نہیں کی۔

دیکھا آپ نے بنی اسرائیل کی اپنے انبیاء کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کو! اب یہ بنی اسرائیل، بنی اسرائیل نہیں رہے تھے بلکہ نسلی تفوّق اور برتری کے جذبے نے انھیں مسلم اور اسرائیل سے صرف یہودی بنا کر چھوڑا۔ اور یہ اب عالم میں آسمانی آواز کے مطابق یہودی بن جانے والے مشہور ہوئے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْا (اے وہ لوگ جو یہودی بن گئے) کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ یعنی یہ خود ہی یہودی بن بیٹھے۔ خدا نے اور اس کے کسی نبی نے انھیں یہودی بن جانے کا حکم نہیں دیا تھا، جس طرح آج ہم ہزار ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں مگر الحمد للہ ایک موقع پر تو مان لیے جاتے ہیں کہ ہم سب مسلمان ہیں اعدائے دین و ملّت جب اپنے خونخوار پنجوں میں جکڑتے ہیں تو ہم سب کو مسلمان ہی دیکھتے ہیں۔ وہ پھر مطلق تمیز نہیں کرتے کہ شیعہ ہے یا سُنّی، رافضی ہے یا وہابی، مقلّد ہے یا غیر مقلّد۔ خیر بحمد اللہ ہم اتنے بیمار نہیں ہیں کہ لا علاج مریض بن چکے ہوں البتہ کبھی کبھار روگ بڑھ جانے پر کچھ نہ کچھ مزاج پُرسی کرا دی جاتی ہے کہ ہم ملّتِ اسلامی میں واپس پلٹ آئیں۔

مگر بنی اسرائیل، یہود ہو کر پھر ملّتِ اسلامی میں پلٹ کر واپس نہ آئے اور

اجتماعی طور پر دینِ ابراہیمی کو چھوڑ کر یہودی اور صرف یہودی بن گئے اور آج تک ان کو دینِ ابراہیمی میں واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ انھیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر موقع دیا گیا کہ ملّتِ ابراہیمی پر لوٹ آئیں۔ ان میں سے جو صالح افراد یہودیت سے نکل کر اس ملّتِ اسلامی میں واپس آئے وہ آج بھی ہمارے ہیرو ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر افراد۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ حضرت صَفِیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو تمام مسلمانوں کی ماں ہیں، ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی تھیں۔ بنی اسرائیل اور یہود میں جو سعید تھے وہ تو دربارِ نبوّت کے پروانے بن گئے۔ اور جو شقی و بدبخت تھے ان کو روشنی نورِ محمدیؐ سے بھی نہ مل سکی۔ سچ ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ (24 - النّور - 40)

"جسے اللہ روشنی سے محروم کر دے اُسے روشنی کہیں بھی نہیں مل سکتی۔"

اور یہی بدبخت گروہ اب عالمِ اسلام تو کیا ساری دنیائے انسانیت کے لیے ایک عظیم خطرہ ہے جس قوم کی کوکھ سے انبیائے کرام پیدا ہوئے۔ بعد ازاں جب وہ مرتد ہوئی تو اسی قوم سے دجّال مردود کا پیدا ہونا ہی باقی ہے۔ اور یہ ہوگا بھی۔ احادیثِ نبویؐ میں فتنۂ یہود اور دجّال کی جو کچھ پیش خبری ہے وہ دنیا کی کسی کتاب میں آپ کو نہیں مل سکتی۔

اپنی زبان و قلم سے ہم اس مضمون کو طول دینا نہیں چاہتے۔ بلکہ اب ہم آیاتِ قرآنی سے حقیقتِ یہود کو بے نقاب کریں گے اس لئے اب سلسلہ وار اُن آیاتِ قرآنی کو ہم آگے درج کریں گے۔ جو کلامِ پاک میں اِس مرتد قوم کے متعلق بیان فرمائی گئی ہیں۔

---

# بنی اسرائیل کون تھے؟

یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ ○ (2۔ البقرۃ۔ 40)

"اے بنی اسرائیل! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا۔ میں بھی اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا۔ اور تم صرف مجھ سے ڈرتے رہنا"

اسرائیل کے معنیٰ ہیں عبداللہ یا بندۂ خدا۔ یہ حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا جو اُنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔ وہ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے۔ انھیں کی نسل کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ انھیں میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے اور توریت اُتری۔ حضرت موسیٰؑ نے انھیں فرعون کے مظالم سے خلاصی دلاکر ملکِ شام میں لا بسایا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا تھا کہ احکاماتِ توریت پر قائم رہو گے اور جو بھی نبی میں بھیجوں گا اس کے مددگار بنو گے، یہی تھا وہ عہد جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا۔ آج بھی توریت میں جا بجا اُسے دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً بائبل کی کتاب استثنا ر باب 26 آیت 17 میں بتایا گیا کہ:

"اے بنی اسرائیل تو نے آج کے دن یہ اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے اور میں اس کی راہوں پر چلوں گا اور اس کی شرطوں اور اس کے احکام کو مانوں گا اور اس کی آواز سنوں گا۔"

تاریخی طور پر یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہیئے تاکہ آئندہ مضامین کے احاطے کے لیے مفید ثابت ہو کہ حضرت ابراہیمؑ عراقی پھر شامی پھر حجازی تھے۔ آپ کی ذاتِ اقدس سے دو نسلیں چلیں جن کا زمانہ 2160 سے 1985 قبل مسیح سے شروع ہوا۔ ایک نسل بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا مصری کے بطن کے فرزند حضرت اسماعیلؑ سے چلی جو بنی اسماعیل کہلائی۔ آگے چل کر اسی کی ایک شاخ قبیلۂ قریش بنی۔ ان کا وطن حجاز و عرب رہا۔ دوسری نسل حضرت ابراہیمؑ کی دوسری بیوی، بی بی سارہ رضی اللہ عنہا عراقی کے بطن سے حضرت اسحاقؑ اور ان کے فرزند حضرت یعقوبؑ (عرف اسرائیل) سے چلی جو بنی اسرائیل کہلائی۔ اس نسل کا وطن ملکِ شام رہا۔ قدیم جغرافیہ میں فلسطین کوئی الگ ملک نہ تھا بلکہ ملکِ شام ہی کا ایک جز تھا۔ بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا۔ توحید کی علمبردار دنیا میں یہی قوم رہی۔ انبیاء و مرسلین ان کے درمیان آتے رہے۔ بڑے بڑے عابد و زاہد ان میں پیدا ہوتے رہے۔ حکمراں، سلاطین اور فوجی جنرل اس نسل کی کوکھ سے دنیا میں آئے۔ اس طرح "بنی اسرائیل" آگے چل کر ایک قومی و نسلی اصطلاح بن کر رہ گئی۔ اور مذہبی حیثیت سے بگڑتے بگڑتے یہ نسل یہودی مشہور ہوئی۔

---

## مدینہ میں نزولِ قرآن کے وقت

# بنی اسرائیل کو دعوتِ ایمان

وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ص
وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ز وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوۡنِ ○ (2-البقرۃ - 41)

"اور اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو میں نے اب نازل کی ہے۔ یہ کتاب اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تم کو دی گئی تھی۔ لہٰذا سب سے پہلے منکر تم نہ بن جاؤ۔ اور میری آیات میں تحریف کر کے ان کے بدلے دنیاوی منفعت نہ حاصل کرو اور میری ناراضی سے بچو۔"

نزولِ قرآن کے وقت مدینہ طیبہ میں جو یہودی آبادی تھی انھیں یہاں خطاب کیا گیا ہے۔ اور انھیں قرآن کریم پر ایمان لانے اور اس کام میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی جو خود اُن کا اپنا کام تھا انھیں بتایا گیا کہ یہ قرآن اور یہ نبیؐ وہی پیغام اور وہی کام لے کر آئے ہیں جو اِس سے پہلے تمھارے انبیاء اور تمھارے پاس آنے والی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں تاکہ تم خود بھی اس پر چلو اور دنیا کو اس کی طرف بلانے اور چلانے کی دعوت دو۔ یہ کوئی بیگانہ اور

اجنبی دعوت نہیں ہے۔ یہ تمھاری اپنی چیز ہے۔ لہٰذا اس کا انکار کرنے میں پہل نہ کرو۔ اور جانتے بوجھتے حق کی مخالفت نہ کرو۔

ساتھ ہی انھیں یہ یاد دلایا کہ اللہ کی کتاب میں تحریف کر کے مالی منفعت اور مذہبی چودھراہٹ جو تم نے حاصل کی ہے وہ خدا کی ناراضگی کا سبب بنے گی۔ اس لیے تم کو چاہیئے کہ اب ان حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ تمھاری دیکھا دیکھی جتنے لوگ قرآن کا انکار کریں گے اُن سب کے بانیٔ اوّل تم ہو گے۔

---

# دعوتِ اقامتِ صلوٰۃ

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ○

(2-البقرۃ- 43)

"نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔"

نماز اور زکوٰۃ ہر زمانے میں دینِ اسلام کے اہم ترین ارکان رہے ہیں۔ تمام انبیاء کی طرح انبیاء بنی اسرائیل نے بھی اس کی سخت تاکید کی تھی۔ مگر یہودی ان سے ٹھیک ایسے ہی غافل ہو چکے تھے جیسے آج کے مسلمان نماز و زکوٰۃ سے لاپرواہ ہو چکے ہیں۔

نمازِ باجماعت کا نظام یہودیوں میں متروک ہو چکا تھا، اور ان کی اکثریت بھی انفرادی نماز کی ایسی ہی تارک ہو چکی تھی جیسی آج کی اُمّتِ محمدیہ۔

غور کیجیے اس آیتِ کریمہ پر کہ یہود کو اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کی دعوت دینے والے دینِ حق کے پیرو آج کس حالت میں پہنچ گئے ہیں، آخر ہم کو عالمِ یہود پر فضیلت اسی لیے دی گئی تھی کہ ہم ارکانِ دین کو اُن کے مقابلے میں زیادہ مستعدی سے قائم کرنے والے تھے۔ مگر زمانۂ حال میں مسلمانوں کا حال کسی سے چھپا نہیں رہا۔ ان کے پاس سب کچھ ہے مگر احکاماتِ الٰہی کی پابندی نہیں۔ پس یہی چیز یہود کے مقابلے میں مسلمانوں کی ذلّت و رسوائی کا باعث کہی جائے تو کیا غلط ہے؟

# بے عمل علمائے یہود

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (2- البقرۃ - 44)

"تم دوسروں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہ لو گے؟"

یہود کا مذہب صرف دوسروں کو احکامِ شرع بتانے پر موقوف تھا اور یہ شرعی احکامات ان کے علماء و رہبان کی فقہی آراء اور ان کی نسلی اور قومی تاریخ پر زیادہ مشتمل تھے۔ کتابِ الٰہی کا حصّہ اس میں کم سے کم تھا۔ مگر روئے زمین پر وہ ایک ایسا مذہبی گروہ تھے جنھیں قرآن نے اہلِ کتاب کہہ کر مخاطب کیا۔ اس لیے ان کے مذہبی عقائد و خیالات کا اثر عوام النّاس پر نزولِ قرآن کے وقت بہر حال موجود تھا۔ انھیں اسی پر تنبیہہ کی گئی کہ خدا کی کتاب کی تلاوت اور عقل دونوں کی مدد سے وہ خود اپنی اصلاح کی طرف متوجّہ ہوں۔ ساری دنیا اگر عالم و عاقل بن جائے اور تم دوزخ کے ایندھن بنو تو یہ بات کوئی سمجھ داری کی نہ ہوگی۔ بلکہ تمھارے اپنے نقصان اور ابدی خسران کی ہوگی۔ توریت میں جا بجا ایسے

بے عمل علماء کی مذمّت کی گئی ہے۔

اس حکمِ قرآن کے معلوم ہونے کے بعد ہم مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ ہم تلاوت کلام اللہ اور عقل کی روشنی میں اپنے نفس کو نیکی اور راستی کا پابند بنائیں۔

---

# صحیح راہِ عمل

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۠

(2-البقرة - 46-45)

"اور صبر و نماز سے سہارا حاصل کرو۔ بے شک نماز کی پابندی ایک دشوار امر ہے مگر ان پر کچھ بھی مشکل نہیں جو خوفِ خدا رکھتے ہیں اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں آخر کار اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔"

یہود میں جب خوفِ خدا اور آخرت کا یقین رخصت ہوا تو چند صالح افراد کو چھوڑ کر پوری قوم ترکِ صلوٰۃ کی مجرم ہوئی۔ آج یہی حال ہم مسلمانوں کا ہے۔ اللہ کا خوف جب دلوں سے جاتا رہا تو نماز باقی رہ پاتی بھی تو کب تک؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غیر اللہ کے خوف سے ہم دوچار ہیں طاغوت کے جبڑوں میں اپنے آپ کو کسا ہوا پاتے ہیں۔

جو کچھ کسر اس سلسلے کی رہ گئی تھی، وہ عالمِ اسلام پر یہود کی یلغار نے پوری کر دی۔ یہودیوں سے مسلمان نہیں ہارا، بلکہ بے عمل امتِ سابقہ نے

بے عمل امتِ موجودہ پر ہاتھ ڈال دیا۔ اب بھی ان یہود کا مقابلہ کرنے کا ہتھیار صرف ایک ہی ہے کہ ہم اللہ کا خوف اپنے اندر پیدا کریں۔ نماز و صبر سے کام لیں۔ مادّی طاقت اگر مقدار میں کم بھی ہوگی تو نصرتِ الٰہی اس کمی کو پورا کر دے گی۔

---

# عقیدۂ آخرت کا بگاڑ اور اس کے بانی

یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ○ وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّلَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ○ (2 - البقرۃ 48-47)

"اے اسرائیل کے بیٹو! یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا۔ اور ساری دنیا پر اس وقت تمہیں فضیلت دی تھی اور ڈرو اس دن سے جب کوئی نفس کسی کے کچھ کام نہ آسکے گا اور نہ اس دن کسی کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اور نہ فدیہ لے کر کسی کو چھوڑا جائے گا۔ اور نہ اس دن کسی کی طرفداری چل سکے گی۔"

یہ تذکیر نعمت اس وقت کی بیان ہو رہی ہے جبکہ بنی اسرائیل واقعی بنی اسرائیل تھے اور ان کے ہاتھوں میں خدا کی کتاب تھی اور ان کی گردنوں میں ان کے نبیوں کی اطاعت کا پٹہ پڑا ہوا تھا۔ تب واقعی تمام دنیا کی قوموں میں ایک بنی اسرائیل ہی ایسی قوم تھی جس کے پاس اللہ کی کتابوں کا علم تھا۔

مگر اب ان کے بگاڑ کی نشاندہی کی جارہی ہے کہ جس کی وجہ سے آستانۂ عرشِ عظیم سے انھیں دھتکارا گیا۔ ان کا بگاڑ یہی کچھ تھا کہ ہم اللہ کے نبیوں کی اولاد ہیں، بڑے بڑے مرسلین، زہاد، اتقیاء اور اولیاء سے نسبت رکھتے ہیں ان کا دامن پکڑے ہوئے ہیں، ہماری بخشش انھیں بزرگوں کے ذریعہ ہو جائے گی، خدا کو اپنے پیاروں کی بات مانے بغیر چارہ نہیں نہیں ہے۔ نعوذ باللہ۔ گویا خدا کے دربار کو پارلیمنٹ سمجھ رکھا تھا کہ جہاں ایک منسٹر دوسرے منسٹر یا صدر پر دباؤ ڈال کر بات منوا سکتا ہے، چاہے قانون میں گنجائش ہو یا نہ ہو۔

انھیں عقائدِ باطلہ کی وجہ سے یہ لوگ خیر سے لاپروا، گناہوں کے چکر میں گھرے رہتے تھے، ظاہر ہے کہ ایسی قوم نماز، روزہ، تقویٰ، صبر، ایثار، زکوٰۃ جیسے نفس کو روندنے والے اعمال کرنا بھی چاہتی تو نہ کر سکتی تھی اسی لیے ان کے عقائدِ باطلہ کا تجزیہ کر کے حقیقتِ حال سمجھائی گئی، ساتھ ہی ساتھ بنی اسرائیل کے مقام پر شہادتِ حق ادا کرنے کے لیے اُمّتِ محمدیہ کا تقرر ہونے جا رہا تھا، اس لیے اس گمراہ قوم کی داستان بڑی تفصیل سے بیان کر دی گئی تاکہ یہ امّت بھی ان وادیوں میں بھٹکتی نہ پھرے جہاں یہود بھٹکتے آ رہے ہیں مگر افسوس ہم مسلمانوں کی حالت بھی عقائد میں کچھ ایسی ہی پائی جاتی ہے۔

ع یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

---

# دورِ موسیٰؑ اور یہود

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○

(2۔البقرة۔49)

"اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمھیں قومِ فرعون کی غلامی سے نجات دلائی، جو تم پر بڑے ستم توڑ رہے تھے، تمھارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمھاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اس میں تمھارے رب کی طرف سے تم پر زبردست بلا ڈالی گئی تھی۔"

ملکِ مصر وہی تھا۔ تختِ یوسفؑ بھی موجود تھا۔ مگر بنی اسرائیل اب مسلکِ توحید سے ہٹ چکے تھے۔ پھر بھی خدا نے ان کے سدھار کے لیے انتظامات فرمائے۔ مگر یہ ظالم اس کا اُلٹا اثر لیتے تھے۔ راہِ راست پر چلنے کی دعوت دینے والوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ خدا کے غضب کو انھوں نے خود دعوت دی، اسی لیے اُسی ملکِ مصر میں جہاں دورِ یوسفؑ میں ان کی حکومت قائم ہوئی تھی، فرعون نامی ایک خاندان کا اُنھیں محکوم بنا دیا۔ کل کے مصری سلطان آج کے غلام بنا دیئے گئے اور غلام بھی ایسے کہ تاریخِ انسانی میں ایسی ذلّت، بے چارگی، پستی اور مسکنت کسی قوم پر نہیں گزری۔ ایسی ذلّت آمیز سزا کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے۔

تصوّر کیجیے ان کی پستی کا کہ ان کی نظروں کے سامنے ہر پیدا ہونے والے لڑکے کا سر قلم کر دیا جاتا اور لڑکی کو زندہ چھوڑ دیا جاتا۔ سارے ملک میں اس قوم سے ہر ذلیل کام، حتیٰ کہ گھر کے برتنوں کی صفائی میں بھی جبراً بیگار لی جاتی۔ منبر و محراب میں توحید کا درس دینے والے جب بگڑتے ہیں تو اسی طرح کے عذاب ربّ کائنات کی طرف سے ان پر مسلّط ہو جاتے ہیں۔

ظلم بہر حال ظلم ہے۔ اس ظلم کی جب انتہا ہوئی تو ربِّ اکبر نے ایک طرف تو بنی اسرائیل کے حق میں اس بلائے عظیم کو اُن کے گناہوں کی دنیوی سزا کا بدل بنا دیا۔ اور انھیں مظالم کی وجہ سے آلِ فرعون پر قہر خداوندی ٹوٹ پڑا۔ یہی ظلم حضرتِ موسیٰؑ کی بعثت کا باعث بنا۔ اگر ان یہود کو امّتِ موسیٰؑ بننے کا موقع ربِّ اکبر نہ دیتا تو آج کیا آج سے تین ہزار سال قبل ہی اس کا وجود مٹ چکا ہوتا۔

عالمِ انسانیت کے معماروں کو گارے اور اینٹ کی عمارتوں پر لگا دینا ہی کچھ کم عذاب نہیں تھا۔ اس پر اولاد کے قتل جیسا بھیانک عذاب حاکمِ وقت کے ہاتھوں ٹوٹا جس کے تصوّر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن مسلمانو! تم بھی سمجھ لو کہ سقوطِ بغداد اور فتنۂ تاتار کے وقت دریائے دجلہ بھی تمھارے خون سے رنگین کرنے میں "حاکمِ اعلیٰ" کا اسی طرح کا کوئی فرمان کام کر گیا ہوگا۔ واقعۂ بغداد تو پچھلی نسل نے دیکھا ہے جو زیرِ زمین ہو چکی۔ لیکن سقوطِ یروشلم اور غیروں کے ہاتھوں مسجدِ اقصیٰ کی بے حرمتی آخر کون سا انعامِ خداوندی ہے جو تمھیں دیا گیا؟۔

اس غلط فہمی میں نہ پڑنا کہ یہود خدا کے پیارے تھے اس لیے ان سے

پٹوانا آزمائش قرار دیا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب عالمِ انسانیت کی ہدایت کے لیے کسی اُمت کو سرفراز فرماتا ہے پھر وہ اُمت مسلکِ توحید کو چھوڑ کر شرکیہ اعمال میں گرفتار ہوتی ہے تب اُن کو سزا دینے کے لیے اولیاء اللہ نہیں بھیجا کرتا بلکہ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ (سخت جنگجو اور بے رحم بندے) ہی مقرر فرماتا ہے۔ اسی لیے مصر میں جب یہود کی پٹائی ہوئی تو نیک لوگوں کے ذریعہ نہیں بلکہ آلِ فرعون کے ذریعہ جو خدا کے نزدیک اصحابِ نار اور مردود تھے۔ انھیں کے ہاتھوں یہود کو ذبح کرایا گیا۔ اب تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ قانونِ خداوندی یہی ہے۔ آپ کے ساتھ بھی صدیوں سے کاتبِ تقدیر یہی کچھ کر رہا ہے۔ بڑھو اور اس کے دامنِ رحمت میں جگہ پانے کی سعی اور کوشش کرو اور دعا کرو کہ:

وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ

(7 - الاعراف 156)

"اے ہمارے مالک اس دنیا کی بہتری اور آخرت کی کامیابی ہمارے لیے لکھ دے۔ ہم تیری راہ پر پڑ چکے ہیں۔"

---

# دشمن غرقِ دریا ہوئے

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○

(2 - البقرة 50)

" اور یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے سمندر پھاڑ کر تمھارے لیے راستہ بنایا اور تمھیں نجات دلائی۔ اور آلِ فرعون کو غرقِ آب کیا اور یہ سب تم دیکھ ہی رہے تھے۔"

حکومتِ وقت یعنی فرعون نہ تو انھیں مصر میں ٹھیک سے جینے دیتا تھا اور نہ ہی ملک چھوڑ کر چلے جانے دیتا تھا۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا، اُن کا قصّہ آگے جہاں مضمون کی مناسبت سے ضرورت ہو گی آئے گا۔ یہاں اتنی بات جان لینی چاہیے کہ حضرت موسیٰؑ کی برسوں کی جدوجہد کے بعد جب انھیں مصر سے نکل جانے کا موقع نصیب ہوا تو راستہ معلوم کرنے میں کچھ ایسی گڑبڑ ہوئی کہ بجائے خشکی کے راستے کے ساحلِ سمندر پر یہ قوم راتوں رات پہنچ گئی۔ خدا کی طرف سے یہ ایک زبردست امتحان تھا اور یہ امتحان اس قوم پر خدا کے احسان کا باعث بنا۔ ایک طرف سمندر ہے تو دوسری طرف فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت اُن کے

تعاقب میں آپہنچا۔ بنی اسرائیل چیخ اُٹھے کہ اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ (ہم تو پکڑ لیے گئے)۔

حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے زبردست معجزات سے سرفراز فرمایا تھا۔ اور یہ اللہ کی طرف سے عنایت شدہ ان کی بہت بڑی طاقت تھی۔ بنی اسرائیل تو یوں بھی استخلاصِ وطن یا فرعونیوں سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے حضرتِ موسیٰؑ کے ساتھ ہو لیے تھے۔ ان کی غالب اکثریت کو دینِ موسوی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے ایک عرصے تک تربیت حاصل کرنے کے بعد خود اللہ کے رسول سے یہ ظالم بچھڑا پرستی کا تقاضا کرنے لگے۔ کسی قوم کے مشرک ہونے کی بھی کوئی حد ہوتی ہو گی۔ مگر یہود کے لیے کسی حد کا تعین کرنا سخت مشکل ہے۔

بہر حال اللہ کے کلیم کی عصا کے ضرب سے سمندر میں راستے بن گئے۔ بنی اسرائیل سمندر پار ہوئے۔ پیچھا کرنے والی آلِ فرعون کی ساری طاقت سمندر میں ڈبو دی گئی۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ لاکھوں افراد کی قوم کو ساحلِ سمندر سے اس پار پہنچانے کے لیے خود سمندر میں سڑکیں بن جائیں اور جیسے ہی یہ قوم اس پار ہو ان کے متعاقب دشمن کو بیچوں بیچ سمندر میں غرق کر دیا جائے۔ لیکن اتنا بڑا زبردست معجزہ، جو اُن کی کھلی آنکھوں کے سامنے ہوا، ان کے ایمان کی مضبوطی کا باعث نہ ہوا بلکہ آگے چل کر یہی قوم حضرت موسیٰؑ سے تقاضا کرنے لگی کہ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (کہنے لگے کہ خدا کو دکھا تو مانیں) توبہ استغفر اللہ!

یہ واقعہ 1447 قبل مسیح کا ہے۔شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ خرقِ عادات واقعہ صرف قرآن نے ہی بیان کیا ہے۔جی نہیں، بلکہ پوری اسرائیلی تاریخ میں یہ واقعہ اتنی کثرت سے بیان ہوا ہے کہ توریت وجیوش انسائیکلوپیڈیا اور مشہور قدیم یہودی مؤرخ جوزیفس، نیز انجیل کے کئی کئی صفحات اس کی تفصیلات سے بھرے پڑے ہیں۔

---

# جہالت کی انتہا

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

(2 - البقرة 52-51)

"اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے موسیٰ کو چالیس راتوں کی قرارداد پر بلایا۔ ان کے پیچھے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اس وقت تم نے بہت بڑی زیادتی کی تھی۔ مگر اس پر بھی ہم نے تمھیں معاف فرمایا، تاکہ تم شکر گذار بن سکو۔"

جب حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو (جو اُس وقت ان کے ساتھ تھی) بحرِ قلزم پار کرا لائے۔ تب خدا کا فیصلہ ہوا کہ اس قوم کو ایک نظامِ شریعت اور دستورِ زندگی حضرت موسیٰؑ کی رہنمائی میں عطا کیا جائے۔ موصوفؑ اس نعمتِ عظمیٰ یعنی توریتِ مقدس کو لینے کے لیے جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑ "طور" پر اللہ کی طرف سے طلب فرمائے گئے۔ اشارتاً یہ بات لکھ دیں کہ حضرت موسیٰؑ کا سنِ ولادت 1520 قبل مسیح ہے اور سنِ وفات 1400 قبل مسیح ہے تاکہ تاریخِ عالم سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو مزید تحقیقات میں آسانی ہو۔

مندرجہ پیراگراف کی مزید تفصیلات بائبل میں خروج باب 24 تا 31 میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو توریت کی لکھاوٹ تختیوں پر کر کے دی گئی تھی جو تاریخِ انسانی میں اپنی نوعیت کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے مگر اس قومِ بنی اسرائیل نے ان مقدّس تختیوں کی اتنی قدر نہ کی جتنی ایک بچھڑے کی، جس میں ایک بے مطلب آواز پیدا کرنے کا ڈھونگ سامری نامی ایک شخص نے رچایا تھا۔ اس کا تذکرہ مفصّل طور پر آگے انشاء اللہ آئے گا۔ اس لیے کہ ہم بنی اسرائیل اور یہود کے متعلق تمام واقعات جو قرآن میں بیان کیے گئے ہیں، اس مضمون میں سلسلہ وار لکھنا چاہتے ہیں۔ سامری اور بچھڑے کی پوری تفصیلات سورۃ الاعراف وسورۃ طٰہٰ وغیرہ میں آئے گی۔ علاوہ ازیں اس قصّہ کو بائبل کی کتاب خروج باب 32 میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اپنی جہالت کی تاریخ بے چارے اب بھی اٹھائے پھرتے ہیں۔
ساری دنیا میں ان کی بچھڑا پرستی خوب مشہور ہوئی۔

قانونِ الٰہی کے نزدیک ان کی نیابت سے اولادِ آدم میں جہاں جہاں بچھڑا پرستی چل پڑی ہوگی اس کے ذمّے دار قیامت تک یہود رہیں گے تو تعجب نہیں، شرک کی اس نہایت بے ڈھب اور نامعقول شکل کو بنی اسرائیل مصر کے مشرک حاکموں سے مستعار لے کر نکلے تھے۔ اس وقت تو یہ چیز بے دلیل تھی۔ لیکن جب حضرت موسیٰؑ جیسے عظیم المرتبت نبی کی اُمّت نے بچھڑا پرستی کی تو دوسری قوموں میں جا کر یہی چیز وزن دار بن گئی ہو تو بعید نہیں۔

شرک کی یہ ذلیل ترین قسم یہود میں حضرت موسیٰؑ کی صرف چالیس روز کی مفارقت کے درمیان گھس گئی اور وہ ساری تعلیم بے اثر ہو گئی جو اب تک انھیں حضرت موسیٰؑ دے چکے تھے۔ اور ان کم بختوں نے حضرت موسیٰؑ کی بے ادبی بھی کرڈالی۔ اور ان کے لیے اور اپنے لیے بھی اس بچھڑے کو معبود بنانے کا انتخاب کیا۔ کہنے لگے کہ:

فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ۝ (20۔ طٰہٰ۔ 88)

"یہ ہے ہمارا اور موسیٰؑ کا معبود لیکن موسیٰ تو بھول ہی گئے۔"

نعوذ باللہ! اس قوم کی جہالت کی کوئی انتہا نہیں کہ بچھڑے کو اپنا اور اپنے نبیؑ کا معبود بھی بنا لیا اور اس پر طرہ یہ کہ موسیٰؑ کوہِ طور پر خدا سے ملنے گئے ہیں اور یہ بدبخت قوم کہتی ہے کہ موسیٰؑ تو بھول گئے خدا تو یہاں موجود ہے (استغفر اللہ)

مگر قربان جائیں اس ربِّ غفور کے آستانۂ عالیہ پر! کہ ایسے ناقابلِ معافی جرم کو بھی معاف کیا۔ مگر اس شرط پر کہ ہمیشہ یاد کرتے رہنا اور شکر گذار رہنا۔ اس کے بعد بھی اس قوم کی حرماں نصیبی دیکھیے کہ بچھڑا پرستی سے خلاصی نہ پا سکی۔ خدا نے اپنے کلام پاک میں ان کی اسی حالت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ

"جیسے بچھڑے کی محبّت و عقیدت ان کے دلوں میں پلا دی گئی ہو۔"

---

# عطا کردہ الفرقان

وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ○

(2- البقرۃ - 53)

"یاد کرو کہ (ٹھیک اس وقت جب تم یہ ظلم کر رہے تھے) ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق کو ناحق سے جدا کرنے والے احکام دیئے، تاکہ تم سیدھی راہ چل سکو۔"

فرقان کا ترجمہ ہم نے "حق کو ناحق سے جدا کرنے والے احکام" کیا ہے۔ یہ ترجمہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے ترجمے سے بہت قریب تر ہے۔ اللہ کی کتاب کی یہ بنیادی صفت ہوتی ہے کہ وہ حق و باطل میں فیصلہ کن طاقت بن کر آتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ○

(25- الفرقان 1)

"وہ بہت ہی بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندہ خاص پر فرقان نازل فرمایا تاکہ اہلِ عالم کو خبردار کیا جاسکے۔"

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ج (2 - البقرة-185)

"رمضان ہی وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل فرمایا گیا، جو انسانوں کے لیے کتابِ ہدایت ہے اور راہ چلنے کے روشن نشانات اس میں موجود ہیں اور حق و باطل میں فیصلہ کرڈالنے والی کتاب ہے۔"

یہی فرقان یہود کو بھی ملا تھا۔ مگر انھوں نے قدر نہ کی اس کا علم ہمیں قرآن کے مطالعہ سے ملتا ہے۔ مگر کیا ہم مسلمانوں نے کبھی اس بات کی طرف توجہ دی کہ یہ الفرقان نامی تازہ فیصلۂ خداوندی ہمیں عطا کیا گیا ہے اس میں کچھ فیصلے صادر فرمائے گئے ہیں؟۔

---

# عاشقانِ عجل (بچھڑا) کو

# توبہ کا عبرتناک حکم

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ ط فَتَابَ عَلَیْکُمْ ط اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○

(2- البقرۃ- 54)

" اور وہ وقت بھی یاد کرو جب موسٰیؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ؛ بچھڑے کے پیچھے پڑکر تم نے خود اپنا نقصان کیا۔ سو توبہ کرو اور پلٹو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف۔ اور اب اپنے آپ کو قتل کرو اسی میں تمھارے پروردگار کے نزدیک تمھارے لیے بھلائی ہے۔ پھر اس کے بعد اس نے تمھاری توبہ کو قبول کیا اور بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔"

توریتِ مقدّس لے کر کوہِ طور سے جب حضرت موسٰیؑ تشریف لائے اور اپنی قوم کو گئوسالہ پرستی میں ملوث پایا تو نہایت غضب ناک ہوئے۔ یوں تو

شرک خدا کی ہر شریعت میں ظلم عظیم ہے۔ اور شریعتِ موسیٰؑ و آئینِ اسرائیل میں مذہبی معصیت کے علاوہ فوجداری کا ایک سنگین جرم تھا۔ شرک کی سزا مشرک کو قتل کرنا تھی۔ ثبوت کے لیے توریت کی قانونی آیات میں مشرک مرد اور مشرک عورت کے لیے یہ تصریح دیکھیے۔ بائبل کتاب استثنا، باب 17۔

"آیت 2۔ اگر تیرے درمیان تیری بستیوں میں جن کو خداوند تیرا خدا تجھ کو دے کہیں کوئی مرد یا عورت ملے جس نے خداوند تیرے خدا کے حضور یہ بدکاری کی ہو کہ اس کے عہد کو توڑا ہو ○ 3۔ اور جا کر دوسرے معبودوں کی یا سورج یا چاند یا اجرام فلکی میں سے کسی کی جس کا حکم میں نے تجھ کو نہیں دیا پوجا اور پرستش کی ہو ○ 4 اور یہ بات تجھ کو بتائی جائے اور تیرے سُننے میں آئے تو تو جانفشانی سے تحقیقات کرنا۔ اور اگر یہ ٹھیک ہو اور قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ اسرائیل میں ایسا مکروہ کام ہوا ○ 5 تو تو اس مرد یا اُس عورت کو جس نے یہ بُرا کام کیا ہو باہر اپنے پھاٹکوں پر نکال لے جانا اور ان کو ایسا سنگسار کرنا کہ وہ مر جائیں۔" ○

اور ظاہر ہے کہ شریعت کا نفاذ صاحبِ شریعت کی موجودگی میں بھی نہ ہو تو کب ہوگا؟ پس بچھڑا پوجنے والے پکڑ پکڑ کر لائے گئے اور جنھوں نے انھیں اس مکروہ فعل سے روکا تھا انھیں کے ہاتھوں انھیں قتل کیا گیا تاکہ یہ قوم شرک کی شرعی سزا کو رہتی دنیا تک یاد رکھ سکے۔

شرک اگر کوئی مشرک کرتا ہے تو یہ اتنا مجرم نہیں جتنا کسی نبی کی اُمت کا فرد شرک کرنے پر مجرم قرار پاتا ہے۔ یہ اس لیے کہ کسی نبی کی امت کا یہ فرد تو وحدانیت کی دعوت دینے کے لیے کھڑا ہوا تھا، پھر اس کا شرک کس طرح قابلِ معافی ہو سکتا

ہے ؟ - یہ تو ہوئی ضابطہ شریعتِ موسوی کی بات لیکن عملاً اللہ تعالیٰ کی قدرت اس باب میں بھی وہی کچھ اب تک کر رہی ہے جو دورِ موسیٰؑ میں کیا گیا تھا یعنی شرک کی سزا قتل و غارت، بے عزّتی ، بے حرمتی، ذلّت، مسکنت و بے چارگی۔

پس آج بھی جو قوم توحید کی علمبرداری کے باوجود شرک کرتی ہے تو انھیں آپس میں لڑا کر مروایا جاتا ہے یا پھر ان کے مخالفین کے ہاتھوں ان کا قتل جاری ہوتا ہے۔

سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِہٖ

خدا کی یہی سنّت اس کے اپنے بندوں سے اب تک چلی آرہی ہے۔

آدمی توبہ کر کے بہت سے گناہوں کے بوجھ سے بَری ہو جاتا ہے لیکن قومی وملّی، اجتماعی وجماعتی گناہ افراد کی توبہ سے قابلِ معافی نہیں ہوتے بلکہ اس کے لیے جماعتی وملّی سزا تجویز کی جاتی ہے، چاہے وہ شرعی طرز پر ہو چاہے عذابِ الٰہی کی مختلف شکلوں میں۔ اللہ محفوظ رکھے بڑی دردناک سزا ہے۔

مگر بنی اسرائیل میں ایسی سخت سزا بھگتنے کے بعد بھی جو عادی مجرم تھے اپنی عادتوں سے باز نہیں آئے۔ توحید و شرک کا فرق سمجھنے کے لیے انھیں خدا سے خود بات کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ کہنے لگے کہ اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً (موسیٰؑ ہمیں خدا کو ظاہراً دکھاؤ) اس سے معلوم ہوا کہ اسرائیلی مصر کے اپنے دورِ حکومت میں اپنی ہمسایہ قوموں سے جو مشرکانہ عقائد ساتھ لے کر چلے تھے اسے اتنی بھاری قتل و غارت گری سے لبریز توبہ کے بعد بھی اپنے ذہن و دماغ سے نکال نہ سکے۔ کسی قوم کی اس سے بڑی محرومی کیا ہو سکتی ہے کہ اتنے زبردست معجزات دیکھنے کے بعد بھی حضرت موسیٰؑ کی قیادت کو دینی و اخروی حیثیت سے

نہیں بلکہ صرف سیاسی و دنیوی لحاظ سے عارضی طور پر تسلیم کیا تھا۔

آج بھی بنی اسرائیل کی موجودہ نسل کے رنگ ڈھنگ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علوم نبویہ اور وحی والہام سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں بلکہ صرف ایک متعصب قوم کی حیثیت سے اپنا سیاسی مقام ہی انھیں عزیز ہے۔ چاہے دین وآخرت کا کتنا ہی خسران اس راہ میں اٹھانا پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں صرف اپنا قومی وسیاسی وقار پھر سے قائم کرنے میں یہود کو جتنی دلچسپی ہے اتنی تو کیا اس کی عشر عشیر بھی دینِ یعقوبیؑ سے مطلق نہیں۔

---

## ستّر سرداروں کو
# حضرت موسیٰؑ کی جانچ کے لیے بھیجا گیا

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (2- البقرة 56-55)

"یاد کرو جب تم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ ہم تمہاری بات کا ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے علانیہ اللہ تعالیٰ کو تم سے کلام کرتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔ سو تم کو اس پر بجلی کی کڑک نے آلیا اور یہ منظر تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے تمہارے مرجانے کے بعد تمھیں پھر زندہ اٹھایا تاکہ تم احسان مانو۔"

یہ قصہ اس طرح ہوا کہ جب موسیٰؑ نے کوہِ طور سے توریتِ مقدس لا کر پیش کی کہ یہ "کتاب" اللہ نے عنایت فرمائی ہے تو بعض ایسے گستاخوں نے جن کے رشتہ دار گئوسالہ پرستی میں قتل کیے گئے تھے، حضرت موسیٰؑ کی مخالفت میں آواز اٹھانی شروع کی۔ کہنے لگے کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کر کے کہیں کہ یہ ہماری کتاب ہے تب ہم یقین کریں گے۔ موسیٰؑ نے باذن الٰہی فرمایا کہ کوہِ طور پر چلے چلو یہ بات بھی ہو جائیگی۔

بنی اسرائیل کے ستّر نمائندے اس کام کے لیے منتخب کیے گئے جس کا بیان سورۂ اعراف میں اس طرح ہوا ہے:

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ○ (7-الاعراف-155)

"اور موسیٰؑ ہماری مقرر کردہ میعاد پر اپنی قوم کے ستّر آدمی منتخب کر کے کوہِ طور پر حاضر ہوئے۔ جب ان کو دھماکے نے آدبایا تو موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے رب اگر تو چاہتا تو مجھے اور ان کو پہلے ہی ہلاک کر ڈالتا۔ کیا آپ اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بعض بے عقل لوگوں نے کیا ہم سب کو ہلاک کر دیں گے۔ یہ تو تیری بڑی سخت آزمائش ہے۔ اس سے تو جسے چاہے گا بے راہ کرے گا اور جسے چاہے ہدایت دے گا تو ہمارا ولی ہے پس ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ اور تو سب سے بڑا بخشش کرنے والا ہے۔"

قوم کے تجربہ کار اور بڑے بوڑھے اس جماعت میں شامل تھے۔ حضرت موسیٰؑ انھیں لے کر کوہِ طور پر پہنچے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کا کلام (غیبی آواز) انھوں نے خود سُنا۔ اس کے بعد بھی ہٹ دھرمی کی اور شرارت پر اتر آئے۔ کہنے لگے کہ ہم کو صرف کلام سننے سے قناعت نہ ہو گی۔ پتہ نہیں کس کی آواز ہو۔ ہاں اگر

خدائے تعالیٰ کو دیکھ ہی لیں، تب بے شک مان لیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بجلی کا کڑاکا ان سرداروں پر ڈال دیا اور یہ مر گئے۔ اس طرح سے حضرت موسیٰؑ کے کام میں مشکلات اور بھی مزید ہو گئیں کہ جن سرداروں کو کلامِ الٰہی خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنوانے آئے تھے وہی مر مرا گئے اب قوم کو کیا جواب دیں گے؟

اسرائیلی قوم ادھر منتظر بیٹھی تھی کہ منتخب نمائندے اگر خدا کے متعلق حال بیان کریں تب ایمان لائیں۔ خیر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی راہ کا یہ پتھر بھی ہٹا دیا اور ان سرداروں کو دوبارہ زندگی بخشی تاکہ پوری قوم کے سامنے جا کر اس واقعہ کی آنکھوں دیکھی شہادت دے سکیں۔

اس تقریر سے آپ کو یہ اندازہ ہو گا کہ دراصل بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ اللہ کے رسول کی حیثیت سے انھیں تسلیم ہی نہیں کیا تھا ورنہ عظیم رہنما سے عصا، یدِ بیضا، اور سمندر کے پھٹ جانے وغیرہ جیسے معجزات دیکھنے کے بعد اس طرح کے مطالبے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ اللہ کو دیکھ کر ہی ایمان لائیں گے۔ بچھڑے جیسی حقیر اور خود اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی مورت پر اتنے مرمٹے کہ توحید جیسی دولتِ بے بہا پا کر پھر شرک اور مخلوق پرستی کی سفلیت پر اتر آئے۔ کوہِ طور پر قوم کے ستّر سرداروں کے مطالبے دیکھ کر ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پوری قوم کا کیا حال رہا ہو گا۔

اس سلسلۂ مضمون میں اب تک سورۃ البقرۃ میں یہود کے جو واقعات بیان ہوئے ہیں اس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دَورِ موسیٰؑ میں ان کا یہ حال تھا تو حضرت یوسفؑ سے حضرت موسیٰؑ کی بعثت تک کیا کچھ نہ رہا ہو گا۔

# مفت خوری اور ناشکری

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

(2- البقرة - 57)

" اور ہم نے تمہارے اوپر بدلی کا سایہ کردیا اور من وسلوٰی بطور غذا کے نازل کر دیئے۔ ہمارے عطا کردہ اس پاکیزہ رزق کو کھاتے رہو۔ مگر (تمہارے اسلاف نے) اس نعمت کی قدر نہ کی اور وہ ہمارا تو کچھ بھی نقصان نہ کر سکے بلکہ خود اپنے آپ پر ظلم کیا۔"

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب فرعون غرق ہوا اور بنی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا میں لاکھوں کی تعداد میں پہنچے تو مسلسل سفر سے ان کے خیمے پھٹ چکے تھے اور غذا کا سامان حاصل کرنے کے تمام مادی ذرائع دن بدن مفقود ہوتے جا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خیموں کے بدلے میں ان پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔ اور غذا کے مادّی ذرائع کے بدلے میں 'من' جیسی غذا جو دھنیے کے دانوں کی مانند ہوتی تھی اور جس میں چکناہٹ بھی موجود تھی، رات میں شبنم کے مانند برستی اور قافلے کے پڑاؤ اس سے پُر ہو جاتے، صبح ان دانوں کو

سمیٹ کر پیس لیا جاتا اور اناج کے بطور استعمال ہوتا۔ اور سلویٰ ایک پرند کے مانند ہوتا بٹیر کی طرح کا، یہ شام کو پوری اسرائیلی چھاؤنی پر لاکھوں کی تعداد میں اُڑتے، انھیں بآسانی پکڑ لیا جاتا اور ذبح کر کے سالن بناتے۔ اور بھی دوسری چیزیں تیار کرتے۔

بدلی کا سایہ اور من وسلویٰ پوری قوم کو بچانے کا قدرتی ذریعہ تھا اور رب العالمین کی طرف سے ایک زبردست احسان تھا جس کا تذکرہ آج بھی بائبل میں کتاب الخروج باب 16 گنتی باب 11۔ ڈکشنری آف دی بائبل از ڈاکٹر ہیسٹنگر جلد چہارم صفحہ 179 ۔ النسائیکلوپیڈیا ببلیکا کالم 99 36 میں بالتفصیل دیکھا جاسکتا ہے۔

قرآن مجید نے یہود کو ربِّ کائنات کے وہ تمام احسانات یاد دلائے ہیں کہ اگر یہ اکرام ان پر اس وقت نہ ہوتے تو گرمی و بھوک سے یہ پوری قوم مر مرا کر ختم ہو جاتی۔ اور فرعون سے خلاصی دلانے کا کوئی دنیوی نفع انھیں حاصل نہ ہوتا۔ مگر اس احسان فراموش قوم نے اس نعمتِ خداوندی کی بھی کوئی قدر نہ کی۔ آج کوئی بڑے سے بڑا ملک اور حکومت اپنا سارا ساز و سامان لگا کر بھی ان لکھوکھا مہاجرین کا مکان و غذا کا انتظام نہیں کر سکتی۔ مگر اللہ کے فضل سے یہ غیبی انتظام بغیر کسی مادّی طاقت کے سہارے ان کے لیے کیا گیا۔

بائبل کی کتاب خروج میں اس واقعہ کے متعلق مزید تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اس غذا کو کل کے لیے جمع نہ کرنے کی تاکید کی تھی۔ بس روز جتنی ضرورت ہو اتنی جمع کر کے تصرّف میں لے آؤ۔ مگر ذخیرہ نہ کرنا۔ حضرت موسیٰؑ کی

بات سُنی اَن سُنی کردی گئی۔ اور یہ ظالم ذخیرہ اندوزی کرنے لگے۔ مگر اُن کے ذخیروں میں کیڑے پڑ گئے اور وہ سڑ گیا۔

مفت کی غذایوں بھی آدمی کو شرارت پر آمادہ کرتی ہے۔ مگر یہ تو تھے ہی ناشکرے۔ کب تک اپنی خباثت پر پردہ ڈالے رہتے، آخر ظاہر ہو ہی گئے اور اپنا اگلا مطالبہ پیش کر دیا۔ جو سورۃ البقرۃ کی آیت 61 میں آئے گا۔

---

# بدکار فاتح

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

(2 - البقرۃ - 59-58)

"اور جب ہم نے حکم دیا کہ تم لوگ اس بستی میں داخل ہو جاؤ، پھر اس میں جہاں چاہو اس کی پیداوار کو شکم سیر ہو کر کھاؤ اور جب بستی کے دروازے میں داخل ہونا تو جھکے جھکے داخل ہونا اور کہتے جانا کہ توبہ ہے، ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیک لوگوں کو مزید فضل سے نوازیں گے۔ مگر ان ظالموں نے جس لفظ کا انھیں حکم دیا گیا تھا اُسے بدل دیا اور اس کی جگہ اور کوئی لفظ کہنے لگے۔ آخر ہم نے ان ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا کہ یہ بڑے ہی نافرمان ثابت ہوئے۔"

ہمارے مفسّرین نے ان آیات کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ

ہے کہ جنگل و بیابان کی زندگی سے بنی اسرائیل اکتا چکے تھے۔ خدا نے انھیں ایک شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ تاکید کی کہ دروازے میں داخل ہو تو کہنا حِطَّۃٌ یعنی گناہوں سے توبہ ہے۔ مگر اُن ظالموں نے اس لفظ کو بدل دیا اور اس کی جگہ حِنطَۃٌ یعنی گیہوں چاہیئے، کہنے لگے۔ اور سجدہ ریزی کے بدلے سرین پر پھسلتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اس جرم کی سزا پر انھیں طاعون نے آگھیرا اور تقریباً ستّر ہزار (70,000) آدمی صرف دوپہر تک ہی مر گئے۔

ان آیات میں جس بستی میں داخلے کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اس کا تذکرہ آج بھی یہود کی کتبِ مقدسہ میں ان کے نافرمان ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ اس شہر میں جب بنی اسرائیل داخل ہوئے تو وہاں بڑی بدکاریاں کیں۔ جیسے آج کی بعض فوجیں مفتوح علاقوں پر کرتی ہیں۔ گویا یہ کسی نبی کی اُمّت اور کسی دعوت کے داعی نہ تھے بلکہ اپنے آپ کو انھوں نے ظالم و بدکار فاتح کے روپ میں پیش کیا۔ مفتوح قوم کی بہو بیٹیوں کو ان ظالموں نے اپنی بدکاری کا شکار بنایا۔ گنتی باب 25 آیت 1 تا 8 میں اسے آج بھی دیکھا جا سکتا ہے ۔ جی نہ چاہتے ہوئے بھی ہم یہاں بائبل کے اس بیان کو پورا نقل کر دیتے ہیں :

گنتی باب 5 آیت 1: اور اسرائیلی شطیم میں رہتے تھے اور لوگوں نے موآبی عورتوں کے ساتھ حرام کاری شروع کر دی ○ 2: کیونکہ وہ عورتیں ان لوگوں کو اپنے دیوتاؤں کی قربانیوں میں آنے کی دعوت دیتی تھیں اور یہ لوگ جا کر کھاتے اور ان کے دیوتاؤں کو سجدہ کرتے○ 3: یوں اسرائیلی بعل فغور کو پوجنے لگے تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل

پر بھڑکا ○ 4: اور خداوند نے موسیٰؑ سے کہا قوم کے سب سرداروں کو پکڑ کر خداوند کے حضور دھوپ میں ٹانگ دے تاکہ خداوند کا شدید قہر اسرائیل پر سے ٹل جائے ○ 5: سو موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے حاکموں سے کہا کہ تمھارے جو جو آدمی بعل فغور کی پوجا کرنے لگے ہیں ان کو قتل کر ڈالو ○ 6: اور جب بنی اسرائیل کی جماعت خیمۂ اجتماع کے دروازے پر رو رہی تھی تو ایک اسرائیلی، موسیٰؑ اور تمام لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ایک مدیانی عورت کو اپنے ساتھ اپنے بھائیوں کے پاس لے آیا ○ 7: جب فینحاس بن الیعزر بن ہارون کاہن نے یہ دیکھا تو اس نے جماعت میں سے اُٹھ کر ہاتھ میں ایک برچھی لی ○ 8: اور اس مرد کے پیچھے جا کر خیمے کے اندر گھسا اور اس اسرائیلی مرد اور اس عورت کا پیٹ چھید دیا ○ تب بنی اسرائیل میں سے یہ وبا جاتی رہی اور جتنے اس وبا سے مرے ان کا شمار چوبیس ہزار تھا۔"

قرآن پاک نے تو اب بھی ان ظالموں کا پردہ ہی رکھا اور ان کی نافرمانی کا صرف اجمالی تذکرہ ہی کیا۔ مگر جس کتاب کی یہ اب بھی تلاوت کرتے ہیں اس میں ان زانیوں کی تعداد 24 ہزار بتائی گئی جو بستی فتح کرنے کے زعم میں پرائی عورتوں پر لوٹ پڑے تھے۔

جنگل اور بیابان سے خدا انھیں انسانی آبادی میں لے آیا۔ علاقے فتح کرنے کے راستے دکھائے۔ سجدہ ریز ہو کر بستی میں داخلہ کا حکم دیا۔ مگر اُن کے کرتوت کوئی دیکھے کہ اب یہ جو سارے عالم کی فتح کے خواب دیکھ رہے ہیں، کیا

کچھ قیامت نہ ڈھائیں گے۔ مغربی تہذیب کے جنسی انارکی بھرے ماحول سے نکلے ہوئے یہ آج کے یہودی عالمِ انسانیت پر کیا کچھ ستم نہ ڈھائیں گے جبکہ موسیٰؑ جیسے عظیم نبی کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی بدکاروں کی تعداد خود اُن کی کتاب سے چوبیس ہزار ثابت ہوئی تو موجودہ یہود کُل کے کُل بدکار نکلیں تو تعجب کی کون سی بات ہوگی؟۔

درود و سلام ہو صاحبِ قرآن جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ فتح مکّہ کے موقع پر ایک بھی عورت کی عصمت پر حرف نہ آیا۔ اور خدا راضی ہو اُن صحابہ پر جو بعض ملکوں پر ایسے بھاری پڑے کہ وقت کی دیّوث اور نامرد حکومتوں نے ان کے مقابلے کی سکت نہ پاکر شہر کے پھاٹک ان کے لیے کھول دیئے اور اپنی بہو بیٹیوں کو بناؤ سنگار کے ساتھ نیم عریانی کی حالت میں شہر کی عمارتوں اور سڑکوں پر کھڑا کر دیا کہ لشکرِ اسلام کے سپاہی ان سے مُنہ کالا کریں اور شکست کھاکر واپس جائیں۔ مگر کمال تھا محمدی تعلیم کا کہ اسلامی لشکر کا سپہ سالار فوجیوں کو حکم دیتا ہے کہ شہر میں داخل ہوتے وقت مکانوں اور کوٹھوں پر مطلق نگاہ نہ ڈالنا اور سیدھے پایہ تخت پر گھیرا ڈالنے پہنچ جانا۔ حکم کے مطابق سپاہی پہنچے تو نامرد مفتوح سلاطین و حکمراں پوچھنے لگے کہ ہمارے ملک کی خوبصورت دوشیزائیں اور ہماری تعمیرات کو آپ نے نہیں دیکھا۔ سپہ سالار کہہ اٹھا کہ ہمارے نبیؐ کا حکم پرائی عورتوں پر نظر تک ڈالنے کا نہیں ہے اور تمہارا فنِ تعمیر ہم دیکھتے کیسے جبکہ تم نے ان عمارتوں پر نیم برہنہ خواتین کو کھڑا کر دیا تھا۔

# پنگھٹ کے لڑاکو

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○

(2 - البقرة - 60)

"اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا مانگی تو ہم نے حکم دیا کہ اپنے عصا کو فلاں پتّھر پر مارو چنانچہ فوراً اُس پتّھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر قبیلہ نے جان لیا کہ اس کی پانی پینے کی کون سی جگہ ہے۔ ہم نے کہا کہ کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے رزق میں سے اور حد سے مت نکلو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔"

لق ودق وادیوں میں لشکرِ اسرائیل کو من وسلویٰ کا سرکاری انتظام ہوا۔ اب رہا سوال پانی کا۔ ویسے بھی دورانِ سفر ریگستانی علاقوں میں اِکا دکا افراد کے لیے بھی پانی نہیں کے برابر ہوتا ہے۔ پھر یہ تو لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ ساری مخلوق کے ساقی نے ان کے لیے یہاں بھی غیب سے پانی کی سہولت کا انتظام کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں بنی اسرائیل کا یہ لشکر اس پتّھر کو بھی اپنے ساتھ ساتھ لیے چلتا اور جس وادی میں بھی چھاؤنی ڈالنی ہوتی بے کھٹکے قیام کر لیتا۔ پانی کی غیبی ٹنکی ایک پتّھر کی شکل میں ساتھ ہی رہتی۔ حضرت موسیٰؑ کی ضربِ کلیم اس پر لگتی اور بارہ چشمے جاری ہو جاتے۔ خوب شکم سیر ہو کر سارا لشکر پانی کا استعمال کرتا۔

پانی پر اُن کی آپس میں لڑائی نہ ہو اس کے لیے بارہ خاندان کے افراد کے اس جمِ غفیر کے لیے بارہ چشمے الگ الگ کر دیئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج پنگھٹ، کنوؤں، نلوں اور جھیلوں پر جس طرح جاہل عورتیں لڑمرتی ہیں اسی طرح کا مزاج ان یہود کا بھی رہا ہوگا۔

ایک بات کی یاددہانی یہاں ہو جائے کہ حضرتِ یعقوبؑ کے بارہ فرزند تھے ایک ایک بیٹے کی اولاد سے بارہ خاندان و قبیلے وجود میں آئے۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی انھیں آپسی ٹکراؤ سے محفوظ رکھنے کے لیے اور انتظامی سہولتوں کے پیشِ نظر، ان سب کے الگ الگ افسر اور چودھری مقرر فرمائے تھے۔ اس لیے چشمے بھی بارہ ہی پھوٹ نکلے۔ ورنہ خدا چاہتا تو ایک ہی گھاٹ سے ان کو سیراب کر دیتا۔

مسلمانو! آج تم انھیں یہود سے شکست کھا چکے ہو، جو پانی کے مسئلے پر بھی متحد نہ ہو سکے۔ آج ان سے زیادہ نا اتفاقی اور انتشار خود تمھاری صفوں میں موجود ہے، جو تمھاری پستی کی وجوہات میں سے ایک وجہ ہے، اتحاد عالمِ اسلامی تو خیر، خود عرب سلطنتیں بھی آپس میں متفق نہیں ہیں، جس کا اقرار مشرقِ وسطیٰ کی مسلم قیادت کے بعض صالح عناصر نے کھُل کر کیا ہے۔

آج کے یہود کل تو اسی مقام پر تھے جہاں امتِ محمدیہ آج کھڑی ہے۔

ان کے تمام جرائم گنانے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس اُمت کو پچھلوں کی غلطیوں سے متنبہ کر دیا جائے تاکہ یہ بھی اسی کھڈ میں نہ گر پڑیں جس میں دوسری اُمتیں گر کر اپنا حقیقی مقام کھو چکی ہیں۔

# قتلِ انبیاء کے اقبالی مجرم

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ○ (2 - البقرة - 61)

”اور جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ ہم سے ایک ہی کھانے پر صبر نہیں ہوگا، تم اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لئے ترکاری، لکڑی، گیہوں مسور اور پیاز جو زمین سے اُگتی ہیں ان کا انتظام فرما دے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ بہتر چیزوں کے بدلے بُری چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ اگر یہی کچھ تمھیں چاہیئے تو کسی شہر میں جا اُترو جو تمھاری مانگ ہے وہ وہاں پوری ہوگی۔ اور نوبت یہاں تک آپہنچی کہ ذلت اور بے چارگی ان پر مسلط ہوگئی اور اللہ کے غضب میں گھر گئے یہ سب اس سبب

سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرنے لگے۔ اللہ کے نبیوں کو انھوں
نے ناحق قتل بھی کیا۔ یہ نتیجہ نکلا اُن کی نافرمانیوں کا اور حدِ اعتدال
سے وہ ہمیشہ نکل جاتے تھے۔"

یہ قصہ بھی یہود کی صحرانوردی کے دَور سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک بڑے مقصد
کے لیے حضرت موسیٰؑ انھیں تیار کر رہے تھے۔ اس درمیان میں اس قوم کو دال آٹے
کی فکر سے آزاد کرانے کے لیے منّ وسلویٰ کا نزول اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے
کر دیا گیا تاکہ آسمانی غذا اُن کی حیات اور بقا کی ضامن ہو اور پورے طور پر ایک
ایسی اُمّت بن سکیں جو اِس وقت کے ابناءِ آدم کو راہِ ہدایت کی نشان دہی کے
لیے روشنی کا مینار بن کر کھڑے ہوں۔

مگر یہود آخر یہود ہی ٹھہرے۔ بلا مشقّت طعامِ آسمانی کھاتے کھاتے
اُکتا گئے۔ اور ان چیزوں کی فرمائش شروع کر دی جس کے لیے انھیں کھیتی باڑی کا
شغل اختیار کرنا ہو۔ زمین کی ساگ سبزیوں سے انھیں اتنی رغبت ہوئی کہ آسمانی
بریانی سے جی اچاٹ ہو گیا۔ وقت کے نبی سے اس قوم کے مطالبات اس تیزی سے
ہونے لگے کہ ایک فرمائش ابھی پوری نہیں ہوئی کہ دوسری کا تقاضا شروع ہو گیا۔
اسی چکر میں یہ قوم خدا کا غضب ساتھ لئے پھرتی رہی۔ وہ تو خیر ہوئی کہ حضرت موسیٰؑ جیسے
عظیم المرتبت نبی ان کے وار سے بچ گئے ورنہ موسیٰؑ کے بعد آنے والے انبیاء میں
بہت سے نبیوں کو ان ظالموں نے قتل تک کر ڈالا۔ خدا کے نبی حضرت یعقوبؑ
کی اولاد جو دینِ یعقوبیؑ اور ملّتِ ابراہیمیؑ کے احیاء کے لیے کھڑی کی گئی تھی، خود ہی
اپنے میں آنے والے نبیوں کی قاتل بن جائے، اس سے زیادہ یہود کی بدنصیبی کی

داستان اور کیا ہو سکتی تھی۔

ان کے کرتوتوں کی رذالت کی انتہا اس واقعہ سے ہے کہ حضرت مسیحؑ کو قتل کرنے کی سازش انھوں نے کی۔ گو اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے مگر عالم میں مسیح ابن مریم کے قاتل مشہور ہو گئے۔ خود آج بھی یہودی نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اس جرم کے دعویدار بھی ہیں۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ

(4 - النساء - 157)

"(اللہ کی لعنت رہی ان پر) ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہم نے قتل کر دیا مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ کو جو اللہ کا رسول تھا۔ حالانکہ وہ اسے نہ تو قتل کر سکے اور نہ سولی پر چڑھا سکے لیکن انھیں شبہ ہو گیا اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ بھی اس واقعہ کے متعلق شک میں مبتلا ہیں۔ حقیقتاً انھیں اس بات کا کچھ بھی علم نہیں ہے صرف اٹکل اور گمان کی بات کرتے ہیں۔ یقیناً مسیحؑ کو یہ قتل نہیں کر سکے۔"

صورتِ واقعہ یوں ہے کہ دراصل خدا نے حضرت مسیحؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کرنے والے گروہ کے پیشوا کو جب وہ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کرنے گئے، حضرت عیسیٰؑ کی شکل دے دی۔ اور اس دھر پکڑ میں پیچھے آنے والے قاتلوں نے اس شخص کو جو مسیحؑ کی صورت کا بنا دیا گیا تھا سولی پر چڑھا دیا اور فی الواقع حضرت

مسیحؑ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ لیکن مسیحؑ کے قتل کے جرم کا جہاں تک تعلق ہے، یہود کی دیدہ دلیری بھی قابلِ داد ہے کہ وہ علی الاعلان اپنے بزرگوں کو اس جرم کا مرتکب تسلیم کرتے ہیں۔ خدا نے اگر حضرت مسیحؑ کی صورت ان کے چودھری کو نہ دی ہوتی تو انھوں نے اصل مسیحؑ کو قتل کرنے میں کیا کسر چھوڑی تھی۔ اسی لیے باوجود مسیحؑ کو قتل نہ کر سکنے کے بھی، ہمارے نزدیک سازشِ قتلِ مسیحؑ کا جرم تو بہر حال ان کی گردن پر ہے ہی۔

اسی قسم کی دوسری ناکام حرکت انھوں نے سرورِ کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی کی تھی جس کا تذکرہ سورۃ الحشر میں آئے گا۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلے پر اُن کی کثیر آبادی بنی نضیر کے نام سے آباد تھی۔ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر میں صلح رکھتے تھے اور باطن میں مخالفین کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے حضور اکرمؐ کو بڑے احترام سے اپنے یہاں دعوت دی اور قرآن سننے کی تمنّا کا اظہار کیا۔ حضورؐ تشریف لے گئے۔ آپ کو جہاں خطاب کرنے کے لیے بٹھایا گیا تھا وہاں اوپر سے چکّی کا پاٹ ڈال دیا۔ مگر حضرتؐ کو بروقت اللہ تعالیٰ نے وہاں سے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ جیسے ہی حضرتؐ اٹھے ہیں ویسے ہی ٹھیک اُسی جگہ پر چکّی کا پاٹ گرا جہاں حضرتؐ تشریف فرما تھے۔ اس طرح سے ان یہود نے خدا کے آخری نبیؐ پر بھی ناکام وار کر ہی دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ ہی تھا جس نے اس اسکیم کو ناکام بنا دیا۔ لیکن جرم پھر بھی قانونی طور سے ان پر باقی رہتا ہے۔

ان ظالموں نے پچھلے انبیاء کے ساتھ جو کچھ معاملہ کیا تھا اب اسکے تذکرے کی چنداں ضرورت نہیں۔

# نجات کے ٹھیکے دار

یہود کے عقائدِ باطلہ میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنے سوا کسی کو نجات کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط عقیدے کی تردید ان الفاظ میں فرمائی:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (2 - البقرة - 62)

"جو لوگ بھی مسلمان ہیں اور جو یہودی بن گئے ہیں اور جو عیسائی ہیں اور جو لوگ صابئین رہے ان میں سے جو بھی شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور آخری دن پر بھی، پھر نیک عمل بھی کیے ہوں گے انھیں کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا اور نہ ہی وہ مغموم ہوں گے۔"

یہود نجات کے لیے اپنی اجارہ داری کا ڈھنڈورا آج بھی پیٹتے رہتے ہیں۔ گویا خدا کے یہاں بھی نجات کے فیصلے ایمان اور عملِ صالح پر نہ ہوں گے بلکہ نسل رنگ اور خون کی نسبت سے ہوں گے۔

---

# یہود کی باغیانہ روش

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ج فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

(2 - البقرة - 64 - 63)

" اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہِ طور کو تم پر اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اُسے مضبوطی سے تھامے رہو اور جو کچھ اس کتاب میں ہے اسے اچھی طرح یاد رکھو تاکہ عذاب سے بچ سکو۔ لیکن تم اس کے بعد پھر گئے اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تمھیں اور بھی نقصان اٹھانے پڑتے۔"

احکاماتِ توراۃ کے اخذ اور تمسک کا حکم جب انھیں دیا گیا تو یہ حیلہ سازی اور بہانے بازی کرنے لگے۔ اس موقع پر کوہِ طور اٹھا کر کھڑا کر دیا گیا کہ اگر قبول کر و تو ٹھیک ورنہ سب کی قبریں ابھی اسی پہاڑ کے نیچے بن جائیں گی۔ یہ قصہ بھی اور قصص کی طرح یہود کی کتابوں میں اب بھی محفوظ ہے۔

تالمود نامی توراۃ کی شرح و تفسیر یہود میں بہت ہی مقبول اور عام ہے۔ اس

میں درج ہے کہ خدا نے پہاڑ کو ان لوگوں پر الٹ کر اوندھا کر دیا اور ان سے کہا کہ توراۃ کو اگر قبول کرتے ہو تب تو خیر ورنہ تمھارا مدفن یہیں ہو کر رہے گا۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد 4 صفحہ 321۔

اب ہم بائبل کی کتاب خروج باب 19 میں جو آیات ہیں اس کا خلاصہ بیان کریں گے۔

حضرت موسیٰؑ نے پوری قوم کو غسل کر کے طور کے ارد گرد حاضر رہنے کا حکم دیا۔ پوری قوم نہا دھو کر اور کپڑے بدل کر حاضر ہوئی۔ طور کے ارد گرد میقات مقرر کر دی گئیں کہ عوام میں سے کوئی اس کے آگے نہ بڑھے۔ صرف حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے اللہ کے احکامات لے آئے اور قوم کو سنا دیئے۔ لیکن قوم نے احکامات قبول کرنے سے معذوری کا بہانہ بنایا، اس پر اللہ کا غضب ان پر بھڑکا، پہاڑ ہلنے لگا۔ کالی گھٹاؤں اور بجلی کی بھرمار سے پوری وادیٔ طور میں اتھل پتھل ہو گئی۔

بنی اسرائیل کی اب تک کی روش کو دیکھتے ہوئے اور کھلے واقعات کی روشنی میں ان کی ایمانی اور اخلاقی حالت کا اندازہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ الٰہی کا نافذ ہونا انھیں گراں گزرا۔ تب ان پر طور مسلّط کر دیا گیا۔ اس کی کچھ تفصیل آگے سورۃ الاعراف آیت 171 میں مزید شرح وبسط کے ساتھ آوے گی۔

اُمّت کی تشکیلِ جدید کے بعد شرعی احکامات کا اجرا ہونا لازمی بات ہے۔ اگر امّتِ اسلامی کے صفِ اوّل کے لوگ ہی اس کا انکار کرنے لگیں تو شریعت ڈانوا ڈول ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے یہود میں شرعی استحکام حضرت موسیٰؑ کے بعد

کسی دور میں دو چار دن نہیں رہا۔ ؎

کارِ یہود کارِ بد انجام ہوگیا
لفظِ یہود داخلِ دُشنام ہوگیا

کسی واقعہ کی اچھی توجیہہ کرنا یہودی تاریخ کے لیے ممکن نہیں رہا۔ اس لیے کہ پہلے ہی موقع پر یہ لوگ حق کے مقابل ایسی کراری چوٹ کرتے ہیں کہ خود اپنے یقین کا خاتمہ اپنے ہاتھوں سے کر لیتے ہیں اور بعد میں جب ان کے مفکرین و مفسرین کی آراء مذکورہ واقعات میں سامنے آتی ہیں۔ تب تصویر اور بھی بھیانک ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہود کے واقعات سے ہمیں بھی چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، خدا کی کتاب کو اگر ہم نے مضبوطی سے نہیں تھاما تو اب کوئی کوہِ طور تو ہم پر گرنے سے رہا۔ لیکن کوہِ طور سے زیادہ بھیانک مصائب کے پہاڑ آئے دن ہم پر ٹوٹتے رہتے ہیں جو ہماری اجتماعی زندگی کو چور چور کر دیتے ہیں خدا کا حکم ہم کو بھی یہی ہے کہ ہم اس کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ج

( 43-الزخرف-43 )

"پس مضبوطی سے تھام لو اُس وحی کو، جو تمھاری طرف کی گئی"

# بندر۔ ذلیل

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (2 - البقرة - 66 65)

"اور تم خوب علم رکھتے ہو ان لوگوں کے متعلق جنھوں نے تم سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن میں۔ تب ہم نے ان سے کہا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔ پھر ہم نے اس واقعہ کو عبرتناک بنا دیا ان لوگوں کے لیے جو وہاں موجود تھے اور بعد کو آنے والی نسلوں کے لیے بھی۔ اور ان کے اس انجام کو ڈرنے والوں کے لیے نصیحت بنا دیا۔"

سبت کہتے ہیں سنیچر کے دن کو۔ اس دن بنی اسرائیل کو کسی قسم کا بھی کام کاج کرنے کی ممانعت تھی۔ اور خاص طور پر ساحلِ سمندر پر بسنے والے مچھلی کے شکاریوں کو یہ امتناعی حکم دیا گیا تھا۔ شنبہ کے دن کے لیے کچھ ایسے ہی احکامات تھے جیسے اُمّتِ محمدیہ میں جمعہ سے متعلق شرعی احکامات موجود ہیں، فرق یہ تھا کہ یہود کے لیے ہفتہ کے دن پورے طور پر کاروبار بند کر کے عبادت کرنے کا حکم تھا اور ہم کو جمعہ کے دن اذان کے بعد خرید و فروخت چھوڑ کر ذکر اللہ کی طرف دوڑنے

کا حکم ہے۔ اور نماز کے بعد کاروبار دوبارہ شروع کرنے کی اجازت ہے، لیکن ذرا غور کیجیے کہ جمعہ کی اذان کے بعد خطبہ اور صلوٰۃِ جمعہ میں کُل ڈیڑھ گھنٹے سے بھلا کیا زیادہ وقت لگتا ہے؟ پھر بھی اُمّتِ محمدیہ کے جمعہ اور جماعت کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کاش یہ اُمّت جمعہ کی فضیلت کو جان کر پھر اسے اجتماعی طور پر قائم کر دے کہ عالم میں عیدین کا منظر ہر جمعہ کو نظر آنے لگے۔

یوم الجمعہ میں آج ہم پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اتنا گراں گذرتا ہے کہ اُمّت کا نصف حصّہ جمعہ کا تارک ہو چکا ہے۔ پھر یہود تو یہود ہی تھے۔ پورا دن بندگی کرتے بھی تو کب تک؟ بڑی ہی سخت آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہمیشہ آسانی کا ہوتا ہے۔ مگر ان لوگوں کی بغاوت کے سبب اتنی سختی کا برتاؤ کیا گیا۔ قرآن نے کہا کہ:

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ

(16- النحل - 124)

"بے شک ہفتے کا دن ان کے اختلاف کے سبب ان پر مقرر کیا گیا تھا۔"

اصل دینِ ابراہیمؑ میں یہ حکم نہیں تھا۔ لیکن دَورِ موسیٰؑ میں یہود نے خود ہی اس دن کو پسند کیا۔ اللہ کا حکم ہوا کہ اب اس دن کی تعظیم کرو۔ مگر کسی نے مانا اور کسی نے نہیں۔ ہفتہ کے دن شرارت کرنے والوں کو بندر بنا دینے کا جو تذکرہ یہاں ہے اسے سورۃ الاعراف میں مفصّل بیان کیا گیا ہے:

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذْ قَالَتْ

أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا لا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ط قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ م بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○ فَلَمَّا عَتَوْا عَمَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ○

(7 - الاعراف - 163 - 166)

"ان یہود سے پوچھو اس بستی کا حال جو دریا کنارے آباد تھی جب ہفتہ کے حکم میں وہ حد سے متجاوز ہونے لگی تو ہفتہ کے دن ہی مچھلیاں پانی کے اوپر آتیں اور جس دن ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ اس طرح ہم نے انھیں آزمایا تھا۔ اس لیے کہ وہ بے حکم لوگ تھے۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی کہ کیوں ایسے لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جنھیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا انھیں سخت عذاب دینے والا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ تمھارے رب کے آگے عذر کرنے کے لیے اور اس لیے بھی کہ شاید وہ اس گناہ سے پرہیز کریں۔ پھر جب انھوں نے اس نصیحت کو فراموش کر دیا تو جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی۔ اور جو ظلم کرتے تھے انھیں سخت عذاب نے آلیا۔ اور یہ سب کچھ ان کی بے حکمی کی وجہ سے کیا گیا، پھر جب وہ بڑھنے لگے اس کام میں جس سے انھیں روکا گیا تھا، (یعنی سبت کے دن مچھلی کے شکار کا امتناع) تو ہم نے حکم

دیا ذلیل بندر ہو جاؤ۔"

معلوم ہوتا ہے کہ عوام تین حصّوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک وہ تھے جو نافرمانی کر کے سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرتے۔ دوسرے انھیں اس بُرے کام سے روکتے اور تیسرے تھک ہار کر خاموش تماشائی تھے۔ لیکن بہتر وہی رہے جو بُرے کام سے روکا کرتے تھے۔ اس فرقے نے شکار کرنے والوں کا بائیکاٹ کیا۔ مِلنا جُلنا بھی چھوڑا۔ اس طرح سے آبادی میں محلے بھی الگ الگ ہو گئے۔ ایک دن صبح کو دیکھا گیا کہ ہفتہ کے دن شکار کرنے والے جتنے "کماؤ پوت" ہر گھر میں تھے بندر بن گئے۔ اور اپنے قرابت داروں کے پاؤں پر سر رکھ کر روتے رہے اور بالآخر تین دن کے بعد مر گئے۔

خود توراۃ میں سبت کے دن کی حرمت کا اتنا شدید مطالبہ کیا گیا تھا کہ جو شخص بھی اس دن کی حرمت کو توڑے اسے واجب القتل قرار دیا گیا۔ حوالے کے لیے خروج باب 31 کی آیت 15 ملاحظہ فرمالیں۔

آج بھی کہیں اور تو پتہ نہیں لیکن امریکہ اور فرانس میں یہود کے ہاتھ میں جتنے صنعتی ادارے ہیں وہاں چھٹیاں اتوار ہی کو منائی جاتی ہیں۔ سنیچر کے احترام کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ ہم اُمّتِ وسط جب جمعہ کی بے حرمتی پر نہیں شرماتے تو یہ یہود بھلا اس دَور میں کیوں شرمانے لگے۔ جبکہ بنی آدم کو دجّال کا "تحفہ" ان ہی کی برادری سے ملنے والا ہے۔ کہاں کا دین، کہاں کی شریعت، کہاں کے موسیٰؑ، کیسی توریت؟ بس یہودیت زندہ باد کے سوا بندروں کے خلف کے پاس کچھ بھی نہیں۔

ہم مسلمانوں پر خدا کا بڑا فضل واحسان ہے کہ قرآن کے ذریعہ ہم پر یہود کی حقیقت کھول دی گئی۔ ان کے عروج وزوال کی پوری کہانی ہمیں سنا دی گئی۔ اس وقت کا حال بھی ہمیں بتایا گیا، جب عالم پر انھیں فضیلت دی گئی اور اس وقت کے نظارے بھی کرا دیئے گئے، جب ان کی صورتیں مسخ کر دی گئیں۔ اللہ کا احسان مانو کہ ہم آج بھی بشکلِ بنی آدم ہیں، ورنہ جمعہ کے احکامات کے ساتھ بغاوت ہم نے بھی کی ہے۔ باغیوں کو اولیاء اللہ اور دنیا کے معمار بنا دینے والی کتاب کی طرف رُخ کرو اور جمعہ کو پکڑے رہو۔ تمھاری اجتماعیت کا سب سے کامیاب علاج جمعہ کا قائم کرنا ہے۔

---

# سنگ دلِ یہود

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (2 - البقرة - 74)

"مگر ان تمام نشانات کے مشاہدے کے بعد بھی تمہارے دل سخت ہی رہے۔ پتھّروں کی طرح سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت اور بعض پتھّر تو ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ اور بعض پھٹ جاتے ہیں تو پانی نکل آتا ہے اور بعض پتھّر ایسے ہیں جو اللہ کی ہیبت سے لڑھک جاتے ہیں اور اے بنی اسرائیل! اللہ تمہارے کرتوت سے بے خبر نہیں ہے۔"

اس آیت میں یہود کی تمام صفات کو سمیٹ کر ایک جامع صفت میں اکٹھا بتایا گیا ہے اور وہ ان کی سنگ دلی ہے جو پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہے۔ آیت کا ترجمہ ہی مضمون کا اچھی طرح احاطہ کیے ہوئے ہے۔

قرآن کا اندازِ بیان تو نہایت محتاط ہے۔ البتہ خود توراۃ کا بیان بھی اس

ضمن میں بے نقاب ہو تو معلوم ہو گا کہ ان ظالموں کی پردہ پوشی قرآن میں پھر بھی بہت کچھ کی گئی ہے۔

"تو نے ان کو مارا ہے پر انھوں نے افسوس نہیں کیا تو نے ان کو غارت کیا پر وہ تربیت پذیر نہ ہوئے۔ انھوں نے اپنے چہروں کو چٹان سے بھی زیادہ سخت بنایا" (یرمیاہ باب 5 آیت 3)

"لیکن بنی اسرائیل تیری بات نہ سنیں گے کیونکہ سب بنی اسرائیل سخت پیشانی اور سنگ دل ہیں" (حزقی ایل باب 3 آیت 7)

توراۃ کی درج شدہ دو آیات سے ان کی سنگ دلی کا فتویٰ خود اُن کی کتبِ مقدسہ سے مل گیا۔ گو توراۃ پر ہمارا ابھی ایمان ہے۔ لیکن ظالموں نے خدا کے کلام کو اصلی حالت میں رہنے ہی کہاں دیا۔ پھر بھی بہت سی تحریفات کے بعد آخر کلامِ الٰہی جو ٹھہرا۔ ان کے چہرے کے قدیم وجدید نقوش آج بھی توراۃ میں مل گئے۔ یہ ایک خداوندی نشان نہیں تو اور کیا ہے؟

قارئین کو ہم یہاں ایک بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس کتاب میں توراۃ یعنی بائبل کا جہاں کہیں بھی حوالہ دیا گیا ہے وہ ہمارے پاس موجود نسخے سے دیا گیا ہے اس نسخے کی سنہ اشاعت 1956ء ہے۔ نسخہ برطانیہ کے برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کی طرف سے شائع شدہ نسخوں میں سے ایک ہے یوں بھی کسی کتاب کا غلط حوالہ دینا ایک نہایت ہی سنگین جرم ہے۔ لیکن مذہبی کتب کے متعلق تو یہ معاملہ ضابطۂ اخلاق کی پابندی سے وابستہ ہے اس لیے بحمد اللہ تمام اقتباسات پوری چھان بین کے بعد ہی دیئے گئے ہیں۔

دل کی سختی کا مضمون چل رہا تھا۔ قلوبِ یہود زیرِ بحث تھے۔ مگر یہ صفت کچھ ان ہی پر منحصر نہیں ہے۔ بنی آدم کا دل ہے تو سینے کے اندر مگر اس کی ساری حرکتیں جسم کے تمام اعضاء متشکل بنا کر اعمال کی صورت میں عالمِ شہود میں لے آتے ہیں، دیکھنے میں آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں مگر اصل رونے والا دل ہوتا ہے، یہی آنکھیں اندھی بھی ہو جاتی ہیں۔ مگر نہیں جب وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں تب سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝

(22 - الحج - 46)

"صرف آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں مگر دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں"

انسان کا قلب اللہ تعالیٰ کا ایک عجیب شاہکار ہے، مذہب، اخلاق، روحانیت، ایثار، رحم، پاسِ وفا، رنج و غم، محبت، نفرت، عداوت، شقاوت، عقل اور فہم سب اسی سرائے کے مسافر ہیں۔ اعتقادات بھی یہیں راسخ ہوتے ہیں تو عقائد کی شکستگی کے پرزے بھی کوڑا کرکٹ کی طرح کچھ دن کو یہیں رُکے رہتے ہیں۔ آدمی کی ہمت و مردانگی، ہدایت و گمراہی، خوف و حزن، رنج و خوشی سب یہیں آتے جاتے رہتے ہیں، اور اسی کی دھڑکن بند ہو جانے پر ایک دن آدمی مر کر ایک نئے سفر کا آغاز کرتا ہے۔

عجیب سی شئے ہے یہ بھی۔ شاید عمر میں جتنی بار یہ دل دھڑکتا ہے اتنی ہی بار آدمی میں انقلابات ہوتے رہتے ہیں، آج تک کوئی بھی چیز انسان کے دل میں

قیام پذیر نہ ہو سکی سوا ایک چیز کے وہ ہے ذکر اللہ۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

یہی ایک ذکر اللہ کسی قلب میں اگر ٹھہر گیا بس اس کا بیڑا پار ہوا۔ یہود کے دل میں خدا کے ذکر کا ٹھہراؤ کبھی ہوا ہی نہیں، ہر موقع پر کیا؟ کیوں؟ کیسے؟ کہاں؟ کب؟ ابھی نہیں! پھر! — ہرگز نہیں۔ ان ہی تمام الفاظ کا استعمال خدائی احکامات کے مقابل کرتے رہے۔ دل ہاتھ سے گئے اور جس فرد یا قوم کا قلب منقلب ہو گیا بس سمجھو کہ اس کی نجات کا موقع نکل گیا۔ اس قلب کو صیقل کرنے کے لیے اُمّتِ وسط کو طرح طرح کے نسخے بتائے گئے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

( 57 - الحدید - 16)

"کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں پر کہ اُن کے دل نرم پڑ جائیں اللہ کے ذکر سے اور اتاری گئی کتاب حق کے پڑھنے سے۔ انھیں ان لوگوں کی طرح نہ ہونا چاہیے جن کو ان سے پہلے کتاب دی جا چکی تھی پھر ایک طویل مدت ان پر کتاب بھیجے جانے کے بعد گذر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔"

ایمان وہی ہے کہ اللہ کے کلام اور نبی کی صحبت یا تعلیم سے دل نرم ہوں۔ نزولِ کتاب اور بعثتِ انبیاء کو طویل مدت گذرنے پر انسانی قلوب کی سختی و شقاوت

سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ اس کا علاج ہمارے لیے تو بس یہی ہے کہ ہم قرآن اور پیغمبرؐ کی طرف رجوع ہوں اور اپنے دلوں کو صاف کریں، پھر یہ پتھر دل یہودی ہمارے لیے موم کی ناک بن جائیں گے ورنہ اس میں شک نہیں کہ ہم کو ہمارا سایہ بھی نقصان پہنچائے گا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ آمین۔

---

# تحریف کے ماہر

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

(2 - البقرة - 75)

"کیا تم اب بھی یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک فریق ایسا بھی ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کا کلام سُن کر پھر اس کو کچھ کا کچھ کر ڈالا اور وہ بھی اس کو سمجھنے کے بعد اور یہ حرکت وہ دانستہ کر رہے تھے۔"

نزولِ قرآن کے وقت بنی اسرائیل کی داستانِ جرم سُنانے کے بعد مدینہ کی نومسلم آبادی کو خطاب کیا جا رہا ہے جو ابھی ابھی قرآن اور پیغمبرِ آخر الزّماں پر ایمان لا چکی ہے۔ اپنی ہمسایہ اور ہم وطن قوم یہود کے علماء اور عوام سے نبوّت، کتاب اور آخرت کی باتیں ان کے کانوں میں بھی پڑتی آ رہی تھیں۔ ان باتوں کے سرسری علم کی بنا پر یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے۔ بعض اشخاص تو ہجرت سے قبل مکّہ کے دورانِ قیام میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل چکے تھے اور قرآن سننے کے بعد دولتِ ایمانی سے مالا مال ہو چکے تھے۔ یہی لوگ بعد میں انصارِ مدینہ

کے نام سے تاریخِ اسلامی میں متعارف ہوئے۔

چھل کپٹ سے ناواقف یہ سادہ دل اور نیک طبیعت کے لوگوں کو قدرتی طور پر یہودِ مدینہ کی طرف توجہ ہوئی اور ان حضرات نے مدینہ کی یہودی آبادی کو اُن کی پہلی پیش خبریاں جو نبی آخرالزماںؐ سے متعلق اُن سے سُن چکے تھے، یاد دلاکر قرآن اور صاحبِ قرآن پر ایمان لانے کی مخلصانہ دعوت اس امّید پر پیش کی کہ ہم نے سب سے اوّل صاحبِ قرآن کا چرچا انھیں کی زبان سے سُنا ہے، انھیں کے علماء کے وعظ و تقاریر اور ان ہی کے عوام کی پُر امّید انتظار کی جستجو پر قرآن اور صاحب قرآن کے نشانات کے دُھندلے نقوش سے واقف ہو کر اصل کو اب پا چکے ہیں اس لیے جلدی جلدی اپنے ان یہود ہمسایہ بھائیوں کو حقیقتِ حال سے مطلع کر دیں کہ یہ بھی ایمان لے آئیں اور اس نعمتِ خداوندی میں شریک ہوں جس کی اطلاع ہم کو ان ہی حضرات نے اوّل اوّل دی تھی یاد رہے کہ یہودی علماء دین نبی آخرالزماںؐ کی صفات کا چرچا اس سے پہلے کرتے آرہے تھے۔ اور عوام انتظار میں رہتے کہ دیکھیں اللہ کب اس نجات دہندہ کو مبعوث فرماتا ہے کہ ہمارے دن پھریں اور تمام مصیبتوں سے ہمیں نجات ملے۔

آیت کے آخری حصّے میں کلام اللہ میں تحریف کرنے کا الزام قرآنِ پاک نے یہود پر لگایا ہے۔ یہ اتنا زبردست الزام ہے کہ یہود کو اور سارے کام چھوڑ کر نزولِ قرآن کے وقت اس الزام کی تردید کرنی تھی اور ثبوت میں وہ سچّا حقیقی، ستھرا اور نکھرا ہوا کلامِ الٰہی جو موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا بے کم و کاست پیش کر کے اس الزام سے بَری ہو جانا تھا۔ مگر اور کہیں نہیں تو یہاں ان بے چارے یہودیوں نے

اقبالِ جرم کر ہی لیا اور کیے بغیر شاید کوئی چارہ بھی نہیں تھا، جبکہ کتابِ مقدس میں یرمیاہ نبی فرماتے ہیں:

"کیونکہ تم نے زندہ رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا۔"

(یرمیاہ باب 23 آیت 36)

بائبل کے اس حوالے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ الحیّ القیّوم ربّ الافواج کے کلام کو بنی اسرائیل نے بگاڑ ڈالا۔ کلامِ الٰہی میں تحریف کا الزام اب صرف قرآن کی طرف سے ہی نہیں بلکہ خود اُن کی کتاب کی طرف سے عائد ہوا۔ قرآن نے تو فقط یاددہانی کرادی تاکہ عادی مجرموں کا پتہ لگتا رہے۔

قرآن مجید کی اعجازی کامیابیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اب خود یہود بھی اپنے آسمانی صحیفوں کی تنزیلِ لفظی کے قائل نہیں رہے۔ ان کے علماء واکابرین صاف صاف اقرار کر رہے ہیں کہ صرف مضامین ومطالب کا القاء ہمارے انبیاء کے قلوب پر ہوتا تھا اور "مصنّفینِ کتاب اللہ" اسی الہام کی روشنی میں یہود کو کتبِ آسمانی تیار کر دیتے تھے۔

اسی بنا پر تاریخِ انسانی کے بہت سے معاملات میں یہود کی تحریفِ کتبِ سماویہ کی حرکتِ سیئہ سے اختلافی محاذ قائم ہوتا رہا۔ اور نہ صرف تاریخ بلکہ توحید، رسالت، نبوت، آخرت، نجات، دوزخ، جنّت وغیرہ کے متعلق بھی بنی آدم میں شکوک وشبہات کی راہیں نکلنے لگیں، حتیٰ کہ اس فن کے ماہر یہودیوں نے حضرتِ مسیح کے اناجیلِ اربعہ کا حلیہ بگاڑنے یا بگڑوانے میں جو پارٹ ادا کیا ہے وہ اب کسی اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں رہا۔ ہر صاحبِ سمجھ انسانیت دوست آدمی

کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدر شناس اور احسان مند ہونا ہی چاہیئے
کہ رب العالمین نے آپ کے ذریعہ تمام حقائق کو از سرِ نو بے نقاب کر دیا ورنہ
آدمیت کے اعتقادی و روحانی، دینی و اُخروی معاملات میں کتنی ہی باتیں اپنا
اصلی وزن اور جوہر کھو چکی تھیں۔

---

# دورنگی مذہبیت

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۝

(2 - البقرۃ - 76-77)

"اور جب یہود ملتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے ہیں، اور جب تنہائی میں جاتے ہیں اپنے دوسرے یہودیوں کے پاس، تو اُن سے کہتے ہیں بیوقوف ہو گئے ہو۔ کیا غضب کرتے ہو کہ ان مسلمانوں کو وہ باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مسلمان لوگ تمہیں حُجّت میں مغلوب کر دیں گے۔ یہ مضمون اللہ کے پاس سے ہے، کیا تم نہیں سمجھتے۔ تو کیا یہود کو یہ بات معلوم نہیں رہی کہ اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے ان باتوں کی بھی جن کو یہ چھپاتے ہیں اور ان باتوں کی بھی جن کا وہ اظہار کر دیتے ہیں۔"

یہودِ مدینہ میں، جو لوگ نفاق کا روگ لے کر اسلام میں ظاہری دکھاوے کے لیے داخل ہوئے تھے وہ جماعتِ مسلمین کی خوشامد کے لیے اپنا اعتبار جمانے اور

تمام مسلمانوں کے دل میں جگہ پانے کے لیے توریت اور دوسری کتبِ آسمانی کی پیش خبریاں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں اور علامتیں ظاہر کرتے۔ اُدھر یہ گروہ جب تخلیہ میں دوسرے دشمنانِ اسلام یہودیوں سے ملتا تو یہ انھیں ڈانٹ پھٹکار کرتے کہ یہ کیا حرکت کر رہے ہو مسلمانوں پر وہ باتیں کیوں ظاہر کر دیتے ہو جو کتبِ مقدسہ میں ہیں۔ یہی دلائل مسلمان ہمارے سامنے پیش کر کے ہمیں قرآن اور پیغمبر پر ایمان لانے کے لیے بطور دلیل اور حجت کے پیش کریں گے تو انکار کرتے نہیں بنے گی اور تمھاری یہ دی ہوئی سند اور اطلاع سے ہماری اور دینِ یہود اور علمائے یہود کی بڑی سبکی ہو گی۔

اس پر انھیں قرآن کے بھیجنے والے نے یاد دلایا کہ ظالمو! دنیا میں حق کو چھپا کر اور سچائی پر پردہ ڈال کر ہی مرو گے۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ خدا کو بہر حال تمھاری اس حق پوشی کا خوب علم ہے۔ اور اللہ نے یہ بات مومنین مدینہ پر صاف طور پر بذریعہ وحی ظاہر کر دی کہ تمھارے ساتھ جو گندم نما جو فروش یہودی ہیں ان کے دعویٰ اسلام کے متعلق چوکس رہنا۔ اسی چاپلوس گروہ نے ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو کر مسلمانوں کو جانی و مالی نقصان نیز وقت آنے پر عین موقع پر دغا دے کر اپنے حق میں یہ فتویٰ صادر کروا ہی لیا کہ قرآن نے جو کچھ ان کے متعلق اطلاع دی تھی، وہ سو فیصد صحیح تھی۔ اور اگر کلامِ الٰہی بھی دنیا میں صحیح نہ ہوا تو پھر کون سی بات صحیح ہو سکتی ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیلًا۔ اسی غیبی اطلاع کی تصدیق آج تک ہوتی چلی آ رہی ہے اور تا قیامت ہوتی رہے گی۔ آج دنیا کے ہر معاشی و معاشرتی نیز سماجی اور سیاسی و مذہبی ڈھانچے میں یہود کوئی نہ کوئی

فتنہ برپا کرنے کو چکے ہوئے ہیں۔ درمیان میں کچھ ایّام تک اچھا خاصا پردہ اس معاملے پر پڑ گیا تھا۔ مگر اب عالمی سیاست میں یہود کی اسی طرح کی شرکت خفیہ اور مشرقِ وسطیٰ کی غیر یقینی سیاسی صورتِ حال سے ساری دنیا میں یہود کے چرچے ہیں اور ایک ایک ہو کر بات کھلتی چلی جاتی ہے کہ سرمایہ داری اشتراکیت، جنسی آبارکی اور سیاسی جتھا بندی میں ہر جگہ ان کے ایجنٹ برابر یہی کام انجام دے رہے ہیں جو نزولِ قرآن کے زمانے میں یہودِ مدینہ انجام دے چکے تھے۔

شاید امریکہ اور برطانیہ کے عوام تک اس مضمون کا یہ حصّہ پہنچے یا میری آواز خدا کرے ان بہرے کانوں سے ٹکرائے اور وہ اس آیتِ کریمہ کو اچھی طرح دیکھ کر پڑھ لیں تو انھیں یہ بات ابھی سے لکھ رکھنی چاہیئے کہ یہود جس کسی کے ساتھی بنے ہیں بالآخر اُن ہی کی پیٹھ میں اُنھوں نے چھُرا گھونپ دیا ہے۔ آج اے امریکہ اور برطانیہ والو! تمھاری امداد سے یہ یہود بنی آدم پر اپنے خونخوار پنجہ کا پہلا وار کر چکے ہیں اس کامیابی کے بعد دوسرا وار تم پر ہو گا۔ اگر یہ بات غلط نکلے تو تمھیں حق ہو گا کہ اس دَور کے مسلمانوں کو قرآن پاک کی دوسری سورۃ کی آیت نمبر 76 اور 77 یاد دلا کر قرآن کے ساتھ ہمارے پورے دین کی تکذیب کر دینا اگر ایسا نہ ہوا یعنی اس آیت کی تصدیق ہو گئی، تو قومِ یہود تم کو لقمۂ تر سمجھ کر نگلنے لگیں، تمھارا قتلِ عام کریں اور تم کو ملک بدر کریں تو خدا کے واسطے اس قرآن پر اس وقت ضرور ایمان لے آنا۔ اور یہ بھی سُن لو کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اس قرآن کی ایک ایک بات سچ ہے یہ کبھی جھوٹ نہیں ہو سکتی کہ جس قومِ یہود نے خدا کی کتاب سے حق کو چھپا کر قومی عصبیت کا ثبوت دیا ہے وہ دنیا کی کسی قوم کو اپنے سوا جینے کا حق دار نہیں سمجھتی۔

ساری دنیا میں سب سے زیادہ ملعون قوم پرستی ان ہی یہود کے رگ وریشہ میں سما چکی ہے۔ یہ اژدہا جسے ڈسے گا اُسے کاٹ کر بس نہیں کرے گا بلکہ نگل جائے گا۔ تمہارے سیاست داں اور دانشور لوگوں کی آواز چھن چھنا کر ہم تک اور ساری دنیا تک پہنچ رہی ہے کہ امریکہ کے صدارتی انتخاب میں اور برطانیہ کی سیاسی بازی گری میں سرمایہ دار یہود کا ہاتھ اپنا کام ابھی سے شروع کر چکا ہے۔ تمہاری سیاست اور معیشت پر قبضہ کے بعد اسی ہاتھ کا مستور خنجر تمہارا ابھی کام تمام کر دے گا۔

---

# جُہلاءِ یہود کا خیالی دین

وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ○ ( 2- البقرة - 78 )

"اوران یہودیوں میں ایک گروہ اَن پڑھ لوگوں کا ہے، جو کتاب اللہ کا علم نہیں رکھتے، لیکن امیدوں اور آرزوؤں کے چکر میں رہتے ہیں اور محض وہم وگمان پر چلتے ہیں۔"

یہ حال یہودی عوام کا بتایا گیا ہے جو کتابِ الٰہی کے علم سے ناواقف تھے۔ اور نہیں جانتے تھے کہ خدا نے اپنی کتاب میں کیا کچھ احکام دیئے ہیں۔ وہ اپنے بکاؤ عالموں اور جاہل مذہبی رہنماؤں کے خیالاتِ باطلہ کو دین سمجھ کر اُن کی ناقص اور ادھ کھری باتوں پر دین کا تصوّر اور اس کی اساس رکھتے آرہے تھے۔

علمائے یہود میں جو لوگ فی الواقع حق پرست تھے انھیں تو قرآن میں جگہ جگہ الگ کر دیا گیا ہے۔ اور ایسے حق گو اشخاص ان کے اعلیٰ درجہ کے مذہبی رہنما بن ہی نہ سکے۔ البتہ امراء کے دستر خوان کی بلّیاں جو دینی منصب داروں اور چودھریوں کے جبّے اور دستار پہن کر یہودی قیادت کے لیے آگے آئیں، دراصل ان کے پیچھے سود خور یہودی مہاجن اور بے رحم سرمایہ دار ہی درپردہ ان کے اگوا

اور پیشوا بنے رہتے۔ کیونکہ یہی لوگ ان کو خیالاتِ باطلہ اور بخشش کے پروانے
تقسیم کرنے والے تھے، اسی بنا پر ایک ایسا متعصب قومی مذہب وجود میں آیا جو اللہ
اور اس کے رسولوں سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ مگر اُن کے وہم وگمان کی
برابر خدمت انجام دیئے جا رہا تھا کہ یہود کے سوا جنّت میں کوئی داخل ہی نہیں ہو سکتا۔
مسلمانو! تم اس آیت سے کچھ تو سبق لو کہ یہ کیا ہو گیا ہماری ملّتِ اسلامیہ کو؟
کہیں وہم وگمان کی اس اندھیری وادی میں ہم تو نہیں اُتر گئے؟ حق بات چُھپانا
یہود کی سنّت تھی مگر ایک مسلم حنیف کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ حق کو چھپائے۔
تو سُن لو کہ تم بھی وہم وگمان کے چکّر میں ہو۔ بخشش کا مدار خدا کے احکامات ہیں۔
عقیدے کی اساس اللہ کی توحید ہے۔ رہنمائی اور نمونہ، پیروی اور اتباع حضورِ
اقدسؐ کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا ہم بھی جاہل صوفیوں اور ناقص علماء
اور اپنی خیالی کھچڑی کے چکر میں نہیں گھوم رہے ہیں؟ کیا ہم بھی ایمان کے سارے
تقاضے بالائے طاق رکھ کر توحید کی اساس کو چھوڑ کر شرکیہ عقائد کی طرف نہیں
لڑھک گئے؟۔

کچھ رسمیں ہیں کچھ رواج ہیں جن کا تعلق نہ اللہ کی کتاب سے ہے نہ
اس کے رسولؐ کی حیاتِ طیبہ سے، نہ صحابہؓ کے اعمال سے۔ مگر ہم مسلمان ہیں کہ برابر
اپنے دینِ حنیف کو کئی کئی چیتھڑوں میں لپیٹ کر اس کی حقیقی شکل کو چُھپا چکے ہیں۔
آپ اگر قرآن پاک کا مطالعہ کرتے اور سنّتِ رسولؐ کو اپنی زندگی کا نمونہ بناتے تو
ہم عصر قوموں کے رسوم ورواج آپ کے پاس کبھی پھٹک ہی نہیں سکتے تھے۔ کُھرچ
کُھرچ کر نکال دو اِن ساری رسوماتِ بد کو جو کہیں ہمیں ڈھولک پر نچا رہی ہیں

تو کہیں ہماری بہو بیٹیوں کو تماشہ بینوں کی نظرِ بد کا شکار بنا رہی ہیں تو کہیں خرچیلی رسومات ہماری معیشت کی ریڑھ کی ہڈّی توڑے ڈال رہی ہیں، کہیں ہمارے عقیدۂ توحید کو متزلزل کرتی ہیں تو کہیں خدا کی ناراضگی اور اس کے قہر و غضب کا ہمیں شکار بنا رہی ہیں۔

ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال دو اپنی زندگی سے وہم و گمان کی باتوں کو اور دینِ حنیف کے اُسی مقام پر پھر سے کھڑے ہو جاؤ جہاں اللہ اور اس کا رسول تمھیں دیکھنا چاہتے ہیں، جہاں وہم نہیں صداقت ہے۔ جہاں گمان نہیں حقیقت ہے۔ عالمِ برزخ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پُرنم آنکھیں تمھیں پھر اُسی مقامِ علیا پر دیکھنا چاہتی ہیں، اور ربِّ عرشِ عظیم تم پر اپنی رحمتوں کی بارش کرنے کے لیے منتظر ہے بشرطیکہ،

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (42-الشوریٰ-13)

”دین پر قائم ہو جاؤ اور اس میں جُدا جُدا راہیں مت نکالو۔“

# کتبِ مقدّسہ کو اپنی تصانیف کے ساتھ مِلا ڈالا

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ (2-البقرۃ-79)

"ہلاکت اور بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب تصنیف کرتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے قدرے قلیل معاوضہ حاصل کریں! افسوسناک ہلاکت کے موجب ہیں ان کے ہاتھ کی لکھی باتیں اور جو کمائی اس ذریعہ سے انھوں نے کی ہے وہ تباہ ہونے والی ہے۔"

قومِ یہود کے مذہبی رہنماؤں و دینی منصب داروں نے خدا کی کتابوں کے ساتھ تحریف کا جو معاملہ کیا وہ تو جگ ظاہر ہے۔ لیکن قرآن پاک میں ان کی اس غلطی پر نکیر کی گئی ہے جس کی طرف بہت کم لوگوں کی نگاہ پہنچ سکی ہے وہ یہ ہے کہ آج کتبِ مقدسہ کو پڑھنے والا جب ان الہامی کتابوں میں خدا کا کلام پڑھنا شروع کرتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ اُسے یہود کی تاریخ، اس کے افسانے، توراۃ کے مفسروں کی آراء۔ ان کے علماء کے اختلافی اقوال نچلی سطح کے مذہبی مسائل،

فقہی مباحث، بنی اسرائیل کا آپسی جنگ وجدال، دینِ یہود کے مبلّغین، متکلمین وسلاطین کی آرا، اور ان کی زندگی کے واقعات سب کچھ ساتھ ساتھ پڑھنا ہوتا ہے۔ عام ناظر کو بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ خالص کلامِ الٰہی کو ان بھول بھلیّوں میں کہاں کہاں تلاش کرتا پھرے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ یہ تمام باتیں کتاب اللہ کے ساتھ گڈمڈ ہی نہیں کر دی گئیں بلکہ کلامِ الٰہی کے ساتھ جوڑ جاڑ کر کتبِ مقدّسہ کا جز قرار دے دی گئی ہیں۔

قومِ یہود جس کلامِ الٰہی کی وارث ہے، اگر کوئی اسے پڑھ کر آج فیض حاصل کرنا چاہے تو اسے اصل کتاب اللہ سے دس گنی زیادہ یہودی مکر و فریب کی داستانیں بھی چار و ناچار پڑھنی ہوں گی تب کہیں جا کر قاری کو خدائی کلام کا دسواں حصّہ نصیب ہوگا۔ خدا نے یہود کی اسی اجتماعی خرابی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں کتبِ مقدّسہ کے اوراق کی تعداد بڑھتی ہی گئی۔ حالانکہ وحی و الہام کا سلسلہ مدّتوں سے بند ہو چکا تھا۔

عوام میں وحی و الہام کی تقدیس کی اونچی قدر کو دیکھ کر یہودی عالموں نے جب جس چیز کو چاہا خدا کی کتاب کا جز بنا دیا۔ عوام بے چارے عقل کے اندھے تھے۔ عقیدت اور تقدیسِ کلامِ الٰہی کے جذبے میں ان تمام اجزا کو بھی انھوں نے آدابِ تعظیم، تلاوت و ثواب کے لحاظ سے وہی درجہ دے دیا جو اللہ کی کتاب کو دیا جانا ضروری تھا۔ اس طرح سے علماءِ یہود نے خدا کے کلام کے ساتھ اپنا قومی و ملّی کلام بھی عوام کے سر منڈھ دیا۔ اور کلامِ الٰہی کی عظمت کے وہ قیمتی سکّے جو مومنین کی عقیدت کی جیب سے نکل کر آستانہ الٰہیہ پر نچھاور ہو رہے تھے، اس میں سے بہت کچھ کے

حصے دار یہ بھی بن گئے۔

مسلمانو! تم مبارک ہو کہ روئے زمین پر تم اور صرف تم ہو کہ لاکھ برائیوں کے بعد بھی اللہ کے کلام کے محافظ ہو، خدا کی رحمت ہو تم پر کہ تم نے قرآن کے ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ کی حفاظت کی، اپنے سینوں سے اصل کلامِ الٰہی کو لگائے رکھا۔ تفاسیر و تراجم، فقہ، تاریخ، واقعاتِ صحابہ وائمہ و مجتہدین حتیٰ کہ صاحبِ قرآنؐ کی احادیث تک کو قرآن سے الگ رکھا۔ ہر چیز کو اس کے مرتبے کے لحاظ سے محفوظ کر دیا۔ اور ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہونے دیا۔

سبحان اللہ کیا شان ہے اس امّت کی کہ آج جسے قرآن پڑھنا ہو، صرف قرآن اور خالص قرآن وہ بآسانی پڑھ سکتا ہے۔ اگر اس کی مرضی ہو ہماری تاریخ پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ اگر اسے ہمارے رسولؐ کے اصحاب اور ہم عصر لوگوں کی زندگیوں سے دلچسپی ہو تو اسے یہ چیز یہاں کلامِ الٰہی سے الگ ملے گی۔ اور اگر وہ ہمارے فقہاء اور متکلمین کی آراء سے واقف ہونا چاہے تو یہ معلومات بھی اسے علیحدہ مل جائیں گی۔ ہمارا مدوّن کیا ہوا فنِ تفسیر، فنِ حدیث، حتیٰ کہ ہمارے فنِ تعمیر اور امورِ سلطنت کی اچھی بُری باتیں اگر وہ جاننا چاہے تو یہ بھی اسے دی جاسکتی ہیں اور اگر اسے ہماری خانہ جنگی اور خون ریزی کا علم درکار ہو تو ہم نے اپنی تاریخی کربلاؤں کی ہزاروں داستانیں لکھ رکھی ہیں، اختلافی مسائل میں ہمارے علماء کی آپسی تکرار سے وہ واقف ہونا چاہے تو یہ چیز بھی ہمارے دسترخوان پر موجود پائے گا۔

مگر جب کوئی ہم سے کلامِ الٰہی طلب کرے گا تو اس کے ساتھ ملا کر ہم اسے کوئی چیز نہ دے سکتے ہیں اور نہ دے سکیں گے۔

مسلمانوں کو جو تعلق اپنے رسولِ برحقؐ سے ہے وہ ساری دنیا جانتی ہے۔ اس ذاتِ اقدس سے جو ہمیں عقیدت ہے وہ نہ ماں باپ سے ہے نہ کنبہ برادری سے نہ ملک وسلطنت سے۔ ان کا ایک ایک لفظ ہمارے لیے لعل وجواہر سے زیادہ قیمتی ہے، مگر ہم نے اللہ کے کلام کی عظمت کا مقام اس سے کہیں اونچا رکھا۔ اور اس مقدس کتاب میں کوئی ایک حرف بھی وحیٔ الٰہی کے سوا آج تک شامل نہ ہونے دیا۔ اور انشاء اللہ قیامت تک نہ ہونے دیں گے۔

یہود کو ہماری اس فضیلت پر حسد وجلن ہوئی۔ اس کی تسکین کے لئے سواحلِ افریقہ میں اسرائیلی حکومت نے قرآن کے نسخے چھاپ کر کچھ آیات کو صرف آگے پیچھے کر دیا تھا۔ اس چور کو پہلی منزل میں ہم نے پکڑ مارا ہے اور بحمداللہ کوئی سازش قرآنِ پاک کو محرف کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکی حتیٰ کہ قرآن کے تمام نسخے بھی ہم سے چھین لیے جائیں تو چند گھنٹوں میں ہر بڑے شہر کے ہمارے ہزاروں حافظ جو اس عظیم کتاب کو اپنے سینوں میں محفوظ کیے ہوئے ہیں، اسے ضبطِ تحریر میں لے آئیں گے۔ انشاء اللہ ثم انشاء اللہ۔

---

# جنّت کے جبری وارث

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

(2 - البقرہ - 82 -81 - 80)

" اور یہود کہتے ہیں کہ ہم کو گنتی کے چند دن سے زیادہ آگ چھو نہیں سکتی، تم کہو اے نبیؐ کہ اللہ سے تم نے کیا کوئی اقرار لے رکھا ہے؟ اللہ تو فی الواقع اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا یا تم خود ہی اللہ پر وہ باتیں جوڑ کر کہہ دیتے ہو جس کا تمھیں مطلق علم نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو شخص بھی گناہ کرے گا اور بدی کے چکر میں گھرا رہے گا تو ایسے لوگ آگ میں جائیں گے۔ آگ سے بچ کر جنت میں صرف وہی لوگ جا سکیں گے جو ایمان لائے ہوں گے اور جنھوں نے نیک عمل کیا ہو گا۔"

یہ وہ عقیدہ ہے جو ان کے عام لوگوں میں پایا جاتا ہے دین کا حلیہ بگاڑنے والے علماء یہود نے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے قوم یہود کو جھوٹی تسلّی دے کر انھیں جھانسا دے رکھا تھا کہ خواہ تم کچھ بھی کرو دوزخ میں چند دن رہنے کے بعد چھڑالیے جاؤگے۔ اب اگر کتابِ مقدّس کے کچھ تقاضے بھی ہوں تو عوام یہ بے وقوفی کیوں کریں کہ رات دن عمل کرتے رہیں۔ خدا کو راضی کرنے کی فکر کرتے رہیں۔ بلکہ اس تسلّی کا ردِّ عمل تو عوام پر یہ ہوگا کہ جو کچھ کرنا ہے کرتے رہو گناہ و ثواب، وقت پر دیکھا جائے گا۔ کچھ نہ کچھ تھوڑی بہت سزا کے سوا اور کیا ہونا ہے؟ ہم یہودیوں کو آگ میں ہمیشہ تو جلنا بہر حال نہیں ہے پھر بھلا جو قوم اس راہ پر پڑ جائے اس کو دنیا کی کسی بُرائی اور ظلم سے کیوں جھجک ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ قوم یہود کی پوری تاریخ گناہ اور بدکاری سے بھری پڑی ہے، عوام اتنے قصوروار نہیں جتنے کہ اس معاملہ میں علماء یہود قصوروار ٹھہرتے ہیں کہ اپنی چند روزہ پیٹ کی آگ کو بجھانے کے لیے قوم کو یہ جھانسا دیتے ہیں کہ تم کو دوزخ کی آگ چند دن کے سوا چھو نہ سکے گی۔ حالانکہ امر واقعہ اس کے خلاف ہے جب کبھی کسی قوم کے دینی چودھریوں نے عوام میں اپنی واہ واہ کے لیے جھوٹی باتیں رواج دیں وہ قوم بداعمالی کے عمیق غار میں جا گری پھر یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو آج بھی مذاہبِ عالم کے کسی بھی محقق کی نگاہ سے مخفی نہیں۔

زبان کا ذائقہ بدلنے کے لیے اس مضمون پر اب یہودی کتب کے کچھ حوالے بھی پڑھنے چاہئیں، تاکہ معلوم ہو کہ صرف قرآن ہی نے انھیں موردِ الزام نہیں بنایا۔ بلکہ نجات کا پروانہ جسے یہود نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے خود

ان کی کتب میں بھی موجود ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد 5 ، صفحہ 583 میں یہ عقیدہ یوں نقل ہوا ہے :

" آتشِ دوزخ گناہ گار یہودی قوم کو چھوئے گی بھی نہیں اس لیے کہ وہ جہنّم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے اور خدا کے پاس آجائیں گے "۔

دنیا والو ! سن لو اُن کا یہ عقیدہ خود اُن کی زبانی ! یعنی یہ دوسرے بنی آدم کو بے وقوف سمجھتے ہیں کہ وہ دوزخ پر پہنچ کر گویا اپنے گناہوں کا اقرار نہ کریں گے اور آنکھوں دیکھ کر بھی نرک واسی ہونا پسند کریں گے۔ اس وقت جہنّم پر وارد ہونے والوں میں یہ ترکیب صرف یہود کو سوجھے گی۔ پھر اب یہود کو نیک عمل کی کوئی ضرورت ہی بھلا کیوں باقی رہی۔ پھر اِن ہی یہودی لوگوں کا ایک مقدس صحیفہ تالمود کے انتخابی مضامین کا مجموعہ انگریزی میں ڈاکٹر گوہن کا مرتّب کیا ہوا EVERY MANS LIBRARY SERIES کے صفحہ 405 پر یہ عبارت درج ہے کہ " قیامت کے دن ابراہیمؑ دوزخ پر تشریف رکھتے ہوں گے اور کسی مختون اسرائیلی کو اس میں گرنے نہ دیں گے۔ جہنّم کی آگ کو اسرائیلی گناہ گاروں پر کوئی قدرت نہ حاصل ہوگی ، گویا ابراہیمؑ صرف ان کے ہیں ہمارے نہیں ، عیسائیوں کے نہیں ۔ ابراہیمؑ تو تمام اہلِ کتاب کے اور تمام دنیا کے پیشوا ہیں ۔ مسلمان تو آج بھی اپنی نمازیں دعا کے وقت ان پر ہدیۂ درود و سلام مسلسل بھیجتا ہے کہ یہی شخصیت دینِ حنیف کی بانی اور فرزندانِ توحید کی امام و رہنما رہی ہے پھر خدا کے لاڈلے اور مختون تو صرف

یہود ہی ہوں گے، ان بے وقوفوں کو شاید معلوم نہ ہو کہ مسلمان تو سو فیصد مختون ہوتے ہیں اور ملّتِ ابراہیمؑ کے ماننے والے نیز خدا کے سچّے پرستار ہوتے ہیں۔ تم بہروپیوں اور حضرت ابراہیمؑ کا کیا تعلق اور اس معمارِ کعبہ سے تمہارا کیا لینا دینا۔

مسلمانوں کے لیے یہ ایک تازیانۂ عبرت ہے کہ قرآن اور سنّتِ نبویؐ کی تعلیم سے اب وہ براہِ راست مستفیض ہو کر دینِ ابراہیمؑ کے جھنڈا دھاری بن کر میدان میں اتریں ورنہ موجودہ نسل کو تو یہ بھی معلوم نہ رہے گا کہ ہم مسلمان حضرت ابراہیمؑ کو پیشوا ہی نہیں اپنا مقتدا بھی مانتے ہیں۔

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًاؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

(3- آل عمران - 95)

"مسلمانو! تم یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرو۔ اور ابراہیمؑ ہرگز ہرگز مشرک نہ تھے۔"

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًاؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (3- آلِ عمران - 67)

"ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی تھے وہ تو فقط مسلم تھے اور مشرکوں میں ان کا شمار ہرگز نہیں۔"

ان آیاتِ بیّنات میں سید الموحّدین حضرتِ ابراہیمؑ جو رسولِ آخر الزماںؐ کے جدِّ امجد اور خدا کے خلیل ہیں، انھیں مسلم بتلایا گیا ہے۔ یہود کہاں جنّت

میں گھسنے کی فکر میں ہیں۔ ابھی قیامت کو دیر ہی کتنی ہے۔ دیکھ لینا انشاء اللہ وہاں تمام حقیقتوں پر پڑے ہوئے پردے اُٹھنے والے ہیں۔ "من وسلویٰ" جیسی نعمت چھوڑ کر پیاز ککڑی اور مسور کے طلب گار جنّت میں جاکر بھی کہاں زیادہ دن رکنے والے ہیں جسے جہاں پہنچنا ہے پہنچ کر رہے گا۔ اور دنیا جان لے گی کہ نجات کو نسل و قوم سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو عمل سے حاصل ہو گی۔

---

# خدا سے پھری ہوئی قوم

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ (2- البقرہ- 83)

"اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں کی خبر گیری کرتے رہنا۔ لوگوں سے بھلی بات کہتے رہنا۔ نماز کو قائم کرنا زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ مگر اے بنی اسرائیل تم ان حکموں سے پھر گئے صرف چند لوگ ہی تم میں سے اس میثاق پر قائم ہیں۔ باقی تمام اس عہد کو ٹال گئے۔"

خدا کا علم تو کامل ہے۔ اسے یہود کی نافرمانیوں کا خوب علم ہے اور ان نافرمانیوں پر مختلف تاریخی ادوار میں انھیں دردناک سزائیں بھی دے چکا ہے، اور بالآخر بعثتِ محمدیؐ کے وقت ان کے انکار و بغاوت کی وجہ سے انھیں مرتد قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے انھیں دینِ ابراہیمی کے حلقے

سے نکال باہر کر دیا۔

جس قوم نے خدا کے احکامات میں تحریف کر کے جنّت کی ٹھیکہ داری کو قومی، نسلی اور وہ بھی اپنے ہی دائرے میں محدود کر دی ہو، اسے نماز حقوقِ والدین، رشتہ داروں، ہمسایوں، یتیموں اور محتاجوں کی بھلا کیا پڑی ہے۔

یہودی قوم مہاجنی دنیا میں جتنی بدنام ہے شاید ہی کوئی دوسری سود خور قوم اتنی شقی اور شدید البطش ہو کر بدنامِ زمانہ ہوئی ہو۔ ایسے دولت کے پجاری زکوٰۃ تو کیا ادا کرتے، غریب اور بے سہارا لوگوں کو بلا سود قرض ہی دیتے تو بڑی بات ہوتی۔ ساتھ ہی قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی ایک دلیل اور ہاتھ آگئی کہ وہ صرف خدا کا کلام ہے۔ کسی انسان کی تصنیف نہیں ورنہ سبھی کو ایک لکڑی ہانک دیتا۔ یہ نہ کہتا کہ پھر بھی یہود میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہیں کہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو نبھا رہے ہیں۔

یہ تخصیص اور اشارہ نزولِ قرآن کے وقت یہود کے صالح عنصر کی طرف ہے اور موجودہ یہودی قوم میں ان لوگوں کی طرف بھی ہو سکتا ہے جو ملکِ فلسطین میں اب بھی لباس، معاشرت، طرزِ زندگی اور نماز کی پابندی کے ساتھ نیک اعمال کو لیے ہوئے آباد ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ہم واضح کر دیں کہ فلسطین میں مقامی یہودی آبادی کے خلاف نہ عرب ہیں اور نہ عالمِ اسلام۔ بلکہ ہم تو انصاف کی بات صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ جو یہودی ملکِ شام اور فلسطین میں پہلے سے آباد ہیں ان کے انخلاء کا کوئی

وسوسہ مسلمانوں کی پوری تاریخ میں انھیں کبھی نہیں آیا۔ قضیہ کی ابتدا تو وہاں
سے ہوئی جب تمام یورپ میں بسنے والے یہودی سرمایہ دار اور کچے سیاست داں
فلسطین میں آ گھسے۔ اور عربوں کو وہاں سے نکال کر برطانیہ اور امریکہ کے سہارے
اپنی نئی مملکت کو وجود میں لے آئے۔ فلسطین کے مقامی یہود تو بے چارے
یوں بھی ان اشتراکی اور سرمایہ دار یہود کو مقاماتِ مقدّسہ میں ہر سال بعضوں کے
ملعون چہروں کو دیکھ کر چیختے رہے کہ یہ بنی اسرائیل نہیں ہیں، بلکہ یورپ کے
ننگے شاہزادے اور بدکار شہزادیاں ہیں جو ہر سال اپنے کالے کرتوتوں کو دیوارِ
گریہ سے لپٹ کر دھونے کے لیے آتے رہتے ہیں۔ بیت المقدس کی زیارت
کو جانے والے ہر مسلمان و عیسائی کو اِس حقیقت کا علم ہے۔

مسلمان تو پوری عظمت ان مقامات کی اپنے دِل میں رکھتے ہوئے خدائے
قدوس کے حضور بندگی کے لیے جاتے رہے اور پوری پابندی اس مقامِ محترم کے
تمام حدود کی برابر کرتے آ رہے تھے، اسی طرح عیسائی بھی اپنا مذہبی رکھ رکھاؤ
وہاں قائم رکھتے ہیں۔ لیکن یہودی بدکار لونڈے اور مغربی یہودی عورتیں آدھی
ننگی ہو کر ان مقامات پر آ دھمکتی ہیں۔ بہانہ زیارت کا ہوتا ہے اور پیرس و لندن
کی تمام رنگ رلیاں یروشلم میں منائی جاتی ہیں۔ ان ظالموں کی طرف سے بیت المقدس
کی جو بے حرمتی ہوئی ہے اسے دیکھ کر مسلمان تو بے چارے دانت پیس کر رہ
جاتے ہیں وہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ انھوں نے جس طرح اس مقدس مقام کو اپنا قبلۂ
اوّل مانا ہے اور یہی حق یہودیوں کو بھی وہ دیتے رہے۔ یہاں شرعاً گنجائش
نہیں تھی کہ انھیں کسی ضابطے کا پابند بنایا جاتا۔ پھر بھی بین الاقوامی سیاست میں

فتور آنے کے خوف سے مسلمان حکام بھی خاموشی اختیار کرتے رہے کہ جب یہود کو خود اپنے مقدّس مقامات کی عظمت کا پاس نہیں ہے تو دوسرے کر بھی کیا سکتے ہیں۔ مگر ان مواقع پر مقامی یہود کی تو تو میں میں زیارت کے ایّام میں باہر کے اور خصوصًا یورپ کے یہود سے ضرور ہوتی رہی ہے۔

خیر گھر کا معاملہ ہے۔ اسے وہ جانیں۔ لیکن اب تو بے چارے مقامی یہود بھی شاید یہ محسوس کرتے ہوں کہ اسرائیل کے نام سے جو حکومت وہاں قائم ہوئی ہے وہ کوئی مذہبی حکومت نہیں بلکہ ملحد اور بے دین سیاست دالوں اور خونخوار سرمایہ داروں کا اڈہ قائم کر دیا گیا۔

دیکھتے جائیے کب تک مقامی یہود صبر سے ان بے دینوں کو برداشت کرتے ہیں اور بہت قریب ہے کہ ان میں مذہبی معاملات میں خانہ جنگی ہو کر رہے گی۔ ایک طبقہ مقامی فلسطینی بنی اسرائیل کا ہوگا۔ اور دوسرا مغربی علاقوں سے آئے ہوئے ان یہودیوں کا جو دین و مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا۔

---

# دورِ عیسیٰؑ اور یہود

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ ج فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ ز وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ (2-البقرہ-87)

"ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے ایک کے بعد ایک پیغمبروں کو بھیجتے رہے۔ عیسیٰؑ ابن مریم کو بھی ہم نے کھلے کھلے نشانات دیئے اور روح القدس سے ہم نے ان کی تائید کر دی، تو اے بنی اسرائیل جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی بات لے کر آیا جس کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا اور تم اپنے آپ کو بڑا جانتے رہے۔ پس بعض کو تم جھٹلاتے رہے۔ اور بعض نبیوں کو تم نے قتل کر ڈالا۔"

حضرت موسیٰؑ کے بعد یہود کے بگاڑ کے موقع پر متواتر انبیاء آتے رہے، ان میں مشہور ترین حضرت داؤدؑ، سلیمانؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ وغیرہ ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے انبیاء سلسلہ وار آتے رہے حتیٰ کہ سلسلۂ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم اور آخری کڑی حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔ آپ کی بشارت "احمد" کے بعد صرف اور صرف خاتم الانبیاءؐ

والمرسلین حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری باقی تھی اور یہی ذاتِ اقدس ان آیات کے نزول کے وقت مدینۂ طیبہ میں منصبِ نبوّت پر سرفراز تھی۔

روح القدس اسلامی اصطلاح میں مشہور و ممتاز فرشتے حضرت جبریل امین علیہ السّلام کا نامِ نامی ہے۔ یہی فرشتۂ اعظم تمام انبیاء پر کتبِ آسمانی لے کر آتے تھے۔ سلسلۂ وحی کے ساتھ ساتھ تائید و نصرتِ انبیاء و مرسلین کی ذمّہ داری بھی ان ہی بابرکت ہستی کی رہی۔

یہود کو اُن کی قراردادِ جرم بتائی جا رہی ہے کہ احکاماتِ نبوی اور وحیِ الٰہی کے مقابل حاکم و قاضی تو تمہارا نفس رہا۔ اس لیے خدا کے نبیوں کو تم نے جھوٹا قرار دیا۔ اور بہت سے نبیوں کا خون بھی تمہارے ہاتھوں پر لگ چکا ہے۔ یہ کسی قوم کی انتہائی بدبختی ہے کہ وہ اپنے اندر اٹھنے والی اصلاح کی آوازوں کو دبا دے۔ لیکن یہاں مصلحین کا کیا ٹھکانا۔ انبیاء اور مرسلین کی گردنوں پر بھی یہود کی چھریاں چل گئیں خود اُن ہی کی تاریخ کے اوراق پر خونِ انبیاء کے چھینٹے اب بھی نظر آتے ہیں۔

زکریاؑ اور یحییٰؑ کے قاتل۔ داؤدؑ اور سلیمانؑ کی سیرتوں کو مسخ کرنے والے آخر خاموش کس طرح رہ سکتے تھے۔ جب ان کی اور صرف ان ہی کی اصلاح کے لیے عیسیٰؑ ابن مریمؑ مبعوث ہوئے اور انھیں راہِ راست پر لانے کی کوششیں کرنے لگے تو یہی یہود اُن کے بھی دشمن ہو گئے اور رومی سلطنت سے قتل کا پروانہ مسیحؑ ابن مریم کے لیے خود لے آئے۔ کیا خوب رومیوں کی غلامی برداشت

تھی مگر خدا کے نبی کی اطاعت سے جی چرا گئے۔

انبیاء کی بعثت اور کتبِ آسمانی کا نزول حق کے ساتھ ہوتا ہے، حق سے ناآشنا بنی آدم کو سچائی سے متعارف کرانا ہی کارِ انبیاء ہے۔ مگر جو لوگ خود اپنی اصلاح نہ چاہتے ہوں اور مرض کو عین تندرستی سمجھتے ہوں وہ کس طرح انسانیت کے جامے میں رہ سکتے تھے، جس گلے سے بھی حق کی آواز نکلی، ان ظالموں نے اُسے دبا کر خاموش کرنے کی ناپاک کوششیں کیں۔

یہود نے حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کی دعوت کو نہ صرف رد کیا اور نہ صرف ان کے قتل کے درپے ہوئے بلکہ حضرتِ مسیحؑ کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے بعد بھی ان ظالموں نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا اور سیدنا مسیحؑ کو گالیاں دیں۔

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ (4-النساء-156)

"ان کی کفریہ بکواس اور مریمؑ پر بہتانِ عظیم کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی پھٹکار کر دی۔"

حضرت عیسیٰؑ سے یہود کو جو دشمنی ہے وہ بالکل ایسی ہے جیسے آنحضرتؐ سے۔ مگر زمانے کا الٹ پھیر بھی دیکھیے کہ ان کے دستِ راست بھی بنے تو وہی حضرت عیسیٰؑ کو ماننے والے عیسائی۔ اسرائیلی حکومت کے قیام میں عیسائیوں کی تائید و پشت پناہی نہ ہوتی تو یہود کے لیے فلسطین میں مغربی ممالک سے گھس آنا ممکن نہیں تھا۔

عیسائی بھول گئے کہ یہ یہود کون ہیں۔ اور ہم مسلمان صلاح الدین ایوبی کے بعد سو گئے۔ یہود اب تک تازہ دم حملہ آور بن کر میدان میں ہیں۔ دیکھیں مسیحی عوام کا جھکاؤ کس طرف ہوتا ہے۔ اغلب تو یہی ہے کہ ان کی تائید مسلمانوں کی طرف ہوگی مگر پھر بھی عیسائی اہلِ کتاب سے ہماری دوستانہ شکایت ضرور ہے کہ بدمعاشوں اور جرائم پیشہ یہود کی ٹولی تمھارے نبی کی نہ صرف تکذیب و قتل پر اٹھ کھڑی ہوئی بلکہ مریمؑ پر بہتان بھی لگایا۔ دوسری طرف امّتِ محمدیہ جو حضرت مسیح ابن مریمؑ پر آج بھی سلام بھیجتی ہے اور انھیں اپنا نبی مانتی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ عیسائی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) بیٹا، بیوی، ماں، باپ اگر خدا کے ہوئے تو وہ خدا کیوں کر مانا جائے گا۔ ذاتِ پاک کہاں رہی۔ خیر اِس وقت اتنا ہی کہنا ہے کہ اے مسیحی دوستو ذرا سوچو کہ تمھارا جھکاؤ کدھر کو ہونا چاہیے؟ کوئی ہم سے پوچھے تو ہم بتائیں کہ ساری دنیا کے مذاہب و اقوام کے مقابل ہم عیسائیوں کو اپنے سے بہت قریب مانتے ہیں۔ ہماری کتابِ مقدس میں یہود کو ہمارا دشمن اور نصاریٰ کو دوستی میں قریب بتایا گیا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○

(5-المائدہ-82)

"اے مسلمانو! دوستی کے لحاظ سے تم اپنے سے قریب ان

لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں عالمِ دین اور درویش صفت لوگ موجود ہیں اور وہ لوگ تکبّر نہیں کرتے۔"

فرنگی قوموں سے ہم مخاطب نہیں۔ ہم تو سچّے عیسائیوں سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ اپنے محسنوں اور دشمنوں میں فرق جانو۔

---

# لعنت کا نشان

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○

(2-البقرہ-88)

"یہود کہتے ہیں کہ ہمارے دل محفوظ ہیں - نہیں - بلکہ لعنت کر دی اللہ نے ان کے انکار کے سبب - سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان ان میں رہ گیا ہے"

یہود اپنی تعریف میں کہتے کہ کوئی کچھ بھی کہے جائے ہم پر اثر نہ ہو گا - ہمارے دل گنجینۂ علوم ہیں - غلاف میں محفوظ ہیں - اللہ نے فرمان جاری کیا کہ حق بات کا دل پر اثر نہ کرنا لعنتِ خداوندی کا نشان ہے - کہاں چلے ہو فضیلت بگھارنے، تمہارا تو ایمان بھی گِھس گِھسا کر تھوڑا سا بچ گیا ہے -

یہ اس لیے فرمایا کہ یہودی قوم اللہ، آخرت، نبوت، وحی و کتاب وغیرہ کو مانتی تھی گو اب یہ ایمان بھی بہت ہی بوسیدہ ہو چکا تھا - مگر کلام ہے اللہ کا - یہاں انصاف دوستوں اور دشمنوں سب کے ساتھ ہوتا ہے - یہ نہیں کہ کسی کا نقص بیان کر دیا تو خوبی کا کوئی تذکرہ نہ ہو یہ تو ہم انسانوں کی روش ہے رب العالمین تو سب کا رب ہے - جس طرح ہمارا اسی طرح یہود کا بھی - اپنے گنہگار سے گنہگار بندے کی بھی کوئی ہلکی اور نظر نہ آنے والی خوبی بھی اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی -

اسی لیے فرمادیا کہ فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ۔

اسی تھوڑے سے ایمان کو بندہ کی نجات کا ذریعہ بن جانے کا موقع بار بار دیا جارہا ہے مگر جب کوئی بندہ اپنی اس مخفی طاقت سے واقف نہ ہو جو اُسے گمراہی کے دلدل سے نکال سکتی ہو تو اس لطیف بشارت کا وہ کیا نفع اٹھا سکے گا؟

آج ہم مسلمانوں کا بھی ایمان بس تھوڑا سا ہے۔ لیکن گناہگار ہونے کا اقرار تو ہم سب کو ہے۔ یہ متاع اتنی بڑی ہے کہ سلطانی و حکمرانی اور مال و زر کی ساری طاقتیں اس کے مقابل کچھ بھی نہیں۔ مگر ایک ایسی غفلت تو ہم پر مدّت سے طاری ہے۔ جو دلوں کو لاپرواہی کے غلاف میں لپیٹ چکی ہے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب سے ناواقفیت اور اسی ناواقفیت کی وجہ سے اپنی بچی کھچی ایمانی طاقت کا ہمیں اندازہ نہیں۔

اسی ناواقفیت نے یہود کے کالے کرتوتوں سے ہمیں بے خبر رکھا۔ لاعلمی کے غلاف میں ہم لپٹے رہے۔ اب طوفان سر پر سوار ہے۔ پھر بھی اس ملعون قوم کے اندر اور باہر کی تمام حالتوں کا پردہ اٹھا دینے والا قرآنِ مبین ہمارے مطالعے تک میں اگر نہ آسکا تو عمل وغیرہ کی بات ہم کیسے کریں گے۔ جس لاعلمی اور غفلت نے تمھیں اندھیرے میں رکھا اس کے غلاف سے اپنے آپ کو آزاد کرلو۔ کتابِ مبین تو تمھیں تمام تاریکیوں سے نکالنے کے لیے آئی تھی تم خود اس روشنی کا استعمال کرو۔ تھوڑا ایمان بڑھایا جاسکتا ہے۔ کمزور ایمان کو طاقت ور بنایا جاسکتا ہے۔ کچھ بڑی بات نہ ہوگی اگر آپ اور انسانی برادری کے ہمارے دوسرے بھائی اس کتاب کے مطالعہ سے قرآن مجید کی طرف توجہ فرمائیں۔

# دجّال کے معتقد

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (2- البقرہ - 89)

" جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک ایسی کتاب آئی جو اُن کے پاس موجود شدہ کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے قبل یہ خود کافروں سے اس کا بیان کرتے رہتے تھے اور ان پر اسے فتح کا ذریعہ جانتے تھے، پھر جب یہ کتاب ان کے پاس پہنچی اور اسے انھوں نے پہچان بھی لیا پھر بھی اس کے منکر ہو گئے۔ سو اللہ کی لعنت ہے ایسے منکروں پر۔"

آج تک یہود ایک نجات دلانے والے کی آمد کے منتظر ہیں جو انھیں ساری لعنتوں اور عذاب سے چھٹکارا دلائے گا۔ اور یہ کافروں پر فتح پالیں گے۔ اس عقیدہ اور ان کے اس طویل انتظار نے قوم یہود کو خود اپنے ہی دین سے بدگمان کر دیا۔

ان کی مقدس کتابوں میں جگہ جگہ کسی ایک زبردست شخصیت کی آمد کی اطلاع ہے۔ اس کی بہت کچھ صفات بھی انھیں بتائی گئی ہیں۔ مسیحؑ سے قبل اپنے دورِ مصیبت میں یہ اسی منجّی کے انتظار میں تھے، لیکن جب حضرت عیسیٰؑ کی بعثت

ہوئی اور انھوں نے توریت کی تصدیق کرتے ہوئے دعوتِ حق مع انجیلِ مقدس ان کے سامنے رکھی تو اُن یہود کا پُرانا روگ پھر عود کر آیا۔ اپنی سابقہ روش کے مطابق انھوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰؑ کی تکذیب ہی کی بلکہ آپ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عیسیٰؑ کوئی غیر اسرائیلی نہیں تھے۔ بلکہ بنی اسرائیل ہی کی نسل سے تھے۔ لیکن یہود کی بدبختی کہ اعمالِ شرکیہ کو دینِ حق کے مقابلے میں چھوڑنے کو تیار نہ ہوئے۔

اس طرح سے ان پیش خبریوں کا دور جاری ہی رہا۔ یہود پھر انتظار کرتے رہے کہ ہمارا کوئی مصلح، کوئی نبی، کوئی رہنما اب عنقریب مبعوث ہو گا اور پھر ہماری تقدیر بدل جائے گی۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد سے نزولِ قرآن تک ان یہود پر مسلسل ایسی سخت لعنت اور پھٹکار رہی کہ تاریخ کے صفحات میں اس سے زیادہ ذلّت آمیز زندگی اور کسی کی نہیں دیکھی گئی تھی۔

حجاز کی یہودی آبادی کا بھی اس دور میں یہی حال رہا۔ قبائلی جنگ میں یہود اچھی طرح پیسے جاتے رہے۔ بستیوں کی بستیاں لوٹ لی جاتیں اور پھونک دی جاتیں۔ غلامی کا جُوا گلے میں ڈالا جاتا۔ ان مظالم کی تاب نہ لا کر یہودی قبائل کے قبائل اپنا بوریہ بستر سمیٹے خانہ بدوشی کی زندگی گذارتے رہے۔ ایسی مصیبتوں کے موقع پر یہ اپنی مقدس کتابوں کی بشارتوں کو پھر یاد کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہتے کہ کچھ ہی دنوں میں ہماری نجات کا پیغام لے کر کوئی آتا ہی ہے۔ اس کی قیادت میں ہم کفار پر فتح پالیں گے۔

اور جب اس حقیقی سردار کی آمد اپنے وقت پر ہوئی جس کی آمد کی خبر

مسیح ابن مریم بھی دے چکے تھے۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ کا ظہور قدسی ہوا۔ اور یہود کو سنبھلنے کا آخری موقع دیا گیا۔ مگر حرماں نصیب قوم کے افراد بہت تھوڑی تعداد میں دعوتِ محمدیؐ میں شریک ہو سکے۔ باقی اپنی ہٹ دھرمی اور قومی تعصب کی وجہ سے رسالتِ محمدیؐ کے منکر رہے۔ اپنی سابقہ یہودیت پر محض اس حسد کی بنا پر قائم رہے کہ صاحبِ قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسلی تعلق بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ بنی اسماعیلؑ سے تھا۔ گو ان ظالموں کو یہ بھی معلوم تھا کہ جس طرح حضرت اسحاقؑ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے تھے اسی طرح حضرت اسماعیلؑ بھی آپؑ ہی کے بیٹے تھے، جدِّ امجد دونوں کے ایک ہی تھے۔ مگر جس کی قسمت میں ہدایت نہ ہو اس کا کیا علاج؟ آنے والا منجی اور دنیا کا سردار آ گیا مگر پھر بھی اپنی کتابِ مقدس کی پیش گوئیوں کی تصدیق نہ کر سکے اور آج تک انتظار کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

خاتم الانبیاء سرورِ عالم تو آ چکے۔ رسالت و نبوّت ختم ہو گئی البتہ دجّال ضرور آنے والا ہے جو یہود میں پیدا ہو گا۔ شاید یہی انھیں اس دنیا کی تمام آفات سے نجات دلا کر ہمیشہ کے لیے جہنّم میں لے جائے گا۔

انتظار انتظار میں اتنی طویل مدت گذر جانے کے بعد جب کسی کو منجی تسلیم ہی نہیں کیا گیا تو یہود میں ایک طبقہ اپنی کتابی پیش خبریوں کے متعلق حسنِ ظن قائم نہ رکھ سکا۔ آج دنیا میں جو کچھ رویّہ یہ اختیار کر رہے ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دجّال کے لیے زمین تیار ہو رہی ہے۔ خیر، پھر بھی اہلِ ایمان کا کچھ بگڑنے والا نہیں کیونکہ ہمیں خاتم الانبیاءؐ نے دجّال کے متعلق تمام تفصیلی پیش خبریاں اور

نشانات بتا دیئے ہیں۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دجّال یہود میں پیدا ہوگا! احادیث کے ذخیرے میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام ارشادات اب بھی محفوظ ہیں۔

مسلمانو! خوب سمجھ لو کہ اب دنیا کی ہلاکت کا سائرن بجنے والا ہے۔ قربِ قیامت کے تمام نشانات جو حضورؐ نے بتا دیئے تھے وہ واضح ہوتے جا رہے ہیں۔ سال، مہینہ اور دن نہیں بتایا جا سکتا مگر علامات ایسی کچھ دکھائی دے رہی ہیں کہ اس دھرتی پر دجّال کا ظہور جلد ممکن ہے اور نزولِ مسیحؑ کے ایام بھی قریب ہیں! ایک عالمگیر اور سب سے بڑی عالمگیر جنگ کے آثار کی ابتداء ہے اور ان ہی یہود سے تمہارا مقابلہ عالمی پیمانہ پر ہونا یقینی اور حتمی ہے۔

رہبر اور سردار کے منتظر یہود اب دجّال پر مجتمع ہوں گے اور تم کو اور ساری دنیا کو مسیحؑ ابن مریمؑ کی قیادت میں سرورِ کائناتؐ کے دین پر قائم ہونا ہے وہ ایّام اب زیادہ دور نہیں۔ اور فتح و کامیابی اہلِ ایمان اور صرف اہلِ ایمان کی ہوگی۔ انشاء اللہ۔

---

# میلاد شریف کے موجد اور حق کے منکر

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ (2-البقرہ-90)

"وہ بری حالت ہے جسے اختیار کر کے یہ اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ اس کلام سے جو اللہ کا نازل کیا ہوا ہے۔ اور انکار کرتے ہیں محض اس ضد پر کہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا نازل فرمایا اور اس حرکت سے وہ اللہ کے غضب بالائے غضب کے مستحق ہوئے۔ اور ایسے منکرینِ حق کے لیے رسوائی کا عذاب ہے۔"

قرآن مجید نے یہود کی اس باغیانہ روش کا بار بار تذکرہ کیا ہے کہ وہ صرف نسلی حق کو ماننے پر ہی تیار ہوتے ہیں اور وہ بھی آدھے پونے، پورے وہاں بھی نہیں اترتے۔ مسیحؑ تو خود اُن ہی کی نسل سے تھے۔ تب بھی یہود نے انجیل کا انکار کر دیا۔ پھر کسی غیر یہودی کی زبان سے کلام الٰہی کو وہ سُننا کیونکر گوارا کر سکتے تھے۔

ان کی یہ حرکت کسی مغالطے یا بھول کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ یہود اپنے تئیں نبوت اور کتاب کو صرف بنی اسرائیل کی نسل میں ہی دیکھنا چاہتے تھے اور یہ دولت بنی اسماعیل میں ان سے پوچھے بغیر بھیج دی گئی پھر کیا تھا۔ بھڑک گئے۔ یہودی

قوم نبوّت کو اپنا موروثی حق سمجھتی تھی اور ایک عرب کو اس کا مدعی پاکر حسد و رشک کی بنا پر اس سے پنجہ آزمائی کو تیار ہو گئی۔ مقابلے میں اللہ کے نبیؐ سے یہ کیا جیت سکتے تھے؟ خدا کی طرف سے ایسی مار اُن یہود پر پڑی کہ تمام عالم میں یہ قوم تتر بتّر ہو گئی۔ اپنی اجتماعی، سماجی اور وطنی زندگی کو ختم کرنے پر تیار ہو گئی۔ در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر آمادہ رہی، مگر حق کے اقرار پر آمادہ نہ ہو سکی۔ اور اتنی عظیم مشکلات کو بربنائے نسلی تعصب سہنے کے لیئے رضامند ہوئی۔ اس پر کچھ نہ کچھ اُن کو داد تو ضرور ملنی چاہیئے تھی ۔۔ اس آیت میں بھی یہی مذکور ہے کہ بُری حالت پر جانے کو تیار ہوئے کہ جان چھوٹے اس کتاب سے اور اس نبیؐ سے جو ہماری نسل کا نہیں۔ گو اُس کی اصل سے باخبر کرنے کے لیے پورے حجاز میں اس کی آمد کی خبریں عوام میں پہنچانے کے لیے وعظ کی مجالس منعقد کرتے رہے اور آنے والے رسول کی میلاد کی محفلیں ان ہی کے دم سے آباد تھیں۔ لیکن جب آ گئے تو سب سے پہلے یہود نے ہی اس کا انکار کر دیا۔ اس گناہ کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات میں انھیں دو دو غضب کا مستحق قرار دیا۔ خدا غریقِ رحمت کرے ہمارے قدیم مفسروں کو۔ فرما گئے کہ دو مرتبہ غضب بھی اپنے اندر ایک لطیف اندازِ بیان رکھتا ہے۔ ایک غضب تو مسیحؑ اور انجیل کے انکار کے سبب ہوا اور دوسرا غضب خاتم النبیینؐ اور قرآن کے انکار پر۔

مگر ایک لطیف نکتہ بھی ان آیات میں پوشیدہ ہے کہ محض نسل کی وجہ سے اصل کے انکاری ہوئے تو پھر اُس اصل حق کا انکار ظالمو! تم نے کیوں کیا؟ جو تمھاری نسل بنی اسرائیل میں عیسیٰؑ لے کر آئے تھے؟ یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی قوم انکارِ حق کی راہ پر پڑ جاتی ہے تو پھر کوئی سی بھی دلیل اسے راہِ حق پر لانے کے

لیے کارگر نہیں ہوتی۔ یہی روش نزولِ قرآن کے وقت یہود مدینہ کی تھی۔ پورے حجاز میں ان ہی کی آواز پر عوام میں حضورؐ کی آمد کا چرچا گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔ ہم لکھ آئے ہیں کہ ان ہی کی بتائی ہوئی علامتوں سے انصارِ مدینہ نے حضورؐ کو پہچان کر ایمان لانے میں سبقت کی اور یہود پھر آنے والے کی میلاد پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔

مگر جب عرب میں صاحبِ قرآن کا اقتدار قائم ہو گیا اور آپؐ کی دعوت سے اب عرب ہی نہیں بلکہ ملکوں ملکوں میں قرآن کی آواز پہنچنے لگی۔ تو یہود کو آنے والے نبی کی میلاد پڑھنے کے لیے گنجائش نہیں رہی کہ حق کا انتظار بھی کرتے ہیں اور حق جب آجائے تو مخالفت کرتے ہیں ایسے دورنگے لوگوں کا مقام اہلِ ایمان کی وادیوں میں کب تک رہ سکتا تھا۔ آخر کار یہود حجاز سے چلے گئے۔

---

# دعوتِ ایمان پر یہود کا ردِّ عمل

وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا وَیَکۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَہٗ ٭ وَہُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَہُمۡ ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِیَآءَ اللّٰہِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ○ وَلَقَدۡ جَآءَکُمۡ مُّوۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ○

(2-البقرہ-92-91)

"اور جب ان سے کہا گیا کہ ایمان لاؤ اس کلام پر جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اس کلام پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے۔ اور جو کچھ اس کے سوا ہے اس کے انکاری ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن خود بھی حق ہے اور اس کلامِ حق کی بھی تصدیق کرتا ہے جو یہود کے پاس ہے۔ اے اللہ کے نبیؐ آپ ان یہود سے کہیے کہ تم نے اس سے پہلے خدا کے نبیوں کو کیوں قتل کر ڈالا اگر تم ایمان والے تھے؟ اور تمہارے پاس موسیٰؑ بھی کھلے کھلے نشانات لے کر آ چکے ہیں مگر اُن کے طور پر جاتے ہی تم نے بچھڑے کو سب کچھ بنا لیا اور تم ظالم ہو"

ان کی عقل کی پہنچ بھی خوب ہے۔ گویا خدا بھی نسلوں کے چکر میں حق وصداقت

کو کسی ایک نسل میں محدود رکھے گا۔ تمام بنی آدم خدا کی مخلوق ہیں، ان کی ہدایت کے لیے جب جب اس نے انبیاء اور رُسُل بھیجے، چاہے وہ کسی بھی دَور میں آئے ہوں کسی بھی نسل اور وطن سے تعلق رکھتے ہوں، تمام بنی آدم پر لازم ہے کہ وہ خدا کے ان تمام نبیوں پر ایمان لائیں۔ اور اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھیں، ورنہ خدا کے کسی ایک کلام کی تصدیق اور کسی دوسرے دَور میں نازل ہونے والے کلام کی تکذیب سے آدمی مومن نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح ایک کلام کی تصدیق بھی بے معنیٰ ہے جبکہ خدا کے دوسرے کلام کی اس نے تکذیب کر دی ہو اسی وجہ سے یہود کو ملتِ ابراہیمی سے رخصت دے دی گئی۔ قرآن میں اس امرِ حق کو واضح کیا گیا کہ تمام نبیوں اور تمام کتابوں کو مانو اس طرح مذاہبِ عالم کو عالمی برادری آپ سے آپ بغیر وحدتِ ادیان کے بھی نصیب ہو سکتی ہے کہ سلسلۂ انبیاء اور تنزیلِ کتبِ آسمانی میں کسی کا بھی انکار نہ کیا جائے۔ بحمد اللہ آج مسلمان مذاہبِ عالم کی صدارت کے مقام پر ہیں کہ تمام انبیاء و رُسُل اور تمام کتبِ آسمانی پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ مذاہبِ عالم اپنی اصل کے لحاظ سے اوّل تو دینِ حق پر تھے۔ بعد کے لوگوں نے اس حق پر ردّے چڑھا کر توحید و رسالت کے عقائد کو شرک کے ساتھ ملوث کر کے ایک ایسی معجونِ مرکب تیار کر دی جو عالمِ انسانیت کو صحت کے بجائے روگ سے زیادہ قریب کرنے والی ہے۔ یہ معجون جن لوگوں نے تیار کی ہے وہ ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ ڈال نکال کی پالیسی پر چل کر دین کی اصل شکل کو مسخ کر چکے ہیں۔ اور تمام دنیا میں جہاں بھی دینِ حنیف کی شکل بگاڑی گئی ہے۔ اس میں یہود کی استادی اور نمونہ ہمیشہ اہلِ باطل کے کام آیا ہے۔

اللہ کے نبی اور اس کا کلام آنے کا مقصد ہی بنی آدم کا سدھار ہوتا ہے اگر کلام اللہ کے آنے کے بعد بھی لوگ اپنی سابقہ روش کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں تو مومن نہیں کہے جا سکتے۔ اس لیے یہود سے پوچھا جا رہا ہے کہ جناب ہدایت یافتہ صاحب! اگر آپ بڑے مومن ہی تھے تو اس سے قبل اپنے ہی انبیاء کا قتل کیوں کیا تھا؟ اور تمھاری قومی تاریخ ان کے خون سے رنگین کیوں دکھائی دے رہی ہے؟ کسی منصف آدمی کو شاید تعجب ہو مگر خود یہودی کتب میں مذکور ہے کہ نحمیاہ نبی کے زمانے میں اکابرِ بنی اسرائیل اپنے آباؤاجداد کے خلاف دربارِ الٰہی میں مناجات کرتے ہیں کہ:

> "وہ نافرمان تھے اور تیرے باغی تھے۔ انھوں نے تیری شریعت کو پیٹھ پیچھے پھینکا اور تیری طرف بلانے والے تیرے نبیوں کو جو اُن کے خلاف گواہی دینے والے تھے قتل کر ڈالا اور انھوں نے تجھے غصّہ دلانے کے بڑے بڑے کام کیے۔"
>
> (نحمیاہ باب 9 آیت 26)

چلو یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پچھلی نسل نے جو بھول کی ہو اُس پر لعنت کرتے جاؤ اور خدا سے مناجات کرتے وقت فریادی بنو کہ انھوں نے بہت بُرا کام کیا مگر خود تم وہی کام کرتے جاؤ جو پہلوں نے کیا ہے اور مذہبی دیندار بھی ساتھ ساتھ بنے رہو اس سے بڑا مذہبی جھانسا اور کیا ہوگا؟

ہم مسلمان اپنا ایک ایسا دین رکھتے ہیں جو صرف خدا کی طرف سے ہے اس میں ہمیں یہ تعلیم دی گئی کہ پہلے لوگوں کو اچھے نام سے یاد کرو یا خاموش رہو۔ باقی

ساری فکر اپنی کرو۔ دوسروں کے تذکرے اگر یہاں ہیں بھی تو عبرت و نصیحت کے لیے کہ اگلا گرا پچھلا ہوشیار۔

مگر یہود کو اپنے دین و مذہب پر ایسا گھمنڈ تھا کہ کلامِ حق گویا صرف ان ہی کے پاس تھا۔ انھیں یہاں یہ بتا دیا گیا کہ نالائقو! حضرت موسیٰؑ کے پیٹھ پھیرتے ہی بچھڑا پوجنے لگے۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ساری دنیا میں گوسالہ پرستی کا مرض باوجود اہلِ کتاب ہونے کے تمھارے ہی نمونے سے پھیلا ہے۔ اب اگر شرم آتی ہو تو بات دوسری ہے۔ مگر موسیٰؑ کی موجودگی میں صرف چند روزہ سفرِ طور سے واپسی تک توحید پر قائم نہ رہ سکے تو ہزاروں سال بعد کیا باتیں بناتے ہو کہ جو تنزیل ہمارے پاس ہے اسی پر ایمان لائیں گے اور اس کے علاوہ کہیں اور کلامِ الٰہی آ نہیں سکتا کہ اسے ماننے کے ہم مکلّف ہوں۔ خدا کی توحید کے ساتھ ساتھ ہر جگہ بچھڑا بھی لے گئے تو قتلِ انبیاء کے فعل کے بعد بُراق تو انھیں ملنے سے رہا۔

---

# سُن لیا۔ مانیں گے نہیں

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّاسۡمَعُوۡا ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا ٭ وَاُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡعِجۡلَ بِکُفۡرِہِمۡ ؕ قُلۡ بِئۡسَمَا یَاۡمُرُکُمۡ بِہٖۤ اِیۡمَانُکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ○ (2-البقرہ-93)

"اور جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا اور کوہِ طور کو تم پر اونچا کر دیا۔ کہ جو کچھ ہم تمھیں دے رہے ہیں طاقت سے پکڑے رہو اور سنو تو تمھارے اسلاف نے کہا تھا کہ سُن لیا مگر ہم سے نہیں ہو سکے گا۔ اور ان کے دلوں میں بچھڑا اپلا دیا گیا تھا۔ آپ کہہ دیجیے اے نبیؐ کہ اگر تم ایمان والے ہو تو یہ عجیب ایمان ہے تمھارا جو ایسی بُری حرکت کا تمھیں حکم دیتا ہے۔"

دعوئ ایمانی تو انھیں ہر وقت رہا ہے البتہ قبولیتِ حق ہر وقت مانع رہی۔ اسی لیے حجت الزامی سے انھیں یہاں قائل کیا گیا کہ کھُلی آنکھوں خدا کے نبی کو دیکھ کر اور کوہِ طور سے احکاماتِ خداوندی موصول ہونے کے بعد بھی تم نے یہ کب کہا تھا کہ ہم اطاعت کریں گے۔ بلکہ یہی نا کہ سُن لیا مگر ہم سے ہو نہ سکے گا۔ قرآن نے یہاں پھر بھی یہود کی پردہ پوشی کی ورنہ ان کی کتبِ مقدسہ تو یہ بتا رہی

ہیں کہ ظالم سُننے کو بھی تیار نہ تھے، چنانچہ حسبِ ذیل عبارت توریت میں دیکھ لیجئے:

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ راستوں پر کھڑے ہو اور دیکھو اور پُرانے راستوں کی بابت پوچھو کہ اچھی راہ کہاں ہے؟ اسی پر چلو اور تمہاری جان راحت پائے گی پر انھوں نے کہا اس پر نہ چلیں گے اور میں نے تم پر نگہبان بھی مقرر کیے اور کہا کہ نرسنگے کی آواز سنو، انھوں نے کہا ہم نہ سنیں گے۔" (یرمیاہ باب 6 آیت 17-16)

أُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ کا الزام قرآن نے ان پر بار لگایا۔ اور معاصرینِ نزول قرآن میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہود اہلِ کتاب تو بچھڑا نہیں پوجتے؟ یہ الزام ان پر کیسا؟ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ یہود گوسالہ پرستی کو کسی دور میں بھی اپنے دِلوں سے پورے طور پر نکال نہ سکے۔ جیسے پانی رگوں میں پہنچ کر جزوِ بدن ہو جاتا ہے، مشروب سے یہ اشارہ ہوا کہ عجل پرستی ان کے قلب کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسی لیے جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد 5 صفحہ 452 میں بتایا گیا کہ:

"بیل کے تقدس کا اعتقاد بنی اسرائیل میں مدّت دراز تک قائم رہا۔"

شعبدہ بازی اور چمتکار کو نمسکار آپ نے بھی بہت دیکھا سُنا ہوگا۔ مگر اس قوم کی تاریخ کو قرآن کی روشنی میں ان ہی صفحات پر اُن کے ایک شعبدہ باز سامری نامی شخص کے قصے میں ملاحظہ فرمائیے۔ جو آئندہ آرہا ہے۔

---

# موت اور یہود

قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ عِنْدَ اللّٰہِ خَالِصَۃً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ وَلَنْ یَّتَمَنَّوْہُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ○ وَلَتَجِدَنَّھُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ ج وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ج یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ ج وَمَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ط وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ ۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ○

(2 - البقرہ - 96 - 95 - 94)

” ان سے کہو کہ اگر واقعی اللہ کے پاس آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر تمہارے لیے مخصوص ہے، تو موت کی تمنّا کرو اگر تم سچّے ہو۔ لیکن وہ اس کی تمنّا ہرگز کبھی نہ کریں گے کیونکہ اپنے ہاتھوں سے بُرے کرتوت جو سمیٹ چکے ہیں۔ اور اللہ کو ان ظالموں کا حال خوب معلوم ہے۔ تم ان یہود کو جینے کا حریص سب سے زیادہ پاؤ گے۔ حتیٰ کہ جینے کی تمنّا اور حرص میں یہ مشرکین سے بھی آگے ہیں۔ ان کا ایک ایک یہودی یہ چاہتا ہے کہ کاش وہ ہزار ہزار برس جیتا رہے۔ مگر عمر دراز مل بھی جائے تب بھی اسے عذاب سے دُور تو نہیں ڈال سکتی؟ اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں۔“

یہود کا اب بھی یہ دعویٰ ہے کہ خدا کے یہاں ان کو مخصوص مقام حاصل ہے

اور جنت میں ان کے سوا کوئی اور نہیں جا سکے گا اور نہ انھیں عذاب ہوگا۔ ان آیات میں جنت کے ان جبری وارثوں کو للکارا گیا ہے کہ بہشتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو۔ صرف زبان سے موت کی تمنّا ہی کر کے دکھا دو۔ معلوم تو ہو کہ آپ خود بھی جنّت میں جانا پسند کرتے ہیں یا نہیں؟ گو اللہ کا فیصلہ تمھارے لیے جنت کا ہوا یا نہ ہوا ہو۔ اس کی بحث نہ کرو۔ موت کی ہوا کھائے بغیر جنّت میں کوئی جانے سے رہا۔

مگر ہر شخص کو اپنے اچھے بُرے اعمال کا کچھ نہ کچھ تو اندازہ رہتا ہی ہے۔ قرآن میں بتایا گیا کہ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۔ انسان کو اپنے نفس پر بصیرت حاصل ہے۔ یعنی اسے اتنی واقفیت تو ضرور ہوتی ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور اپنی زندگی میں اس نے کیا کچھ کیا ہے؟

ایمان اور عملِ صالح سے لدے ہوئے لوگ یہاں زیادہ رہنا پسند ہی نہیں کرتے۔ ہر آدمی کو اتنا ہی جینا ہے جتنا اللہ نے اس کے لئے مقرر فرما دیا ہے۔ مگر آدمی کو جب معلوم ہو کہ میں جنّتی ہوں تو یہاں زیادہ دن رہنے بسنے کی تمنّا وہ بھلا کیوں کرنے لگا۔ مگر جو اپنے ہاتھوں اعمالِ بد کو پہلے بھیج چکا ہو اس کی اتنی ہمت نہیں کہ موت کی وادی میں جان بوجھ کر قدم رکھنے کو تیار ہو۔ لیکن گردن داب کر ملک الموت جب لے جاوے تب مرے بغیر چارا نہیں۔

یہاں کسی کو یہ اشکال ہو کہ معاصرین یہود اگر چھاتی ٹھونک کر جھوٹ موٹ ہی زبان سے موت کی تمنّا کر لیتے تو بات بگڑ جاتی۔ مگر ایسا ہونا ممکن نہیں تھا کہ جو قوم بچھڑے کی معمولی آواز سے اس قدر خائف تھی کہ صدیوں تک بارگاہِ عجل میں سجدہ ریز ہوتی رہی وہ اتنی ہمت کہاں سے لاتی کہ نبی آخر الزماںؐ اور آپ کے

اہلِ ایمان ساتھیوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر موت کی تمنّا کر ڈالتی۔ بزدل لوگ شاید یہی سمجھتے ہوں گے کہیں زبان سے بات نکلی اور مر گئے تو یہ مردانگی کی موت بہت مہنگی پڑے گی۔ اس لیے چپ سادھ لینا اور الزام سہنا ہی بہتر ہے اور یہ بھی کیا عجب تھا بلکہ عین ممکن تھا کہ بارگاہِ نبوّتؐ میں موت کی تمنّا لے کر آتے ویسے ہی لقمۂ اجل بن جاتے۔ جہاں روز جبریلؑ کا آنا جانا ہوتا ہو اور خدا کا کلام نازل ہو رہا ہو، وہاں اس طرح کی معمولی سی بات کا ہو جانا عین ممکن تھا۔ مگر یہ نامرد میدان میں آتے تب ہی اس کا مشاہدہ ہو سکتا تھا۔

ان کی حیاتِ دنیا پر ٹوٹنے کی ہوس آج بھی نیویارک اور واشنگٹن کی سڑکوں پر دیکھ لو اور ہالی ووڈ سے پیرس تک بدکاری کے جتنے کام ہو رہے ہیں ان میں 70 فیصد یہود ملوث ہیں۔ مشرکوں سے بھی زیادہ مشتاقِ حیات قوم کو بس جینے کو ملے جیسے بھی ہو ذلّت سے ہو یا عزّت سے اس کے برخلاف ایک مومن تو ہر وقت ذلّت کی زندگی کے مقابلے میں عزّت کی موت کو ترجیح دیتا ہے اور یہی اہلِ ایمان کا سرمایۂ حیات ہے۔ اسی سرمایہ کی کمی سے عرب مسلم فلسطین کی جنگ ہار گئے۔ ورنہ دست بدست کی قدیم لڑائیوں میں اہلِ ایمان کا مقابلہ جہاں بھی ہوا مشرکین و یہود کبھی ٹک نہیں پائے۔ موجودہ دَور میں ہتھیاروں کی جنگ ہوتی ہے۔ آدمی کہاں لڑتے ہیں ایک ٹی.بی کا مریض اور ایک بزدل بھی آج کی لڑائی میں I.C.B.M. کے کسی سینٹر سے بٹن دبا کر لاکھوں جواں مردوں کو ایک سیکنڈ میں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ یہ کوئی ہمّت کی بات نہیں ہوئی۔ مقابلے میں انسانی قلب و جسم کی طاقت نہیں آئی بلکہ ایسے آلاتِ حرب کام میں لائے گئے، جنھیں استعمال

کرنے میں کسی مردانگی کی نہیں صرف تکنیکی معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی کچھ عرب اسرائیل کی حالیہ 1967ء کی جنگ میں ہوا بھی ہے۔

قرآنِ پاک کی تعلیم پر عرب عامل ہوتے اور میدان میں اسلام کو لے آتے تو پھر محض کسی تکنیکی معلومات کی کمی سے جنگ ہارنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ اہلِ ایمان نے مادّی طاقت سے زیادہ خدا کی نصرت پر بھروسہ کیا ہے۔ اگر کہیں ہارے بھی تو مادّی طاقت کی کمی سے نہیں بلکہ ضعفِ ایمانی کی وجہ سے ہارے ہیں۔ دنیا میں جینا ایک دن ہو یا ایک ہزار برس۔ اجل آنے پر دربارِ خداوندی میں ہر ایک کو حاضر ہونا ہے۔ مسلمانی نام ہی اسی عقیدے کا ہے جس میں لقاء اللہ کی طلب ہو۔ پھر موت سے آدمی ایک بار بغل گیر ہونے کی ٹھان لے تو دنیا کا کوئی بھی کام اس کے لیے آسان ہے۔ دعوت محمدیؐ کے پروانے ہر دور میں بے دھڑک موت کے آرزومند رہے۔ ؎

تری اطاعت پر مرنے والا فنا کے تیروں سے بے خبر ہے
اجل کی اس نے ہنسی اڑائی اُسے بھی مارا تھکا تھکا کر

# جبرئیل کے دشمن اور سامری کے مرید

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ (2 - البقرہ - 98-97)

"آپ کہو کہ جو جبرئیلؑ سے عداوت رکھے تو جبرئیلؑ نے تو صرف اللہ کے حکم سے اس قرآن کو آپؐ کے قلب پر اُتار دیا ہے، جو تصدیق کرتا ہے اس کلام کی جو اس کے پہلے اتارے جا چکے ہیں اور ہدایت و خوش خبری ہے ان کے لیے جو ایمان لانے والے ہیں۔ جو شخص بھی اللہ کا دشمن ہو اور فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا تو وہ سُن لے کہ اللہ تعالیٰ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔"

جبرئیل علیہ السّلام ایک عظیم المرتبت فرشتہ کا نام ہے۔ انبیاء پر کتبِ سماویہ کے نزول کی تمام تر ذمّہ داری ان ہی کے سپرد ہے۔ قرآن میں انھیں رُوحُ الْاَمِیْن۔ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔ ذُوْمِرَّۃٍ۔ ذِیْ قُوَّۃٍ۔ مُطَاعٍ۔ اَمِیْنٌ اور رُوحُ الْقُدُسِ کے لقب سے متعارف کرایا ہے۔ بڑے سے بڑا پیغمبر بھی بشر ہی ہوتا ہے اسی لیے جسمِ لطیف رکھنے والے فرشتوں کو اللہ کا کلام انبیاء پر نازل

کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ تجلّیات لاہوتی کی شعاعوں سے فرشتوں کے جسمِ لطیف کو انسانوں کے بشری و خاکی جسم کے مقابلے زیادہ مناسبت اور قربت ہونا فطری بات ہے۔ اس لیے سفارت اور توسط کے فرائض ملائکہ کو انجام دینے ہوتے ہیں۔

جس درجہ کی نبوت ہو اور جس درجہ کی کتاب ہو اسی درجہ کا ملکوتی قافلہ اپنے سردار حضرت جبرئیلؑ کی قیادت میں زمین پر کلام الٰہی کو لے کر اترتا ہے، وحی اور صاحبِ قرآن کا مرتبہ تو کیا پوچھنا۔ براہِ راست جبرئیل امینؑ پورے 23 برس تک آتے جاتے رہے پیغمبرِ اعظم پر فرشتہ اعظم کا نزول ربّ العرش العظیم کے کلام کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ نزولِ قرآن کی تکمیل ہو گئی۔

جبرئیلِ امینؑ سے یہود کو ناواقفیت نہیں تھی بلکہ توریت کے لانے والے بھی یہی تھے۔ موسیٰؑ پر جو فرشتہ اترتا تھا وہ بھی جبرئیل امین ہی کی شخصیت تھی مگر یہود ازراہِ عناد یہ کہنے لگے کہ جبرئیل (علیہ السّلام) ہر وقت ہمارے خلاف احکامات لے آتا ہے۔ ہمارے بڑوں کو اس کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔ کوئی اور فرشتہ اس قرآن کو لے آتا تو ہم مان لیتے۔

یہودی بچکانہ پن کی ایک نادر مثال ہی سمجھیے اس واقعہ کو۔ ورنہ کلامِ الٰہی کا اصل بھیجنے والا تو خدا ہے۔ جبرئیلؑ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو واسطہ ہوئے۔ اب اگر احکاماتِ قرآنی کو نہ ماننے کا بہانہ ان شخصیات کے رد کر دینے اور ذاتی دشمنی یا پرخاش سے ہو تو اس عداوت کا تعلق براہِ راست ملائکہ اور حضورؐ سے نہیں بلکہ یہ دشمنی تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوئی، جس نے اپنا کلام نازل کیا تھا۔

اس طرح یہود خود اپنے خالق اور مالک کو اتنا غافل سمجھنے لگے کہ خدا تو

وحی میں سہل احکامات بھیجتا رہا اور لانے والا جبرئیلؑ بیچ میں اُسے بدل کر سخت کر دیتا ہے یہی بدگمانی اُن ظالموں کو حضرت موسیٰؑ کے متعلق بھی تھی۔ ورنہ یہ مطالبہ ہی کیوں ہوتا کہ خدا کا کلام ہماری نظروں کے سامنے اُترے تو جانیں۔ اِس آیت قرآنی سے یہودی لیڈر سامری کا جبرئیلؑ کو دیکھ لینا بھی ثابت ہے۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ○ (20۔طٰہٰ۔96)

"سامری بولا کہ میں نے وہ دیکھا جو کسی کو نہیں دِکھا۔ پھر میں نے پیغام لانے والے کے پاؤں کے نیچے سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھا لی اور یہ مٹی ڈال دی اس بچھڑے میں اور میرے جی کو یہی سوجھ گیا۔"

جب آلِ فرعون کا سارا مال و اسباب بنی اسرائیل کے ہاتھ آیا۔ تو دوسرا مال تو کیا اٹھا پاتے، اسرائیلی خواتین نے مصریوں کے زیورات خوب خوب پہن لیے جتنا پہن سکتی تھیں اور جتنا اُٹھا سکتی تھیں اٹھا لائیں۔ ادھر شام کی طرف کوچ کا نقّارہ بجا اور راستے میں زیورات سے لدی لدائی اسرائیلی خواتین کو ریگستانی علاقے میں سفر پر اس بوجھ کو لادے لادے رہنا مشکل نظر آیا۔ بس کیا تھا سامری نامی ایک یہودی، چالاک شعبدہ باز نے اسی وقت اس کا حل نکال دکھایا۔ تمام زیورات کو ایک جگہ جمع کرا لیا۔ گویا سونے کو NATIONALISE کر لیا اور تمام زیورات کو گلا کر ایک شکل دے دی۔ جو بچھڑے سے مشابہ تھی۔ بچھڑے کا اثر دل میں تو باقی تھا ہی اسی لیے توجہ بھی اسی طرف گئی۔

ادھر جبرئیلؑ کا آنا جانا روز جاری تھا۔ توریت کا نزول ہو رہا تھا۔ ایک

موقع پر سامری نے ان ہی حضرت جبریئل کے قدموں کی نورانی شعاعیں جہاں روشنی ڈال چکی تھیں وہاں سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ اُدھر سونے کا بچھڑا بن کر تیار کھڑا تھا۔ بیلوں کے ذریعہ کھینچ کھینچ کر قافلہ اسے اپنے ساتھ لیے چلتا۔ سامری نے اس بچھڑے میں یہ مٹی ڈال دی۔ مالِ غنیمت تھا ایک مزاج کا اور فرشتے کے قدم سے زمین کی مٹی کا ایک مزاج بنا اور دولوں کے یکجا ہونے پر تکرار شروع ہوئی۔ اور بچھڑے سے کچھ الٹی سیدھی آوازیں نکلیں۔ بس شور برپا ہوگیا بنی اسرائیل میں، کہ خدائے تعالیٰ ہم میں تشریف لے آئے۔ اِدھر موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی طلبی پر طور تشریف لے گئے تھے۔ یہودیوں نے اعلان کردیا کہ ھٰذَآ اِلٰھُکُمْ وَاِلٰہُ مُوْسٰی فَنَسِیَ ○ "ہمارا اور موسیٰؑ کا خدا یہیں موجود ہے، مگر موسیٰؑ تو بھول کر کوہِ طور پر چلے گئے۔" (20 - طٰہٰ آیت 88)

کیا عجیب وغریب واقعات ہیں بنی اسرائیل کے۔ ان کو پائے جبرئیلؑ سے ایسی زبردست طاقت ور چیز ہاتھ آئی کہ آج تو کسی کو ہاتھ آنی ممکن ہی نہیں شعاعی طاقت کے ظہور کے اس دور میں بھی پائے جبرئیلؑ کی ہم پلہ کسی کرن کا اثر کسی مٹی پر ہو اور وہ مشتِ خاک ہاتھ آئے تو دنیائے سائنس میں ہل چل مچ جائے۔ بنی اسرائیل کے نصیب میں کب تھا کہ اسے محفوظ رکھتے۔ ان کے نصیب میں ہوتا تو عمالقہ سے لڑنے میں نامردی دکھانے کے باعث چالیس[40] سال تک انھیں صحرا نوردی کا جو عذاب بھگتنا پڑا وہ ہلکا ہوجاتا، اگر اسی مشت خاک پائے جبرئیلؑ کو عمالقہ پر چھوڑ دیتے۔ مگر ظالموں نے بچھڑے کے منہ میں اسے جا چھوڑا، اب تک تو لوگ بے سند ہی بچھڑا پرستی کرتے ہوں گے مگر بنی اسرائیل نے اس کی سند بھی مشرکین کے حوالے کردی۔

اس طرح سے جبرئیلؑ کے قدموں کے نشان کا حصّہ ایک غلط کام میں استعمال کر بیٹھے جس کی سزا انھیں مدّتوں بھگتنی پڑی اور اہلِ کتاب ہو کر بھی بچھڑا پرستی کے بانی قرار پائے، لاحول ولا قوۃ۔

اس مضمون کے مطالعہ کے دوران اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ توریت تو یکمشت تختیوں پر لکھ کر دے دی گئی تھی۔ پھر بار بار جبرئیلؑ کا موسیٰؑ کے پاس آنا کیا معنیٰ رکھتا تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ الواح پر منقش احکامات تو صرف چند ہی تھے جو دعوتِ توحید کے بنیادی اصول کہے جانے چاہئیں۔ بعد میں جب جب حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کے لیے احکامات اور تفصیلات کی ضرورت ہوتی، وحی کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ توریت نامی کتاب میں آج بھی صرف اتنے ہی احکامات نہیں ہیں جو تختیوں پر لکھ کر دیئے گئے تھے بلکہ اور بھی بہت سے احکامات اور بنی اسرائیل کو مختلف جرائم پر دی گئی سزائیں بھی توریت کا حصّہ ہیں اور خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے توریت کے لیے تنزیل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ تنزیل کہیں ایک ہی بار کوہِ طور پر ختم نہیں ہو گئی جبرئیلؑ کا تنزیل کے لیے بار بار آنا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

---

# بدعہد

أَوَكُلَّمَا عٰهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ○ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ (2-البقرہ-101-100)

"اور یہ کیا حرکت ہے ان یہود کی کہ جب بھی انھوں نے کوئی عہد کیا، ان کے کسی نہ کسی فریق نے اسے پھینک دیا۔ بلکہ ان کی اکثریت بے ایمان ہے۔ اور جب اللہ کی طرف سے ان کے پاس پیغمبر تشریف لائے تصدیق کرتے ہوئے اس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے تو اِن اہلِ کتاب میں سے ایک فریق ایسا نکلا کہ اللہ کی اس کتاب کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا۔ جو اِن کے پاس پہلے سے موجود ہے۔ اور ایسی حرکت کرنے لگے جیسے وہ کچھ بھی نہ جانتے ہوں۔"

عہد شکنی، غدّاری، نافرمانی اور طغیان کے ابواب میں بنی اسرائیل کی ایک مخصوص تاریخ ہے۔ توراۃ کے اوراق اور انجیل کے صفحات میں یہ داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ خدا کے ساتھ ان کا عہد و پیمان تھا کہ جو بھی نبی آئے اور توراۃ کو سچا جانے تم اس کے ساتھ ہو جانا۔ ان ظالموں نے فضا تو اتنی اچھی بنا دی

کہ گھر گھر رسولِ آخر الزماںؐ کی آمد کا چرچا ہونے لگا۔ اور جب حضورؐ کی تشریف آوری ہوئی تو اہلِ کتاب یہود اپنی سابقہ وعظ گوئی میں جو پیش خبری دے چکے تھے اسی سے مُکر گئے۔

بحث و تکرار میں جب اہلِ ایمان سے ان کا مقابلہ ہوتا تو خود اپنی کتاب کے کتاب اللہ ہونے پر مشکوک باتیں کرتے۔ حتّٰی کہ ان کا ایک قول قرآن پاک میں اس طرح نقل کیا گیا ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۝ (6 - الانعام - 92)

"انھوں نے اللہ کی کوئی قدر نہ جانی جب یہ کہہ بیٹھے کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی کلام نازل نہیں کیا تم کہو کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جسے موسیٰؑ لے کر آئے تھے۔ جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے الگ الگ اوراق پر نقل کر رکھا ہے۔ کچھ حصّہ تو لوگوں کو بتاتے ہو اور بہت کچھ چھپائے رکھتے ہو"

یہ انتہائی جہالت اور مخاصمت کا نمونہ جو تاریخِ اُمم سابقہ میں کسی اُمّت کے بگڑے لوگ نہ بتا سکے۔ مگر یہود نے یہ ریکارڈ توڑ دکھایا۔ صاحبِ قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کہنے لگے کہ یہ تو بشر (آدمی) ہیں اور اللہ نے آج تک کسی آدمی پر اپنا کلام نہیں نازل کیا، پھر یہ قرآن آپ پر کیسے وحی سے نازل ہو گیا۔ اسی لیے ان مداریوں کو ان ہی کی رسّی میں باندھ کر پوچھا گیا کہ موسیٰؑ کون تھے؟ کیا

ان پر وحی نہیں آئی تھی ؟ توریت کس نے نازل کی۔ پھر یہ اوراقِ توریت کی نسبت موسیٰؑ کو چھوڑ کر تم اور کس کے ساتھ جوڑ سکتے ہو ؟"

ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ بشر ہی تھے، آپ کے بھائی بھی تھے، بہن بھی تھی، والدہ کا تذکرہ بھی قرآن میں ہے۔ اور آپ کی اہلیہ محترمہ کا ذکر بھی قرآن و توریت میں موجود ہے۔ تو کیا کسی کے ماں باپ بھائی بہن، بیوی اور کنبہ برادری ہو اُسے بشریت سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے ؟

انبیاء کی موجودگی میں کفّار نے اُن کی بشریت پر یہ اعتراض کیا اور منصبِ نبوّت پر اُن کے قیام کو ناممکن قرار دے کر سرے سے نبوّت ہی کا انکار کر دیا۔ پھر بعد کے غالی معتقدین نے ان ہی جہلاء کے عقائد کو اس طرح قبول کیا کہ چونکہ فلاں صاحب نبی تھے اس لیے بشر نہیں تھے جبکہ کفّار کا پہلے ہی سے یہ اعتراض تھا کہ چونکہ یہ صاحب بشر ہیں اس لیے انھیں رسول نہیں مانا جا سکتا۔

آج بھی یہود و نصاریٰ کی نقل میں یہ حرکت ہمارے کچھ نادان بھائی کر رہے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اس طرح کے باطل اعتقادات سے بگڑی امتیں اپنے رسولوں کو خدا کی ذات و صفات میں شریک کر کے گمراہ ہو چکی ہیں۔

---

# فنِّ جادوگری اور یہود

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ړ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (2 - البقرہ - 103 - 102)

" اور انھوں نے اتباع کیا ان باتوں کا جن کا چرچا شیاطین صفت لوگ سلطنتِ سلیمانی کا نام لے کر بتایا کرتے تھے۔ یہ کفریہ بات سلیمانؑ نے کبھی نہیں کہی۔ لیکن شیاطین ہی یہ کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے اور ان باتوں کی طرف بھی یہود خوب لپکے ہیں جو شہر بابل میں دو فرشتوں پر اترا ہوا بتاتے تھے۔ اور وہ دونوں تو ایک ایسا علم سکھاتے تھے کہ اوّل تو کہہ دیتے، دیکھ ہمارا وجود تو ایک امتحان ہے

تو تم کہیں کافر نہ ہو جائیو! پس پھر سیکھ لیتے ان دونوں سے ایک علم اور اس کا استعمال یوں کرتے کہ جدائی ڈالتے کسی مرد اور اس کی بیوی کے درمیان اور بغیر اذنِ الٰہی کے یہ لوگ اس ذریعہ سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، اور کچھ ایسا علم سیکھ بیٹھے جو اُن کے لیے ضرر کا باعث ہے۔ اور اس میں ان کو نفع مطلق نہیں اور وہ یہ جانتے بھی ہیں کہ جو اِس طرح کی جادو کی چیزیں سیکھے گا آخرت میں اس کا کچھ بھی حصّہ نہیں رہا۔ کتنی بُری چیز ہے جسے خریدنے میں انھوں نے اپنی جان داؤں پر لگا دی کاش کہ یہ عقل سے کام لیتے۔ اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے اور ان بے ہودہ باتوں (جادو ٹونے) کو اختیار کرنے کے بجائے تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے یہاں بہتر معاوضہ پاتے۔ کاش کہ یہ عقل سے کام لیتے۔"

یہود کو خدا نے کتاب کا وارث بنایا تھا۔ اس کتاب پر عمل کر کے وہ تمام دنیا کے لوگوں پر فضیلت حاصل کر سکتے تھے۔ مگر بجائے علم کتاب کے ان میں سے مکار صفت لوگوں نے اور ہلکٹ قسم کے مذہبی پیشواؤں نے جادو منتر کا علم سیکھنا سکھانا جاری کر رکھا تھا۔ جادو کے متعلق آج تک انسانی معاشرے میں اچھا خیال قائم نہیں ہو سکا کیونکہ اللہ نے انسان میں سمجھ بوجھ کا جو فطری مادّہ رکھا ہے اور انسان کے لاشعور میں سچائی کا جتنا مخفی عنصر موجود ہے اس کی موجودگی میں روئے زمین پر جادو کا علم چند سفلی قسم کے لوگوں کو چھوڑ کر کسی کے نزدیک بھی فضیلت کی وجہ نہ بن سکا۔ علم چاہے کسی قسم کا ہو۔ سائنس، فنِ طب، علمِ کلام، جغرافیہ، نفسیات علمِ نباتات، حیاتیات وغیرہ جتنے بھی علوم انسان نے آج تک

ایجاد کیے ہیں۔ اس میں خدائی رہنمائی سے اُسے خوب فضیلت حاصل رہی اور آج بھی کوئی قوم کسی علم میں آگے بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے تو یہ علم انسانی معاشرے میں ان کے لیے فضیلت اور بڑائی کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن جادو ٹونے، ٹوٹکے، چھوچھا، جنتر منتر، جھاڑ پھونک وغیرہ کا سفلی علم کبھی بھی انسانی دنیا میں علمی فضیلت کا معیار نہ بن سکا۔ اور عموماً اس طرح کے علوم کے ماہرین دنیا میں بھیک مانگنے والے مداریوں اور شعبدہ باز لوگوں کی سی ذلیل و خوار زندگی بسر کرتے آرہے ہیں۔ مگر انبیاء و رُسل کے منبروں پر بیٹھنے والے یہودی علماء نے علمِ کتاب چھوڑ کر علمِ سحر سیکھا۔ یہود کا رجحان جب جادو ٹونے کی طرف ہوا تو عام انسانی معاشرے میں پائے جانے والے سچائی کے وجدان کی نسبت سے ان کے سامنے یہ سوال بار بار آتا رہا کہ اہلِ کتاب ہو کر یہ کیا ڈھونگ رچا رہے ہو؟ دین و مذہب کی باتیں کرنے والے کتاب، وحی والہام کے علوم کا چرچا کرنے والے ہو کر جادو کے علوم سے دنیا فتح کرنے نکلے ہو اس طرح کی آوازیں یہود کے مذہبی تقدس کو اکثر چیلنج کرتی ہوئی سُننے میں آتیں اس موقع پر اُن مذہبی مداریوں نے ایک اور افسانہ گھڑ نکالا کہ حضرت سلیمانؑ کی ساری سلطنت جادو پر قائم تھی۔ اور اسی زمانے کے علوم ہمارے پاس ہیں۔ سلیمانؑ خدا کے پیغمبر تھے اور جادو کے علم سے سلیمانؑ کی پیغمبری میں کوئی نقص نہ آسکا تو ہم کو یہ علم سیکھنے سکھانے میں کس کی مجال ہے کہ ناجائز کہہ سکے۔ اس طرح خود اپنے کالے کرتوتوں کو چھپانے کے لیے بہت سے معاملات میں یہود نے اپنے نبیوں اور بڑے لوگوں کی زندگیوں کو بد اخلاقی کے تارکول سے سیاہ کر دیا تاکہ آئندہ نسل جب کوئی اعتراض کرے تو کہا جا سکے کہ جناب خدا کے بڑے

بڑے بزرگ بندے جب یہ کام کرتے تھے تو ہم تم کو کرنے میں کیا حرج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں حضرت سلیمانؑ کی حیاتِ طیبہ کو صاف طور پر الگ کر کے بتایا کہ جادو کفریہ علم ہے اور سلیمانؑ نے کبھی کفر نہیں کیا۔ البتہ جن و شیاطین اور انسان کا مِلا جلا معاشرہ پہلی بار حضرت سلیمانؑ کے دورِ اقتدار میں وجود میں آیا۔ اس وقت شیاطین اور جنات اور بعض خبیث انسان اپنی دھاک جمانے کو یہ چرچا کرتے کہ سلیمانؑ کو اتنی زبردست قوّت ہمارے جادو کے بل پر حاصل ہے۔ یاد رہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جس طرح انسانوں پر حکومت کی ہے اسی طرح جنات اور شیاطین پر بھی اور ہر ایک سے اس کی طاقت کی مناسبت سے آپ نے کام لیا ہے بعض شیاطین سے دیگیں بنواتے جو ہزاروں انسان مل کر نہ بنا سکیں بعض کو سمندر میں غوطے لگواتے، زنجیروں میں باندھ رکھتے اور ان سے بڑی بڑی عمارتیں بھی تعمیر کرواتے، اس طرح زمین پر ایک مرتبہ آدم کی فضیلت پھر قائم ہو گئی کہ خدا نے جو تسخیر کی طاقت انسان کو دی ہے اگر قدرت اس کا ساتھ دے تو وہ اس طاقت سے ساری مخلوق کو قابو میں کر سکتا ہے۔

دوسری بات بابل میں ہاروت و ماروت سے متعلق ہے۔ یہود کا بڑا گروہ بابل کی اسیری کے زمانے میں یہ علم سیکھنے لگا تھا۔ خود اہلِ کتاب تھے مگر کتاب کو جانتے نہیں تھے۔ بابل میں جادو کا اتنا زور تھا کہ کسی کی جوان بہو بیٹی کو اپنے ساتھ کر لینے میں بدکار لوگ اس علم کا استعمال کرتے۔ یہود اہلِ کتاب تھے۔ جادو کا ان پر جب وار ہوا تو گھبرا گئے۔ خدا کی کتاب جانتے نہیں تھے اور نہ اس کی طاقت سے واقف تھے۔ انھیں یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ جادو کا توڑ خود ہمارے پاس

کلامِ الٰہی ہیں بھی ہو سکتا ہے" لوہے کو لوہا کاٹے" کی کہاوت کے مطابق یہ بھی جادو سیکھنے کی طرف متوجہ ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے بروقت ان یہود کی رہنمائی کے لیے دو فرشتوں کو بھیج کر ایسا علم ان کے لیے بھیج دیا جو جادو کا توڑ تھا۔ اس طرح پوری قوم جادو کے اثر سے محفوظ ہو گئی مگر یہود نے اسی ہاروت اور ماروت والے علم کو دوسرے کی بہو بیٹیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں لگا دیا۔ اور اس طرح جادو کا توڑ کرنے والا علم ان یہود کے ہاتھوں پڑ کر غلط راہ میں استعمال ہونے لگا۔ دشمنوں کے شر سے حفاظت کے علم کو ان ظالموں نے گنڈے تعویذ اور دھاگے ڈورے میں سمو کر دوسروں کی بیویوں کو اپنے اوپر عاشق کرنے اور پرائی عورتوں سے آنکھ لڑانے میں لگا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حرکت پر انھیں سرزنش فرمائی، سلیمانؑ اور ہاروت و ماروت کو اس فعلِ قبیح سے بری قرار دیا۔

فنِ جادوگری میں یہود کی دلچسپی بابل کی اسیری کے دَور میں شروع ہوئی اور جادو میں جب ان لوگوں نے مقامی آبادی سے بھی زیادہ اُستادی دکھانی شروع کی تو حضرت مسیحؑ کے 538 سال قبل شہنشاہِ ایران نے یہودی جادوگروں کو ملک بدر کر دیا اور پھر جہاں بھی یہ یہودی جادوگر گئے، علمِ سحر کے تمام نکات عملیات کے طریقے نیز مشکل و جان لیوا تجربے کرا کے ہر ملک کے عوام کو علومِ سحر سے سرفراز فرما دیا۔ بائبل میں بھی ان کی جادوگری کا بیان ہے۔

" تیری جادوگری سے سب قومیں گمراہ ہوگئیں "

(مکاشفہ باب 18 آیت 23)

" انھوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو آگ پر جلوایا اور فال گیری سے

کام لیا، اور اپنے کو بیچ ڈالا تاکہ خداوند کی نظر میں بدی کر کے اسے غصہ دلائیں اس لیے خداوند اسرائیل سے بہت ناراض ہوا۔"

(سلاطین دوم باب 17 آیت 18-17)

یہودی کتب کے ان حوالوں سے ہی یہ ثابت ہوا کہ جادوگری کے سبب اللہ بنی اسرائیل پر ناراض ہوا۔ بابل سے اخراج کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک یہود نے علم سحر کو ایک قومی فن بنا دیا۔ اخلاق، دینیات، معیشت و امورِ سلطنت سے انھیں اب کوئی دلچسپی نہیں رہی۔

بعثتِ مسیحؑ کے وقت یہود رومی سلطنت کے غلام تھے اور اسی غلامانہ ذہنیت کی جادوگر قوم نے حضرت مسیحؑ کے معجزات کو جادو پر غالب دیکھا تو بگڑ گئی، اور قتلِ مسیحؑ کا پروانہ اپنے آقاؤں سے یعنی رومی عدالت سے لے آئے۔ اب کسی کو یہ سمجھنے میں کوئی دقّت نہ ہوگی کہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات تمام انبیاءؑ کے معجزات میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب تھے اور فنِ طب میں انسان کی ترقی کے آخری حدود کا تعین اور فنِ سحر میں جادوگری کے توڑ بہت ہی بر وقت تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ ایک جانب فنِ طب میں یونانیوں کا زور تھا، دوسری جانب فنِ سحر میں بنی اسرائیل دنیا کی امامت کر رہے تھے۔ ایسے موقع پر حضرت مسیحؑ کو دی گئی، نشانیاں موقع کی مناسبت سے نہایت ہی اہم رول ادا کرنے میں کامیاب تھیں۔ کوڑھیوں کو درست کر دینا۔ مادر زاد اندھوں کو بصیرت عطا کر دینا، گونگوں کو گویائی عطا کرنا، حتیٰ کہ باذنِ الٰہی مُردوں کو زندہ کر دینا۔ یہ معجزاتِ عیسوی اتنے زبردست تھے کہ یونانی فنِ طب مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور یونانی فنِ طب تو کیا آج کی ترقی یافتہ

ادویاتِ (PHARMACEUTICAL MEDICINES) اور سرجری SURGERY تک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور نہ آگے بھی کر سکیں گی۔ اسی طرح پاگلوں کو درست کر دینا، بدروحوں کو نکال باہر کرنا اور آسیب زدہ لوگوں کو چنگا کر دینے سے فنِ سحر کی کمر لوٹ کر رہ گئی۔

بعثتِ محمدیؐ کے وقت یہود جب حضورؐ کا مقابلہ دلائل سے نہ کر سکے تو خدا کے آخری نبیؐ پر بھی جادو کا وار کر ہی دیا۔ مگر یہاں کیا اثر ہونے والا تھا! قرآن پاک کی آخری دو سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ النّاس کا نزول ہوا اور رہتی دنیا تک مسلمانوں کے ہاتھ میں جادو کے توڑ کا قدرتی ہتھیار دیا گیا۔ اس طرح اِس علمِ سحر کو اَدھ مرا کر دیا گیا، جو تھوڑی بہت سانس اس میں باقی رہی وہ علوم وفنون میں انسان کی آج کی ترقی نے ختم کر دی اور اس سفلی علم سے بڑی حد تک ابناء آدم کو قریب قریب چھٹکارا مل گیا۔

مناسبتِ مضمون کے لحاظ سے ہم یہاں ایک بات مسلمانوں کے تعلق سے واضح کر دینا چاہیں گے۔ وہ یہ کہ ہماری شریعتِ حقّہ نے جادو ٹونے کو قطعاً حرام قرار دیا ہے اور اس سفلی علم کا شکار اگر کوئی ہو جائے تو اسے قرآنِ پاک کی آخری دو سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ النّاس کو یاد رکھنا چاہیے جو تمام قسم کے جنتر منتر نیز شیطانی وسوسوں کے مقابلہ میں خداوندِ قدوس کی قوّتِ قاہرہ کا ایک زبردست مظہر ہیں۔ کسی بھی شیطانی سازش کے مقابلے میں یہ دونوں سورتیں اہلِ ایمان کا ایک زبردست ہتھیار ہیں۔ اور کسی طرح کے جادو ٹونے سے انھیں ڈرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

---

# مجلسِ نبویؐ میں یہود کی لفظی خیانت

## اور پہلی جنگِ عظیم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْاط وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ○ (2 - البقرہ - 104)

"اے ایمان والو راعنا نہ کہا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا کہہ دیا کرو۔ اور بات کو دھیان سے سنو اور منکرینِ حق کو دردناک عذاب ہوگا"

سیّد عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارکہ میں مدینہ طیّبہ میں چاروناچار یہود بھی شرکت کرتے دورانِ تقریر حضورؐ سے کسی بات کی مزید تفصیل معلوم کرنے کے لیے "رَاعِنَا" کہتے۔ یہ لفظ عبرانی اور عربی دونوں زبانوں میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ مختلف معنیٰ میں بولا جاتا تھا۔ "رَاعِنَا" کے معنیٰ ہیں ہماری رعایت کیجیے۔ بات کو سمجھ لینے دیجیے۔ مگر یہود ازراہ شرارت اس لفظ کو زبان موڑ کر "رَاعِیْنَا" کہتے جس کے معنیٰ ہوتے ہیں "ہمارے چرواہے" اور عبرانی زبان میں اس طرح بولنے سے اس کے معنیٰ یوں ہوتے کہ سُن تو تو بہرا ہو جائیو۔ مجلسِ نبویؐ میں ان کی یہ شرارت صرف ان ہی کو معلوم تھی۔ اتنی خفیف سی حرکتِ حلقوم اور اس بے ادبی وگستاخی سے عام لوگ واقف نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے آدابِ مجلسِ نبویؐ میں یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ رَاعِنَا لفظ نہ کہا جائے بلکہ اگر اس طرح کلام کو سمجھنے میں کہیں

پوچھنا ضروری ہو تو اُنظُرنا کہہ دیا کرو۔ اور زیادہ مناسب تو یہی ہے کہ کلامِ الٰہی کو خدا کے نبی کی زبانِ مبارک سے سُنتے وقت خاموش رہا جائے، غور سے سماعت کرنے پر تمام باتیں ٹھیک طرح سے سمجھ میں آجائیں گی۔

مدینے کے یہودیوں کی عام روش تھی کہ دعوتِ حق کو قبول کرنے والے نومسلموں کو سوال میں سوال، مذہبی مناظرہ بازی اور ریب وتشکیک کا شکار بنا ڈالا جائے۔ عین موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرما کر ثابت کر دیا کہ حضورِ اکرمؐ پر قرآن کا نازل کرنے والا مخالفین کی زیرِ لب حرکتوں سے بھی واقف ہے۔ جبکہ خود حضورؐ اور آپؐ کے جاں نثار ساتھیوں کو یہود کی اس شرارت و مخفی بے ادبی کا پتہ نہیں تھا اور اس جرم و بے ادبی کا کوئی ظاہری ثبوت بھی نہیں تھا ورنہ ان منکرینِ حق کو عذابِ بعد الموت کے پہلے ہی اس دنیا میں اہلِ ایمان کے ہاتھوں عذاب کا مزہ چکھا دیا جاتا۔

اور آج بھی دنیا کی مجلسی زندگی میں یہود کی شرکت سے ان کی پُرانی عادت کا پتہ چلتا ہی رہتا ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو کون جُھٹلا سکتا ہے کہ پہلی جنگِ عظیم میں شرکت کا فیصلہ امریکی قوم نے مطلق نہیں کیا تھا۔ لیکن وہائٹ ہاؤس میں اُس وقت ایک بااثر یہودی شخصیت برنارڈ باروخ کی پہنچ صدر ولسن تک ہوگئی اور اس خائن یہودی نے زبان کو پیچ دینے کا کرتب صفحۂ قرطاس پر لا کر صدر ولسن کی بعض تقاریر میں لفظی تغیر کر کے کچھ کا کچھ کر دیا اس کی اسی حرکت سے امریکہ کو جنگ کی آگ میں کودنا پڑا۔

وارسا کانفرنس میں امریکہ اور چار بڑوں کی میٹنگ کا ڈرافٹ لفظی ہیرپھیر

سے یہودی سازش کا شکار ہوا اور مفتوح قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے بڑوں کی گفت گو سے ضبطِ تحریر میں آنے والا ریزولیشن ایک یہودی کی مکّاری کا شکار ہوا۔ ڈاکٹر ڈیلن اپنی کتاب "صلح کانفرنس"، میں عالمی سیاست کے ماہرین کے فیصلے کو لفظی تغیّر سے فاتح و مفتوح قوموں کے درمیان خلیج قائم کرنے کا مجرم یہودیوں کو قرار دیتا ہے۔

رَاعِنَا کو رَاعِیْنَا کر دینے والے اپنے اس کرتب سے دنیا کے انسانوں کو دکھی کرنے میں اب بھی بڑی خوبصورتی سے اپنا کام انجام دیئے جا رہے ہیں، مجلسِ نبوی میں یہود کی لفظی خیانت کی اطلاع قرآن نے بر وقت اور فوراً دے کر اہلِ مدینہ کو اُن کے فتنے سے آگاہ کر دیا۔ مگر امریکہ کی خفیہ پولیس جو عالم کی مانی ہوئی اور بہترین و جدید آلات سے لیس تنظیم ہے وہ بھی پہلی جنگِ عظیم میں امریکہ کی شرکت کی وجوہات سے لاعلم رہی۔ لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتر جانے کے بعد ڈاکٹر ڈیلن کی تحقیق سے پتہ چلا کہ یہود کے زبانی و قلمی کرتب سے ناواقفیت کی بناء پر امریکہ نادانستہ طور پر اِس جنگ میں کود پڑا۔ امریکہ میں جبرئیل تو آتے نہیں تھے کہ ان بے چاروں کو یہود کی لفظی شرارت کا پتہ چل سکتا۔ یہ فضیلت اور بزرگی تو اُن ہی کو حاصل ہے جن کی خدمت میں جبرئیل بذریعہ وحی مخفی شرارتوں تک کا پتہ دے جاتے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

---

# غیر ضروری سوالات

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَکُمْ کَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ○

( 2 - البقرة - 108 )

" اے ایمان والو! کیا تم اپنے رسول سے ایسے سوالات کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے قبل موسیٰؑ سے سوالات کیے جا چکے تھے اور جو کوئی ایمان کو بدل کر کفر کو اختیار کرے گا تو بلاشبہ وہ سیدھی راہ سے دور جا پڑا۔"

یہاں خطاب کا رُخ تمام تر اہلِ ایمان سے ہے کہ تم سوال در سوال کی عادت چھوڑ دو جس طرح دورِ موسیٰؑ میں اللہ کے کلیم پر یہود بار بار سوالات کی بوچھار کرتے تھے۔ مدینے کی مقامی آبادی میں مسلمان مبلّغین کا واسطہ یہود سے پڑتا تو یہ لوگ پچاسوں قسم کے اعتراضات کرتے۔ اس کا کچھ نہ کچھ حصّہ یہ مخلص مبلّغین آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کرتے تاکہ دعوتِ قرآنی کو عوام میں پیش کرتے وقت جو سوالات اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اُن کا تسلّی بخش جواب دیا جا سکے۔

لیکن اہلِ ایمان مخلص کارکنانِ دعوت کو یہ کہہ کر تنبیہہ کر دی گئی کہ یہ سوالات اسی نوعیت کے ہیں، جو حضرت موسیٰؑ کو پریشان کرنے کے لیے یہود کیا کرتے تھے۔

اور امر واقعہ بھی یہی تھا کہ یہودِ مدینہ شکوک و شبہات پیدا کرنے کی غرض سے قیل وقال کرتے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہِ راست کلام کیوں نہیں فرماتا۔ وحی کی کیفیت کیا ہے، اعمال کا وزن کس طرح ہوگا۔ ہبوطِ آدم کس طرح ہوا، عرش و کرسی کیا ہیں؟ وغیرہ۔ اس طرح انھیں کسی امرِ حق کی تلاش نہ تھی بلکہ محض عوام میں ریب و تشکیک کا مرض پیدا کرنے کی غرض سے الجھاؤ پیدا کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ اہلِ یونان اور رومی عوام کے عقائدِ باطلہ کو توریت کی چادر میں لپیٹ کر اہلِ مدینہ کو شہنشاہِ کائنات کے کلام سے بددِل کر دینا چاہتے تھے۔ پھر یہود کی اس حرکت سے عوام الناس میں باہم حجت اور مناظرہ بازی کا ایک ایسا ماحول پیدا ہونے کا امکان ہو چکا تھا جس کی وجہ سے اہلِ عرب خانہ جنگی میں مبتلا ہو جاتے اور یکسوئی سے اللہ کے نبی سے پیغامِ الٰہی سُننے کے بجائے ذہنی انارکی اور دماغی عیاشی کے دلدل میں جا گرتے اسی لیے نہ صرف یہ کہ اس موقع پر سوال در سوال اور بال کی کھال نکالنے سے منع فرمایا گیا بلکہ اب یہ فرمان جاری ہو گیا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ○ (5- المائدہ- 102-101)

"اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات مت کرو کہ اگر اُن کی حقیقت تم پر ظاہر کر دی جائے تو تمھیں ناگوار ہو۔ اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں تم اس طرح کے سوالات کرو گے تو تم پر

ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ اب تک خدا نے ایسے سوالات کے متعلق
در گذر ہی فرمایا ہے۔ اس لیے کہ وہ بڑا غفور اور رحیم ہے۔ تم سے پہلے
لوگوں نے اسی قسم کے سوالات کیے تھے پھر وہ لوگ انھیں سوالات کی
وجہ سے کفر میں مبتلا بھی ہو گئے"

ان آیات کے نزول کے بعد اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوری یکسوئی کے
ساتھ کلام الٰہی کی طرف متوجہ ہو گئے اور تمام غیر ضروری سوالات یک لخت بند
کر دیئے۔ کتابِ عزیز کی طرف صحابہ کی اسی توجہ سے تمام دینی و دنیاوی علوم میں ایمان
ویقین کا وہ بلند مرتبہ اُن کو حاصل ہوا جو رہتی دنیا تک کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔
کائنات کی ابتداء، (مادّہ، روح اور آدم) سے قبل کی مخلوق کون تھی
اور دیگر بہت سے مابعد الطبیعی امور میں ضرورت سے زیادہ بحث ومباحثہ کرنے
سے آدمی کے ارد گرد ریب و تذبذب کا ایسا جال تیار ہو جاتا ہے جس میں وہ متعلقہ
شخص خود ہی الجھ کر رہ جاتا ہے۔ اور دوسروں کو راہِ حق کی بات بتانے کے بجائے
اپنی سواء السبیل چھوڑ بیٹھتا ہے۔

اس حکمِ الٰہی کی قدر تو صرف انھیں لوگوں کو ہو سکتی ہے جو فلسفہ اور قیاس
وگمان کی سیکڑوں کتب میں الجھ کر حق کو نہ پا سکے بلکہ رہا سہا اطمینانِ قلب بھی
کھو چکے تھے لیکن جب کلام خداوندی اور صاحبِ قرآن کی تعلیم سے روشناس
ہوئے تو اپنا کھویا ہوا اطمینانِ قلب انھیں پھر حاصل ہو گیا۔ اور حق کی منزل
پوری طرح پالی۔

---

## یہود ونصاریٰ کا

# غلط پندارِ نجات اور ہم

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

(2 - البقرة -112-111)

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جنّت میں یہود ونصاریٰ کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہو سکے گا، یہ ان کی خیالی آرزو ہے۔ ان سے کہیے کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ کیوں نہیں، جنّت میں تو ہر وہ شخص جائے گا جو اپنی گردن اللہ کے لئے جھکا دے اور نیکی کرنے والا ہو۔ پس اس کا اجر اُس کے رب کے پاس جنّت ہی ہے۔ اور ایسے تمام لوگوں کو نہ کوئی خوف اور نہ کوئی غم ہو گا۔"

یہود کو بزرگ زادگی اور نسلی شرافت و قومی تعصّب کا روگ تو لگا ہی ہوا تھا مگر یہ چھوت کی بیماری عیسائیوں کو بھی ان کا مقابلہ کرتے ہوئے

لگ گئی یہ بھی یہود کے مقابلے میں اپنے گروہی نجات کا ڈھنڈورا پیٹنے لگے۔ عیسائی جب نہلے پر دہلا مار چکے تو حجاز میں ان کی زبانوں سے بھی اپنی نجات کے دعوے سُنے جانے لگے اس موقع پر اہلِ ایمان کو چاہیئے تھا کہ وہ بھی اپنی نجات کا دعویٰ کر بیٹھتے اور دوسرے تمام کو دوزخی قرار دیتے۔

مگر اللہ کے نبی کی موجودگی میں جس جماعت کی تشکیل ہو رہی تھی اُسے اس بیماری سے چوکنّا رہنے کی ہدایت کی گئی اور ساتھ ہی ساتھ یہود و نصاریٰ کے اس خیالی پلاؤ کا نمک نکال دیا گیا اور نجاتِ اُخروی و داخلۂ جنّت کا ایسا صحیح قانون بھی بتا دیا گیا جسے رہتی دنیا تک چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ جنّت میں تو وہ سبھی لوگ داخل ہوں گے جو اپنی گردن خدا کے آگے جُھکا چکے ہوں گے۔ اور اپنی عملی زندگی میں نیکوکار ہوں گے پھر چاہے وہ کسی بھی نسل، رنگ اور وطن سے تعلق رکھتے ہوں یا دنیا کی نظروں میں نہایت ہی ذلیل و بے وقعت ہی کیوں نہ سمجھے جاتے ہوں۔ اس کے بمقابل جن کی گردن خدا کے آگے نہیں جھکتی وہ آگ کی چھریوں سے ابدالآباد تک ذبح کیے جاتے رہیں گے۔ جنّت میں مفت کا داخلہ لینے کہاں چلے ہو؟۔

خیالی آرزوؤں اور تمنّاؤں سے کچھ بھی ہونے والا نہیں ہے، اس لیے اے ایمان والو! تم تو خدا کے سامنے اپنی گردن ڈال ہی دو۔ پھر تمھیں جنّت کے دعوے نہیں کرنے ہیں بلکہ یہ مقام تو تمھیں قانونِ خداوندی کے تحت مل ہی جائے گا، یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ فرمایا گیا ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ "گردن ڈالنا" کیا ہے۔ دینِ اسلام کی صحیح

تعریف یہی ہے کہ آدمی خدا کے سامنے اپنا سر جھکا دے تو مسلم ہوا اور اسلام لے آیا، ایسا مانا جائے گا۔ پھر بعد کی منزل میں اسے اعمالِ صالحہ کی ذمہ داری اللہ کی طرف سے دی گئی ہے۔

اس آیت کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں میں آپسی گروہ بندیاں اور نجات کی دعویداری ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ بھلے آدمی! تم تو خدا کی کتاب کے حامل ہو اور تمھاری وساطت سے اہلِ عالم کو صحیح طریقۂ زندگی دیا گیا۔ پھر یہ عجیب سی حرکت تمھارے اندر بھی ہوتی آرہی ہے کہ ہر گروہ دوسرے گروہ کو دوزخی قرار دیتا ہے، اور اپنی نجات کا پروانہ خود اپنے ہاتھ میں لیے پھرتا ہے۔

سچ ہے کہ یہود کی یہ خصلت اگر ہم اپنے اندر پیدا کرلیں گے تو اعمالِ صالحہ سے ذہن و جسم کو ایسی تکان محسوس ہوگی، جیسے ان یہود و نصاریٰ کو ہو چکی ہے۔ پھر آدمی بس خالی خولی تمنّا اور آرزو لیے بیٹھا رہے گا کہ میری نجات اور جنّت میں میرا داخل ہونا یقینی ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ مرنے کے بعد اگر ایمان اور حسنِ عمل ساتھ نہ ہوں گے تو زنجیروں میں جکڑ کر وہیں لے جایا جائے گا، جہاں خدا کے نافرمانوں کو ایک دن پہنچنا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے اور ہم سب کو ایمان اور حسنِ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

---

# یہود و نصاریٰ کے اختلاف میں ہمارا مقام

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ (2-البقرة-113)

"یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی راہ پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہود کے پاس کچھ نہیں - اور یہ دونوں فرقے کتاب بھی پڑھتے ہیں-اور اسی طرح سے وہ لوگ بھی اپنی بڑائی ہانکتے ہیں جنھیں کچھ بھی علم نہیں ہے ان تمام ٹولیوں کے درمیان اختلاف کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔"

ان آیات میں تین فرقوں کا بیان ہے جو ایک دوسرے کو غلط قرار دیتے تھے- ایک یہود، دوسرے عیسائی - یہ دونوں فرقے اہلِ کتاب تھے، بالترتیب ایک توریت کے حامل تو دوسرے انجیل کے، ایک تیسرا گروہ ان تمام

لوگوں پر مشتمل بتایا گیا جن کے پاس کتاب کا علم تو تھا نہیں بلکہ یونہی بے پر کی دین داری ہانکتے تھے، آج بھی مسلمانوں کو چھوڑ کر مذاہبِ عالم کا تجزیہ کیا جائے تو یہی تین گروہ بنتے نظر آتے ہیں۔

یہ تیسرا گروہ جس کے پاس علم نہیں ہے، سرے سے خارج از بحث ہے۔ رہے یہود و نصاریٰ، تو بنیادی طور پر قرآن کے نزدیک یہ غلط نہیں تھے بلکہ یہودیت اور نصرانیت کو ان لوگوں نے جس طرح سے مذہبی جتھے بندی کا قلعہ بنا کر ایک دوسرے پر وار کیے، اسے غلط قرار دیا گیا اور انھیں اسی دینِ حنیف کی دعوت دی گئی جس سے اعراض کر کے یہ دونوں گروہ وجود میں آئے تھے، اصل جڑ تو ملّتِ ابراہیمیؑ ہے۔ یہودیت و نصرانیت تو بعد کی پیداوار ہیں۔

جب توریت کے احکامات میں ہیر پھیر کر دی گئی تو یہودیت وجود میں آئی، اور اس ہیرا پھیری کی اصلاح کے لیے سیدنا مسیح علیہ السّلام بھیجے گئے تاکہ یہودی بن جانے والے لوگوں کو از سرِ نو دینِ ابراہیمؑ پر قائم کر کے مسلم حنیف بنایا جا سکے۔ حضرت مسیحؑ نے انجیل مقدس خدا کی طرف سے پیش کی اور آپ کی دعوت پر جو جماعت تشکیل پائی، وہ بھی جماعت المسلمین ہی تھی مگر اُن میں جب بگاڑ آیا تو دعوتِ مسیحؑ کے مخاطب مسلم نہ ہو کر صرف نصاریٰ بن کر رہ گئے، یہی دونوں بگڑے ہوئے گروہ جب آپس میں مدّمقابل ہوئے تو ایک دوسرے کی مذہبی بنیادوں تک کی بے حرمتی کرنے پر آمادہ ہو گئے اور ان ہی کی آپسی مارا ماری اور تشدد سے دینِ ابراہیمی مجروح ہوتا رہا۔

لیکن جب عیسوی 610 سے 633 تک تنزیلِ قرآن پاک پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تو اس کتابِ الٰہی کے خطوط پر جو جماعت حقّہ وجود میں آئی وہ نہ یہودی تھی نہ نصرانی۔ نہ موسیٰؑ کی منکر تھی نہ عیسیٰؑ کی منکر تھی، نہ توریت کو رد کرتی تھی اور نہ انجیل کا انکار کرتی تھی، بلکہ تمام انبیاء و مرسلین اور تمام کتبِ آسمانی کو اللہ کی کتاب تسلیم کرکے پھر اسی ملّتِ ابراہیمؑ پر قائم ہوئی جسے مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ کہا گیا۔

ایک یہودی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السّلام کا انکار کرکے بھی یہودی بنا رہے گا۔ لیکن اگر اسی قسم کی ذرا سی بھی کوئی حرکت کسی مسلم نے کی تو باوجودیکہ وہ قرآن اور صاحبِ قرآن جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لاکھ مانتا ہو، شریعتِ اسلامی اسے کبھی مسلمان تسلیم نہیں کرے گی۔ یہ اس لیے کہ اللہ کے کسی نبی کی تکذیب کے بعد آدمی کا ایمان ہمارے دین میں تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ، مسلمان وہ ہے جو خدا کے پیغمبروں کے درمیان تفریق نہیں کرے گا اور سب کو مانے گا۔ البتہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بعد انھیں خدا کا بیٹا قرار دیا اور بہت سی کفریہ بدعات ایجاد کرلیں، ان کی تکذیب ہم ضرور کرتے ہیں۔ خدا کو ہم بیوی، بچے، خاندان و سسرال والا نہیں مانتے۔ اس طرح کی گستاخی کو ہم نے ربِّ کائنات کے لیے کبھی برداشت نہیں کیا اور نہ کریں گے۔

اسی طرح سے عیسائی یہودیوں کو لے بنیاد کہہ کر اور قرآن و حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا انکار کرکے بھی عیسائی رہ سکتے ہیں لیکن مسلمان

نہ تو توریت کا انکار کرسکتا ہے اور نہ حضرت موسیٰؑ کی نبوّت کا اسی طرح انجیل اور حضرت عیسیٰؑ کے انکاری ہونے پر اُس کی اسلامیت بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ اس وقت توریت وانجیل جو یہود ونصاریٰ کے پاس ہے جس میں خدا کے کلام کے ساتھ ان کی اپنی تاریخی و دیگر حکایات بھی شامل ہیں، ہم ان پر عمل پیرا نہیں ہوسکتے۔

اس حقیقت سے یہود ونصاریٰ کو بھی انکار نہیں ہے کہ ان کی دونوں کتبِ مقدّسہ میں کمی وبیشی، نیز اُن کی قومی تاریخ، علوم فلسفہ، تذکرہ سلاطین و مبلّغین بھی اصل کلام الٰہی کے ساتھ شامل کر دیئے گئے ہیں اور بہت سی چیزیں حسبِ منشا نکال ڈالی گئی ہیں۔ اسی بنا پر ہم توریت وانجیل کو غیر تحریف شدہ نہیں کہہ سکتے، بلکہ ہمیں یقین ہے کہ ان میں اصل کلامِ الٰہی اب بھی شامل ہے۔

سوال ان کتابوں کو ردّ کرنے کا نہیں اور نہ ہی عیسیٰؑ و موسیٰؑ کو ردّ کرنے کا ہے بلکہ ان شکلوں کا ہے جو بعد میں ردّوبدل کر کے وجود میں لائی گئیں۔

اس بحث کو تسلیم کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنی اصل حیثیت کی طرف لوٹیں اور اسی دینِ حق کو قبول کریں جو اُن کا اپنا دین ہے۔ یعنی ملّتِ ابراہیمی۔ اس دین کو قبول کرنے والا اگر یہودی ہے تو وہ موسیٰؑ کو بھی یہیں پائے گا۔ عیسائی ہے تو عیسیٰؑ کو بھی پالے گا۔ یہاں سب کی تصدیق ہے کسی کی تکذیب روا نہیں، جسے اصل پر آنا ہے وہ آئے اور اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبّیک کہے، ورنہ انتظار

کرے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خود ہی فیصلہ فرما دے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا تھا؟

تیسرا طبقہ جو علم کتاب نہیں رکھتا اس سے تو بحث ہی فضول ہے۔ سوال تو پہلے اہلِ کتاب کے ایک ہونے کا ہے۔ اس ضمن میں یہ بتا دینا بھی مناسب ہوگا کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے کبھی بھی بغض و کینہ نہیں رکھا۔ بلکہ یہ یہود جب ٹھکانے کے یہود تھے اور یہ عیسائی کسی درجہ میں بھی اپنے دین پر قائم تھے، تب ان کی لڑکیوں کو رشتۂ نکاح میں باندھنے کی اجازت بھی ہمیں تھی۔ گو پھر وہ دوسرے غیر اہلِ کتاب کی مانند ہونے لگے تو اِن باتوں کا سوال ہی کیا باقی رہتا ہے؟ ہمارا غیر متعصّب ہونا اس دلیل سے عیاں ہے کہ قرآن اور خدا کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیت نصرانیت اور اصل دین "ملّتِ ابراہیمؑ" کے فاصلے کم کیے اور انھیں اصل کی طرف دعوت دے کر وہ کارنامہ انجام دیا ہے جو مذاہبِ عالم کی صدارت کرنے والی ہستی کے شایانِ شان ہے۔

---

# یہود کی حمایت میں
# قرآن کا ایک بیان

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○

(2 - البقرہ - 114)

"اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کیا اور مسجدیں اُجاڑنے کے لئے دوڑا ہو، ایسے لوگوں کو حق نہیں پہنچتا کہ اس میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ ان لوگوں کو دنیا میں بھی ذلت ملے گی اور آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب۔"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ہم حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ "موضح القرآن" سے جوں کا توں ذیل میں درج کرتے ہیں

تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ حضرت فرماتے ہیں:

"انھوں نے حضرت عیسیٰؑ سے دشمنی کی اور ہم نے ان کو مانا۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب نصاریٰ نے غلبہ پایا تو مسجد بیت المقدس کو ویران کیا۔ اور یہود کی مسجدیں اجاڑیں یہود کی ضد سے، یہ کیا انصاف ہے کہ آدمیوں کی ضد سے اللہ کی مسجدیں ویران کریں اور فرماتا ہے کہ یہ بھی لائق نہیں کہ یہ لوگ اس ملک میں حاکم بن کر رہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے وہ ملکِ شام مسلمانوں کے ہاتھ لگایا"

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی مخلوق کا نہیں۔ اسی لیے دوست و دشمن سب کے ساتھ انصاف کرتا ہے، یہود کی اب تک کی تاریخ جو قرآن نے بیان کی ہے، اسے دیکھتے ہوئے یہود کی طرف داری کوئی آدمی نہیں کر سکتا۔ یہاں تو یہود کے دشمن نصاریٰ کی خبر لی گئی ہے اور انھیں ان کے غلط کام پر ظالم کہا گیا۔ ورنہ دنیا کی مکّارانہ سیاست میں آج بھی دشمن کا دشمن دوست سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور نکلا اور جی ہاں ایک اور دلیل ہاتھ آگئی کہ قرآن کا نازل کرنے والا اظہارِ ناراضگی کے وقت بنی آدم کی طرح تعصّب نہیں رکھتا ورنہ اپنے دشمن کے دشمن کو اس کے ظلم پر متنبہ کرنا اور اپنے دشمن کے مخالف کو، بجائے دوست بنانے کے ناحق فعل پر اسے قابلِ ملامت قرار دینا کسی مفاد پرست شخصیت کا کام نہیں۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ ربّ العالمین کی شانِ عدل بھی کیا خوب ہے۔

سلاطینِ روم کے عروج کا زمانہ تھا۔ ان ہی میں ٹائیٹس (TITUS)

نامی بادشاہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوا - اور نہ صرف بیت المقدس میں یہود کے عبادت خانے اجاڑے بلکہ خوب توڑ پھوڑ کی اور توراۃ تک کو جلا ڈالا، اور اپنے دورِ اقتدار میں مسجدِ بیت المقدس میں آنے اور خدا کی عبادت سے یہودیوں کو روک دیا - نزولِ قرآن کے ایام میں اس واقعہ کی تذکیر سے یہود کو بڑی بسکی ہوتی جب مسیحی انھیں منھ چڑاتے اور اس واقعہ کو خود اپنی بڑائی اور طاقت کا سبب بتاتے، حالانکہ رومی سلطنت کے اس فعلِ خبیث سے عیسائیوں کو خوش ہونے کی کوئی شرعی وجہ نہیں تھی لیکن محض یہود کی ضد سے وہ تالیاں پیٹ کر مسرّت کا اظہار کرتے قرآن نے ان ہی واقعات کو یاد دلا کر انھیں شرم دلائی اور ظالم کہا ہے -

ایسے موقع پر مسیحی عوام کو اپنی طرف راغب کر کے یہود کو مزید احساسِ کمتری کا شکار بنایا جا سکتا تھا - لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہود کی طرف داری کی بلکہ ان کے خلاف پرچار کرنے والے عیسائیوں کو کہہ دیا کہ تمھیں بیت المقدس میں حاکم و متولی ہو کر داخلے کا حق ہی کب تھا؟ تمھیں اور ایسے تمام لوگوں کو جو اللہ کے گھر کی بے ادبی اپنے دورِ اقتدار میں کر چکے ہوں، ڈرتے ڈرتے مسجد میں عبادت کر کے چپ چاپ چلتے بننا چاہیے - تولیت اور حاکمیت کیسی ؟

ان کے اقتدار اور تولیت کے حقوق کو ساقط قرار دے کر انھیں بھی اللہ کے گھر میں ذکر اللہ کی اجازت دے دی اسے کہتے ہیں کھرا کھرا انصاف کہ کہیں بھی ظاہر تو کیا مخفی اشارہ تک عدل کے خلاف نہ مل پایا - یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار اور تولیتِ اقتدار اور تولیتِ مسجد اقصیٰ میں کبھی بھی یہود و نصاریٰ کو اس عبادت گاہ میں آنے سے نہیں روکا -

یہ سطور 1969ء میں لکھی جارہی ہیں، جون 1967ء میں یہود نے حملہ آور ہوکر رومی شہنشاہ ٹائیٹس (TITUS) سے بھی پچاس گنا زیادہ ظالم بن کر بیت المقدس پر غاصبانہ قبضہ جمالیا، اس ظلم کو سو گنا کرنے کے لیۓ اگست 1969ء میں مسجدِ اقصیٰ میں آگ لگادی۔ توبہ توبہ کیسی نمک حرامی کی اس ظالم قوم نے اپنے خدا کے مقابل کہ اس کی عبادت گاہ کا بھی کوئی پاس وادب نہ رکھا۔ اور مسلمانوں کی ضد میں اپنی ناک بھی کٹوالی۔ آخر یہود کا تعلق بھی مسجدِ اقصیٰ سے تھا ہی، مگر رومیوں کی پیروی میں اور آج کے دورِ الحاد میں یہ بات انھیں کہاں یاد رہی ہوگی۔

یہی بیت المقدس ہے کہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کو یہاں کے پادریوں نے خود ہی دعوت دی اور اس قبلۂ اول کی کنجیاں خلیفۂ ثانی کے حوالے کردیں تاکہ مسلمان اپنی ایمانی، اخلاقی و مادّی طاقت کے ذریعہ اس مقدّس مقام کی حفاظت کریں اور ملّتِ ابراہیمی کی دونوں شاخوں یعنی یہود و عیسائی اور خود ملّتِ ابراہیمی کے محافظ مسلمانوں کے لیے یکساں طور پر اس کے دروازے کھول دیں، مسلمانوں نے مسجدِ اقصیٰ کو عام شہروں کی طرح قوّتِ بازو سے نہیں لیا بلکہ وقت کی یہودیت و نصرانیت نے تاریخ میں پہلی بار ایک عمدہ فیصلہ کرکے اس کی عظمت کے پیشِ نظر اُس کے حقیقی متولی کو دعوت دے کر اُس کے حوالے کردیا۔ تب سے یہ مسجد نصاریٰ و یہود اور مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہ بنی رہی اور مسلمان اپنی آنکھوں کی پلکوں سے معراجِ نبویؐ کے نقوش کی جاروب کشی کرتے رہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کا زوال شروع ہوا، اور صلیبی فاتحوں نے جب اس مقام پر قبضہ کیا تو پھر یہود اور مسلمانوں کے آثار مٹانے کی ناپاک کوشش کی لیکن صلاح الدّین ایوبی نے ان ظالموں کی سرکوبی کی اور تب سے جون 1967ء تک یہ متبرک مقام برابر مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس دور میں تمام یہود و نصارٰی کو یہ حقوق حاصل تھے کہ وہ اس مقام مقدّس کی زیارت کو آئیں اور اپنے اپنے طریقے پر خدا کا نام لیں لیکن جون 1967ء میں جب یہودیوں کا قبضہ ہوا تو باہر سے کسی مسلمان اور عیسائی کو انھوں نے اس مقدّس مقام پر عبادت کے لیے آنے نہیں دیا۔ تاریخ اپنے آپ کو ضرور دہرائے گی۔ یہود اس مقام پر قابض نہ رہ سکیں گے، انشاءاللہ تعالیٰ جب ہم مسلمان اپنے رب سے ان گناہوں کو معاف کرا چکے ہوں گے جس کے سبب قبلۂ اوّل ہم سے چھین لیا گیا، تب پھر یہود کا قبضہ اس مقام پر نہیں رہ سکے گا۔ اس میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ کسی مومن کو ہرگز نہیں۔

اے امّتِ محمدیہ تم بھی اس آیت کی روشنی میں اپنا رویہ متعین کرلو کہ آپسی مارا ماری میں مسلک کے اختلاف کے سبب کسی شیعہ وسنّی کسی وہابی ومقلّد، کسی بریلوی ودیوبندی کو خدا کے گھر میں عبادت کرنے سے منع نہ کروگے۔ تم اس رحمۃ للعٰلمین کی اُمّت ہو جو نجران کی عیسائی جمہوریت کے وفد کو بطور مہمان کاشانۂ نبوّت میں جگہ دیتا ہے۔ اور جب ان عیسائیوں کی نماز کا وقت آتا ہے تو انھیں مسجدِ نبویؐ میں خدا کی عبادت کے لیے اجازت دیتا ہے۔ اسی نبیؐ کے ماننے والے ہو کر کسی کلمہ گو کو خدا کی عبادت کرنے سے ہرگز نہ روکو آج اپنی مساجد کے دروازے ہر فرقے کے مسلمانوں کے لیے کھول دو۔ خدا تمھارا بھی سینہ کشادہ کردے گا۔

---

# ملّتِ یہود کے عزائم

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

(2-البقرۃ-120)

"تم سے یہودی کبھی راضی نہ ہوں گے اور نہ نصرانی ہی خوش ہوں گے اس وقت تک جب تک تم ان کی ملّت کی پیروی نہ اختیار کرلو۔ صاف کہہ دو کہ ہدایت کا راستہ وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔ اور اگر اے نبیؐ تم علم آجانے کے بعد اُن کی خواہشات کا اتّباع کروگے تو خدا کی گرفت کے مقابلے میں تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔"

یہود کا تصوّرِ دین اتنا متعصّب تھا کہ جب تک کوئی ان کی ملّتِ یہود کی پیروی نہ کرے تب تک وہ غیر یہود سے راضی نہ ہو سکتے تھے۔ اس کی جوابی و منطقی کارروائی نصاریٰ کی طرف سے بھی ویسی ہی کی گئی کہ جب تک کوئی ان کی ملّت کی اتّباع نہ کرے وہ خوش نہیں ہوسکتے۔ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ یہودیت اور نصرانیت دراصل ملّتِ ابراہیمی میں بگاڑ کے نشانات تھے۔ فی الواقع یہ کوئی مذہب نہیں رہ گئے تھے بلکہ توریت اور انجیل کے

احکامات کو پسِ پشت ڈال کر ٹولی بازی سے یہ گروہ وجود میں آئے۔

یہاں نبی آخر الزماں سے کہا گیا کہ یہود و نصاریٰ کا برسرِ حق ہونے کا دعویٰ ہمارے نزدیک سرے سے ناقابلِ سماعت ہے۔ اس لیے ان کی رضا طلبی کی کوئی کوشش آپ کریں گے تو ایک طرف تو ہم ناراض ہوں گے، دوسری طرف یہ بھی آپؐ سے خوش نہ ہوں گے بلکہ انھیں راضی کرنے کے لیے تو آپؐ کو خدا کی راہِ ہدایت چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی ملّت اختیار کرنی ہوگی۔ اور یہ آپؐ کی شانِ رسالت کے قطعاً خلاف ہے۔

اس حکم سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ حضورؐ ان کی رضا جوئی کے لیے کچھ مداہنت برتنا چاہتے ہوں گے، بلکہ حقیقت دراصل یہ تھی کہ عام مسلمانوں کو نبیؐ سے خطاب کرتے ہوئے یہ حکم دیا گیا کہ تم ان یہود و نصاریٰ کو راضی کرنے کی فکر چھوڑ دو۔ جب تک تم بھی ان ہی کی طرح خدا کے دین میں اضطراب و شک میں پڑ کر بے راہ نہ ہو جاؤ گے تب تک وہ تم سے راضی نہیں ہو سکتے۔ اس لیے انھیں تو ان کے حال پر چھوڑ کر اُس راہِ ہدایت پر چل پڑو جو اللہ نے تم پر واضح فرما دی ہے۔ ورنہ یاد رکھو کہ خدا کو ناراض کر کے تم کسی اور ولی و ناصر کا سہارا لے کر اس کے غضب سے محفوظ نہ رہ سکو گے۔

دینِ ابراہیمی کے جسدِ ملّی میں جو بیماری بنی اسرائیل کے دورِ امامت میں ان کی جاہلیت کی وجہ سے لگ چکی ہے وہ بذاتِ خود یہودیت ہے۔ یہودیت کوئی مذہب نہ ہو کر صرف ملّتِ ابراہیمی کے مرض کا پتہ بتانے والی ایک علامت تھی جس طرح جسم کی اندرونی خرابی کا پتہ دینے کے لیے جلد کی سطح پر پھوڑے ابھر

آتے ہیں۔ انھیں جسم کی اصل نہیں قرار دیا جاسکتا ٹھیک یہی حیثیت نصرانیت کی ہے کہ ایک مقدّس نبی کو اللہ کا بیٹا بنا دیا گیا۔ اور حضرت مسیحؑ کی والدہ محترمہ صدّیقہ حضرت مریمؑ کے متعلق عقائد میں غلو کرکے نصرانیت کا ظہور ہوا تو یہ کوئی مذہب یا ملّت کا ظہور یا عروج نہیں تھا بلکہ ملّتِ ابراہیمی کے اساسی اور بنیادی عقائد کی چوکھٹ میں کیل ٹھونکی گئی اس کیل کو ملّت کیسے کہا جاسکتا ہے؟ پھر یہ لوگ اپنے آپ کو ملّتِ ابراہیمی کا جزو بتاتے تب بھی بات کچھ ٹھکانے کی ہوتی۔ یہاں تو دعویٰ ہی از خود ملّت ہونے کا ہے اور وہ بھی ملّتِ واحدہ نہیں بلکہ دو دو ملّتوں کا ہے جو کسی طرح بھی انصاف کی عدالت میں تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

پھر اس مریضانہ طرزِ فکر کے حامل یہود اور نصاریٰ کی رضا جوئی کے لیے ہم اپنی کسی ملّی اساس میں تبدیلی کو کیوں گوارا کریں؟ جو حق اور ہدایت کی راہ ہمارے رب نے بتائی ہے اس پر چل کر رب العالمین کے حضور پہنچ جائیں۔ چاہے یہود و نصاریٰ ہمارے ساتھ چلیں یا نہ چلیں اس کی پرواہ ہمیں مطلق نہیں کرنی چاہیے۔ یہی کچھ اشارات اس آیت کے شانِ نزول کے اسباب میں بتائے گئے ہیں ——— ہمارے دینی و سیاسی زوال میں بڑا دخل اس بات کا بھی ہے کہ پچھلے ڈیڑھ سو سال کی مدّت میں یہود و نصاریٰ کی تہذیب و تمدّن، معاشرت معیشت و سیاست سے ہم صرف مرعوب نہیں رہے بلکہ ان بگڑی ہوئی ملّتوں کی نقّالی سے بہروپیئے بن گئے اور اہلِ مغرب کی پیروی سے اپنی اسلامیت کا جوہر بھی کھو بیٹھے۔ آج مشرقِ وسطیٰ میں شکست اسلام کو نہیں ہوئی بلکہ یہود و نصاریٰ کی نقل کرنے والی اُمتِ مسلمہ کو گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ جبکہ اسلام اور خالص اسلام ابھی

میدان میں اُتارا جانا باقی ہے۔

خدا کرے فرزندانِ توحید اب ہر معاملہ میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت چھوڑ دیں اور جو کچھ کریں، خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کے ماتحت کریں، اور صرف اپنے قدموں پر کھڑے ہو جائیں۔

# وعدۂ امامت

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ○

(2 - البقرة - 124)

"جب آزمایا ابراہیمؑ کو اس کے رب نے بہت سی باتوں میں پھر وہ ان تمام آزمائشوں میں پورا اُتر گیا۔ تب اللہ نے فرمایا کہ میں تجھ کو لوگوں کا امام بنا دوں گا۔ ابراہیمؑ عرض کرنے لگے کہ کیا یہ وعدہ میری اولاد سے بھی ہے؟ رب نے فرمایا کہ میرا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہے"

بنی اسرائیل اس پر بہت مغرور تھے کہ وہ اولادِ ابراہیمؑ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ نبوّت و امامت ابراہیمؑ کی اولاد میں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غرور کا سر نیچا کر دیا۔ اور منصبِ امامت سے متعلق وعدے کا تذکرہ کرتے ہوئے صاف صاف فرما دیا کہ ابراہیمؑ کے اس سوال پر ہم نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ تمھاری اولاد میں ان لوگوں سے میرا وعدہ ہے جو ظالم نہیں ہوں گے۔

قرآن مجید میں ظالم اور ظلم کے متعلق بہت کچھ ارشادات ہیں اگر انھیں ایک جگہ جمع کر کے بیک وقت تمام مقامات پر نظر ڈالی جائے تو جامع طور پر ایک

بات نکھر کر سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ شرک ہی سب سے بڑا ظلم ہے۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○

"بے شک شرک ہی سب سے بڑا ظلم ہے۔"

ملّتِ ابراہیمؑ کے افراد جب توحید کو چھوڑ کر مشرکانہ عقائد میں گرفتار ہوئے تو اُن کے جدِّ امجد سے کیا ہوا خدا کا وعدہ ایسے ناخلف لوگوں پر بھلا کیسے پورا ہو سکتا ہے، بلکہ ایسے لوگوں کو امامت و پیشوائی، سرداری و سیادت پر باقی رکھنے کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

باقاعدہ طور پر جب اللہ تعالیٰ نے یہود کو منصبِ امامت سے ہٹا کر اُمّتِ مسلمہ کو اِس منصب پر قائم فرمایا تو فتح و نصرت کے وعدے بھی اب اسی کے لیے ہیں۔

لیکن جب ہم بھی اپنے اصلی مشن کو چھوڑ کر غیر دینی حرکتیں کرنے لگے تو خدا کی نصرت کا ہاتھ ہم سے اُٹھ گیا۔ خدائی وعدے شرطوں کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔ جب ان شرطوں کو یہود نے پورا نہ کیا تو اُن کی چودھراہٹ کے خاتمے کا اعلانِ خداوندی ہو گیا۔ اب اس دور میں ہمارا بھی یہی حال ہے۔ ہمارے رب نے اور ہمارے رسولؐ نے ہم سے جو وعدے کیے ہیں وہ اسی وقت پورے ہوں گے جب ہم ظلمِ عظیم کو ترک کرنے کی ٹھان لیں گے۔

اے اللہ! تو اُمّتِ مسلمہ کے حال پر توجہ فرما۔ تو ہی سب سے بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔ آمین۔

---

# معمارِ کعبہ اور اُمّتِ مسلمہ

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ (2-البقرۃ-128-127)

"اور یاد کرو اس وقت کو جب اُٹھا رہے تھے ابراہیمؑ دیواریں خانۂ کعبہ کی اور اسماعیلؑ بھی تو یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ اے ہمارے رب ! ہماری اس کوشش کو قبول فرما ۔ بلاشبہ تو ہی خوب سُننے والا اور جاننے والا ہے ۔ اے ہمارے رب ہم دونوں کو تیرا مسلم بنا دے ۔ اور ہماری اولاد میں بھی ایک اُمّتِ مسلمہ تیرے کام کے لئے کھڑی کر دے ، اور تیری بندگی ہم کس طرح انجام دیں اس کا بھی طریقہ ہمیں بتا دے اور ہمارے حال پر توجہ فرما ۔ بے شک تو ہی توجہ فرمانے والا اور مہربانی فرمانے والا ہے ۔"

خدا پرستوں کا قبلہ اور توحید کا مظہرِ اعظم اللہ کا وہ گھر ہے جسے طوفانِ نوحؑ کے بعد پہلی بار حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ساتھ لے کر دورِ آدم سے رکھی رکھائی بنیادوں پر تعمیر کیا ۔

کام میں تسلسل کسی ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ کا دیر تک سبب نہ

بن سکے۔ اس لیے جب مزدور کام کرتے ہیں تو اکثر زبان سے کچھ نہ کچھ کلمات ادا کرتے رہتے ہیں، اللہ کے گھر کے معمار اپنی زبانِ مبارک سے ربِّ کعبہ سے دعا گو ہیں کہ ہم دونوں کو مسلم بنا دے اور ہماری اولاد میں ایک جماعت کو کھڑی کر جو امّتِ مسلمہ ہو۔

جب توحید کا دائرہ شخصی اور انفرادی سے جماعتی ہونے کا وقت آجائے تو ہماری اولاد کو اس کے لئے پسند فرما اور ہماری اس مسلمانی کو اُمّتِ مسلمہ کی غیر متزلزل بنیادوں پر تیرے لیے اور محض تیرے لیے کھڑی کر دے۔

دُعاءِ ابراہیمؑ میں لفظ "مُسلِمَینِ" اور امّتِ مسلمہ کی تکرار سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کا مشن یہودیت اور نصرانیت نہیں تھا بلکہ اسلام اور خالص اسلام تھا۔

مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ ط هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۵

(22 - الحج - 78)

"تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملّت پر قائم رہو اور اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے"

مسلم نام ہے ہر اُس شخص کا جو رب العالمین کے سامنے گردن ڈال دے اور تابع فرمانی کا رویہ اختیار کرے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لیے بھی دعا کی کہ مجھے مسلم بنا دے اور تمام اہلِ توحید کے لیے اس نام کو دنیا میں جاری اور ساری کر دیا۔

یاد رہے کہ کسی بھی نبی کے ابتدائی پیروکار ہمیشہ سے کتبِ سماویہ میں مسلم ہی کہلائے۔ مگر آگے جب ان کی اسلامیت میں بگاڑ آیا تو پھر ہر ایک نے اپنے باپ کا رکھا ہوا نام بدل کر الگ الگ نام سے جماعت سازی شروع کر دی اور ملّتِ اسلامی سے اپنا رشتہ کاٹ کر کوئی یہودی ہوا کوئی نصرانی۔ کوئی مجوسی ہوا کوئی صابی۔ اور کچھ نہ ہو سکا تو پھر احمقانہ مذہبی چکر میں مشرک ضرور ہو گیا۔

# دُعائے خلیلؑ کا ظہور اور بعثتِ محمدیؐ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (2-البقرہ-129)

"اے ہمارے پروردگار اٹھا کھڑا کر (بھیج دے) ان میں سے ایک رسول ایسا جو انھیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انھیں کتاب و دانائی کی تعلیم دے اور انھیں صاف ستھرا کر دیوے۔ یقیناً تو بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیمؑ کی ایک خاص الخاص دعا کا تذکرہ ہے۔ الفاظ کو سرسری طور پر پڑھنے والا بھی سمجھ لے گا ایک عظیم اور صاحبِ کتاب و حکمت نبی کی بعثت میری اولاد میں ہو" یہ تمنّا لے کر خدا کا خلیل بارگاہِ ربّ العزت میں ہاتھ پھیلا کر دعا گو ہے۔ اس دعا کو آنجنابؑ کی دوسری دعاؤں کی طرح ربِّ اکبر نے شرفِ قبولیت بخشا۔ البتہ ہر شئی کا ایک وقت مقرر ہے۔ اللہ کے خلیلؑ کی یہ دعا ظاہری شکل میں اس وقت سو فیصد ظہور میں آئی جب سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری ہوئی۔ آپؑ ہی کی یہ دعا تھی کہ نبی آخر الزماں میری اولاد میں ہوں، اور دعائے خلیلؑ مستجاب ہو کر ظہورِ محمدیؐ میں متشکل ہوئی۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے صاحبزادوں میں حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہم السّلام کو منصبِ نبوّت پر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ دعوتِ توحید کا سلسلہ منظم طور پر اپنی زندگی میں جاری فرما گئے۔ لیکن پھر بھی سلسلۂ انبیاء تو کبھی نہ کبھی موقوف ہونا ہی تھا۔

اسی لیے دعا میں آخری نبیؐ کے ظہور اور بعثت کی درخواست کر دی کہ جب تمام نبیوں کا نبی بھیجنا ہو تو یہ شرف بھی میری اولاد کو عطا کیا جائے۔

حدیثِ صحیح میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا کا ظہور ہوں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

کیا یہود کیا نصاریٰ سب ہی حضرت ابراہیم کو اپنا پیشوا مانتے ہیں، مسلمان بھی اپنا پیغمبر اور روحانی باپ نیز خدا کا خلیل اور مسلم حنیف مانتے ہیں۔ آپ ہی کی دعا کا جب ظہور ہوا تو تمام اہلِ کتاب پر لازم تھا کہ وہ حضورؐ پر ایمان لے آتے مگر جس کے نصیب میں لکھا تھا وہی ایمان کی بیش بہا دولت سے مالا مال ہوا۔

کسی کو یہ اشکال ہو کہ ہم اس دعا کا ظہور حضرت محمدؐ کو ہی کیوں مانیں؟ تو ہم عرض کریں گے کہ خدا کے نبی تسلیم کرنے اور جانچنے کے جتنے بھی اصول اور طریقے ہو سکتے ہیں، تمام استعمال میں لانے کے بعد اور کتبِ سابقہ نیز عقل و فہم کی روشنی میں خوب اچھی طرح دیکھ بھال کر اگر کسی شخصیت کو خدا کا آخری نبی مانا جا سکتا ہے تو وہ صرف صاحبِ قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی ہے۔ یہودیا کسی اور بد نصیب کو ضد اور تعصّب کی بنا پر حق بات گلے سے نہ اترتی ہو تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں نصاریٰ کو بہت کچھ توفیق ملی اور آج بھی آپ سُنتے پڑھتے آ رہے ہوں گے کہ فلاں عیسائی مسلمان ہو گیا۔ فلاں پادری یا انگریز نے اسلام قبول کر لیا۔ مگر شاید بہت کم سُن پائے ہوں گے کہ فلاں یہودی نے اسلام قبول کر لیا اور حضورؐ پر ایمان لے آیا۔

فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝

"بہت ہی تھوڑے ہیں جو ایمان لائیں گے"

---

# وصیّتِ ابراہیمی اور اسلام

وَمَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰهُ فِی الدُّنۡیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ○ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِیۡهِ وَیَعۡقُوۡبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ○

(2 - البقرة - 132-131-130)

اور ابراہیمؑ کی ملت سے تو وہی پھر جائے گا جس نے اپنے آپ کو احمق بنالیا ہو، بلا شبہ ہم نے ابراہیمؑ کو دنیا میں بھی منتخب فرمایا تھا اور آخرت میں تو نیک لوگوں میں ان کا بڑا اہم مقام ہوگا۔ یاد کرو وہ وقت جب ان کے رب نے فرمایا کہ ابراہیمؑ تم مسلم ہو جاؤ (گردن ڈال دو) تو ابراہیمؑ سر جھکا کر عرض کرنے لگے کہ میں رب العالمین کے لیے مسلم ہو گیا اور یہی وصیّت کر گئے ابراہیمؑ اپنے بیٹوں کو۔ اور یعقوبؑ نے بھی اپنی اولاد سے یہی کہا کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے دینِ اسلام پسند فرمایا۔ سو تم مسلمانی کے سوا کسی اور موت نہ مرنا۔"

یہ تین آیات ملّتِ ابراہیمؑ کی حقیقت کو بے نقاب کر دینے میں ایک اہم ترین تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دینِ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے حکم پر سر جھکا دینا۔ طاعت اختیار کرنا، کامل سپردگی اور فرماں برداری کے ساتھ گردن ڈال دینا۔ اسلام کی یہ تعریف اگر کسی کے گلے اُتر جائے تو اُسے یہ ماننا پڑے گا کہ اصل دین صرف دینِ اسلام ہی ہے۔

ایک باپ اپنی اولاد سے، ایک آقا اپنے خادم سے یہی کچھ تو چاہتا ہے کہ اس کی اولاد اور اس کے خادم اس کی فرماں برداری کریں۔ پھر خدا سے یہ بدگمانی کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ ایسے دین بھی پسند کر سکتا ہے جو اُس کی نافرمانی اور بغاوت کی بنیاد پر قائم ہوں۔

اسلام کے معنی گوشت کھا لینے اور لنگی باندھ لینے یا کچھ خاص خاص باتیں اپنا لینے سے واضح نہیں ہو سکتے۔ اسلام کی حقیقت تو اس وقت منظرِ عام پر آتی ہے جب اُس کے ماننے والے خدا کے ہر حکم پر اپنا سر جھکا دیں۔ اور یہی کچھ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب کے حکم پر کر دکھایا۔ اب اگر کسی کو یہ وہم ہو کہ صرف ایک ہی دین دینِ حق ہو سکتا ہے اور دوسرے ادیان میں سچائی کا عنصر موجود نہیں؟ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ آج روئے زمین پر جتنے مذاہب و ادیان ہیں وہ سب ملّتِ ابراہیمی سے روگردانی کرنے کے بعد وجود میں آئے ہیں۔

یہی حال یہود کا بھی ہے۔ اسلام اور دینِ حنیف سے اجتماعی طور پر مرتد ہونے کے بعد انھیں جو دلچسپی اپنی یہودیت سے رہی وہ ملّتِ ابراہیمی سے ہرگز نہیں رہی۔ اس اِرتداد کے باوجود دین کی بعض باتیں باقی رہتی ہی ہیں

یہی وجہ ہے کہ سچّائی اور حق کی بعض باتیں تمام مذاہب میں آپ کو مل جائینگی اور سچّائی کی باتیں کسی مذہب میں پائے جانے کے یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ وہ خود ایک دین ہے بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جڑ سے یہ شاخیں جب الگ ہوگئیں تو جڑ کے اثرات شاخوں میں کسی حد تک باقی رہے اور یہ جوہر اُن کا اپنا نہیں تھا بلکہ اصل دینِ حق کا تھا جس سے یہ طویل مدّت ہوئی جُدا ہو چکے تھے۔

---

# وصیّتِ یعقوبیؑ اور اسلام

اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (2-البقرہ-133)

"بھلا کیا تم اُس وقت موجود تھے۔ جب یعقوبؑ کو موت آئی اور انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی بندگی کروگے۔ وہ بولے ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی جو آپ کے باپ ابراہیمؑ اسماعیلؑ اور اسحاقؑ سب کا معبود ہے۔ (بس اسی ایک واحد معبود کی) اور ہم سب اس کے مسلم بنے رہیں گے۔"

حضرت ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی مشترکہ وصیّت کا بیان ابھی آپ پڑھ چکے ہیں یہاں خاص طور سے حضرت یعقوبؑ کی وصیّت کا تذکرہ ہے جو آپؑ نے بسترِ مرگ پر اپنے تمام بیٹوں کو اکٹھا کر ارشاد فرمائی! اسلاف پرستی کے مرض میں گرفتار لوگوں سے خطاب کا نہایت ہی بہترین اور موثر اسلوب اختیار فرما کر ان آیات میں یہود سے دریافت کیا گیا کہ کیا تم اس وقت موجود نہیں تھے؟

جب حضرت یعقوبؑ کو موت آئی۔ ظاہر ہے کہ یہ اندازِ بیان بزرگ زادوں کو چوکنا کرنے کے لیے ایک زبردست کان پھاڑ دینے والے دھماکے سے کم نہ تھا۔ نزولِ قرآن کے وقت کھری کھری بات اُن کے سامنے رکھ دی گئی کہ تم اس وقت ہرگز موجود نہ تھے جب یعقوبؑ دنیا چھوڑ رہے تھے اور اپنے بیٹوں سے تجدیدِ معاہدہ کے طور پر سوال کر رہے تھے کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے۔ اس وقت حضرت یعقوبؑ کے تمام بیٹوں میں چوتھے بیٹے یہودہ بھی موجود تھے۔ اور سب کے سب خدائے واحد کی عبادت اور اسلام پر قائم رہنے کا وعدہ اپنے باپ سے کر چکے تھے سچے بزرگ زادے اور اسلاف کے پیروکار ہو تو اسلام پر قائم رہو۔ غیر اسلام کو چھوڑو۔ یہودیت کی وصیّت تمھارے باپ نے ہرگز نہ کی بلکہ تمھارے بزرگ نے اسلام پر قائم رہنے کا وعدہ تمھارے اسلاف سے لیا تھا۔ وصیّت کرتے وقت حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے ان کے پاس موجود تھے توریت میں حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کے نام اس طرح بتائے گئے ہیں:

"روبن[1]۔ شمعون[2]۔ لاوی[3]۔ یہودہ[4]۔ اشکار[5]۔ زبلون[6]۔ یوسفؑ[7]۔ بن یامین[8]۔ دان[9]۔ نفتالی[10]۔ جد[11]۔ آشر[12]"

(پیدائش باب 35- آیت 26-24)

یہاں ایک بات کا خلاصہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایک اور نام اسرائیل ہے۔ آنجناب کی شہرت اسی نام سے زیادہ ہوئی۔ قرآن پاک میں دونوں نام استعمال کیے گئے ہیں۔ توریت میں بھی اس کا خلاصہ یوں بیان ہوا ہے:

"اور خدا نے اس سے کہا۔ تیرا نام یعقوب ہے۔ تیرا نام آگے

کو یعقوبؑ نہ کہلائے گا بلکہ تیرا نام اسرائیل ہوگا۔"

(پیدائش باب 35 آیت 11-10)

مسیحؑ سے دو ہزار سال قبل اس واقعہ کا تذکرہ صاحبِ قرآن کی زبانِ مبارک سے دنیا کے لوگ جوں کا توں سُن رہے ہیں۔ یہ ایک بڑا اعجازِ محمدیؐ تو ہے ہی۔ ساتھ ہی ساتھ تاریخِ انسانی میں مذاہب کی اصل کا پتہ بھی لگ گیا کہ ہر مذہب اوّل تو اسلام ہی تھا بعد میں پھر اُس کے ماننے والوں نے چاہے جو نام دے کر اس کی شکل میں ہیر پھیر بدل کر دیا ہو۔ اس کی جواب دہی خدا کے نبیوں پر نہیں۔ ان کا کام حق پیش کر دینا تھا۔ رہے وہ لوگ جو حق کی شکل کو بگاڑتے رہے۔ وہ خود بنی آدم میں ایک اسلام کو پھاڑ کر کئی کئی مذاہب کے موجد بنے وہی اصل مجرم ہیں کہ بنی آدم کو مختلف مذاہب میں تقسیم کرا کے لڑا دیا۔

قرآن کی تعلیم میں تمام انبیاء پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی اصل بھی یہی ہے کہ تمام انبیاء کا دین۔ دینِ اسلام تھا۔ بات ادھوری رہے گی اگر یہود کی کتب سے وصیّتِ یعقوبی کو ثابت نہ کیا جائے۔ چنانچہ جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد 7 صفحہ 24 پر یہ مضمون درج ہے:

"یعقوبؑ نے اپنی موت سے قبل اپنے بیٹوں کو تین احکام دیئے۔

(1) بت پرستی نہ کرنا۔ (2) خدائے تعالیٰ کی بے حرمتی نہ کرنا۔

(3) میرے جنازے کو کوئی نافرمان ہاتھ نہ لگائے۔"

اسی طرح قصصِ یہود جلد 2 صفحہ 141 میں لکھا ہے:

"یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم بت پرستی کی طرف جُھکو گے۔ جواب میں سب بیٹوں نے عرض کیا کہ سن اے اسرائیل ہمارے باپ! ہمارا خدا وہی خدائے لَم یَزَلْ ہے جس طرح تیرا ایمان ایک خدا پر ہے، اسی طرح ہم سب کا ایمان ایک خدا پر ہے"

---

# ردِّ شرک اور ملّتِ ابراہیمیؑ

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (2-البقرۃ - 135)

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تب تم کو ہدایت نصیب ہو گی۔ آپ کہہ دیجیے کہ بلکہ صرف ملّتِ ابراہیمؑ پر چل کر ہدایت مل سکتی ہے اور ابراہیمؑ مشرک نہیں تھے۔"

یہاں اہلِ کتاب کی بیہودہ بکواس کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے کہ کہاں چلے ہو یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دینے۔ اصل تو ملّتِ ابراہیمیؑ ہے جس کی دعوت کے تم ایک زمانے میں علمبردار بھی رہے ہو۔ پھر اس وقت تو تم باوجود اہلِ کتاب ہونے کے بھی مشرکانہ عقائد میں اُلجھ چکے ہو۔ جبکہ ابراہیم علیہ السّلام خالص توحید کے داعی تھے۔ اور آپ نے شرک سے ہمیشہ بیزاری کا اعلان کیا تھا۔

کیا یہودی اور کیا نصرانی۔ شرکیہ عقائد اور اعمال میں اپنے دین کو خلط ملط کر چکے ہیں۔ یوں کہنے کو اہلِ کتاب ہیں۔ باقی مشرکین کے عقائدِ باطلہ اور اہلِ کتاب کی روش میں زیادہ فرق نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔ ان ظالموں نے اللہ کے بعض نبیوں کا انکار کیا تو یہاں تک کہ اُن کو قتل بھی کر ڈالا۔ اور اگر بعض کو مانا بھی تو اِس

طرح غلو کیا کہ خدا کی ذات اور صفات میں انھیں شریک کر ڈالا۔ جیسے عزیر علیہ السّلام کو یہود نے اور عیسیٰ علیہ السّلام کو نصاریٰ نے۔

مشرکینِ مکہؓ بھی ختنہ اور حج کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا بزرگ مانتے تھے۔ لیکن اللہ کی ذات و صفات میں اپنے خیالی معبودوں کی صورتیں بنا کر انھیں شریک بنایا۔ اسی لیے یہ تینوں فریق ملّتِ ابراہیمیؑ سے قانونی طور پر خارج کر دیئے گئے۔ اوّل تا آخر صرف وہی لوگ ملّتِ ابراہیمیؑ کے پیروکار تسلیم کیے گئے جو مشرک نہ ہوں۔ ملّتِ ابراہیمیؑ کی تعمیرِ نو میں شرک کے بندھنوں سے جکڑی ہوئی تمام مذہبی اکائیوں کو آواز دی گئی کہ معمورۂ عالم میں پھر سے دینِ ابراہیمیؑ کی روشنی کا مینار کھڑا کریں اور اس کام میں سب مِل جُل کر تعاون کریں۔

---

# صرف اسلام کے حق ہونے کی بنیادی وجہ

قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓی اِبۡرٰہٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِیۡسٰی وَمَآ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ ۫ۖ وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ○ فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَآ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ فَقَدِ اہۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا ہُمۡ فِیۡ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَکۡفِیۡکَہُمُ اللّٰہُ ۚ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ○ (2-البقرۃ - 137-136)

"مسلمانو! تم کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا ہم پر اور جو نازل کیا گیا۔ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ پر اور یعقوبؑ کے پوتے، نواسے جو بھی حق بات لے کر آئے اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو جو کتابیں عطا ہوئیں۔ ان پر بھی ہم ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ تمام نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا اسے بھی ہم مانتے ہیں۔ اور ہم کسی نبی میں فرق نہیں مانتے اور ہم سب اللہ کے فرمان کو ماننے والے ہیں اور مسلم ہیں ○ پھر اے مسلمانو اگر یہ بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان رکھتے ہو تب ہی یہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اور

اگر یہ لوگ اس سیدھی بات سے پھر جائیں تو سمجھ لو کہ یہ صرف مخالفت
پر آمادہ ہیں تو اے نبیؐ آپ کو اُن سب کے مقابلے میں صرف اللہ
کافی ہے۔ اور وہی خوب سُننے والا اور جاننے والا ہے۔"

ظاہر میں اس آیتِ کریمہ پر لکھا جانے والا مضمون شاید کسی کو مشتعل کر دے لیکن اس عنوان کو ٹھنڈی قوتِ فیصلہ کے ساتھ پڑھا جائے تو ہر کسی پر یہ بات واضح ہو گی کہ اسلام کا دعویٰ برحق دینِ حق ہونے کا اپنے اندر کتنا وزن رکھتا ہے۔ اسلام نامی مذہب کوئی ایسا مذہب نہیں جس کی ابتدار کا کوئی سال سن یا زمانہ بتایا جا سکتا ہو، بلکہ یہ وہ مذہب ہے کہ جس کی عمر ٹھیک اتنی ہی ہے جتنی آدم علیہ السلام سے اب تک بنی آدم کی بنتی ہے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو تعلیم دی۔ وہ آفاقی اور عالمگیر ہونے کے ساتھ ساتھ تمام بنی آدم کی ہدایت کے لیے بھیجے جانے والے خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندوں پر اور اُن کی تعلیم پر ایمان لانے سے شروع ہوتی ہے۔ تمام انبیاء کے نام گنا دینے سے قرآن کی ضخامت اور پڑھنے والے کی مشکلات کا خیال رکھا گیا ہے۔ ورنہ خدا کے لیے کیا مشکل تھا کہ تمام انبیاء کے نام ہی قرآن میں نازل فرما دیتا لیکن ایک نہایت ہی مختصر اور جامع طریقہ بیان اختیار فرمایا گیا کہ اپنے ایمان کا اعلان کرتے وقت عالمِ انسانیت میں اس بات کا اقرار کرو کہ ہم ان تمام انبیاء علیہم السلام اور اُن کی تعلیمات کو مانتے ہیں۔ جس کی نسبت کسی مشہور مذہب سے بحیثیت نبی ہونے کے کی گئی ہو۔ نزولِ قرآن کے وقت اور آج بھی مذاہبِ عالم میں یہود و نصاریٰ کا جو مقام ہے، وہ ظاہر ہے، اسی لیے بیان اس طرح

شروع ہوا کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ ہی نہیں بلکہ یعقوبؑ کے نواسے، پوتے اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ پھر تمام انبیاء، جو خدا کی طرف سے بھیجے گئے سب پر ایمان لانے کا ہم اقرار کرتے ہیں۔ کسی کو اگر اسلام اور مسلمانوں کے اس دعوے سے ناراضی ہو تو وہ بھی اپنے ایمان کو اسی وسیع اور عالمگیر بنیاد میں بتا دے اور اللہ کے تمام ان بندوں پر جو اللہ نے عالم انسانیت کی ہدایت کے لیے بھیجے۔ ان پر اور اُن کی تعلیمات پر ایمان کا مدعی ہو کر دکھا دے تو ہمیں خوشی ہوگی کہ ایسے منصف اور عادل شخص کے ہاتھ ہم بیعت کر لیں اسلام اور غیر اسلام کا پھر سوال بھی باقی نہیں رہتا

دینِ اسلام اگر کسی ایک شخصیت کو تسلیم کرتا اور باقی کو رد کر دیتا تب تو تعصب کی ایک وجہ بتائی جا سکتی تھی لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور ہے کہ نہ صرف اس نبیؐ اور اس قرآن پر ایمان لانے کی بات ہے۔ بلکہ تمام نبیوں اور تمام کتابوں کو تسلیم کرنے کا اعلان ہے۔ یہاں تو مسلمان ہو کر موسیٰ علیہ السلام اور توریت کو نہ مانیں تو مسلمانی باقی نہیں رہتی اور عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کریں تو کفر و الحاد کا حکم لگ جاتا ہے۔ بلکہ دو[2] قدم آگے ایمان کے اقرار میں تمام انبیاء میں کسی ایک کو بھی دوسرے کے مقابل فریق نہیں بنایا جا سکتا اور نہ خدا کے نبیوں میں تفریق کی جا سکتی ہے۔ کوئی ہمیں بتائے کہ آخر اس دعوے میں کمزوری کہاں ہے۔ پھر یہ بھی سمجھ لو کہ ایمان کا نمونہ ان مسلمانوں کو بتایا گیا۔ جو حضور سید المرسلین کے دور کے مسلمان تھے۔ قرآن کے اوّلین مخاطب اور سب سے پہلے ایمان لانے والے لوگ تھے۔ ان کا

ایمان مثال کے طور پر پیش کیا گیا - کہ ایسا ایمان اور اس نمونہ کا ایمان سامنے رکھ کر ایمان لائے تب قبول ہو اور شخص متعلق ہدایت یافتہ ہو۔ کسی عیسائی یا کسی موسائی کو غصہ اس وقت آنا چاہیئے تھا جب موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا انکار کیا گیا ہو۔ یہاں تو اُن پر بھی اور ان کی تعلیم پر بھی ایمان لانے کا حکم ہے پھر کوئی۔ ناک بھوں چڑھائے تو کیوں؟

اسی طرح جو لوگ شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر یہ تک نہیں بتا سکے کہ کس دور میں ان کا کون سا نبی اور کون سی کتاب تھی جس پر وہ ایمان لائے کس بنیاد پر اُن کا مذہب کھڑا ہے؟ ایسے لوگوں سے بھی اتفاق و اتحاد میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام نبیوں پر ہمارا ایمان ہے۔ چاہے انھیں ہم نام اور کتاب کے لحاظ سے جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ تب ایسے راہ بھولے لوگوں کو بھی ناراض ہونے کی وجہ نہیں رہی کہ ہم تو ان کے بھی بھولے بسرے نبیوں رسولوں اور کتابوں کو مانتے ہیں۔

قرآن میں ایک جگہ اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلَامُ فرمایا گیا ہے۔ یعنی اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اس فرمانِ الٰہی کی روشنی میں اگر کوئی سوچ بچار کرے تو اُسے ماننا پڑے گا کہ قومی، وطنی، نسلی و مذہبی تعصّب کے مقابلے میں قرآن نے تمام بنی آدم کو ایک ہی اُمّت میں سمو دینے والا دین، دینِ اسلام کو بتایا ہے۔ اب اگر اسلام بھی علاقائی اور نسلی حق کو مانتا ہوا اور زمان و مکان کی قیود کی پابندی میں جکڑا ہوا ہو تو یہ دعویٰ کرنے کا بے شک اسے حق نہیں رہے گا کہ وہی صرف دینِ حق ہو سکتا ہے۔ لیکن سچائی کی

تمام قدروں کو تسلیم کرنا اور تمام انبیاء و تمام کتب آسمانی پر ایمان لانا، حتیٰ کہ اللہ کے جس دین کے بنیادی عقائد میں کچھ رسولوں کو نہ ماننا پچھے کافروں کی علامت قرار دی گئی ہے اگر وہ دین بھی پوری عالم انسانیت کا دین نہ ہو اتو کیا آدم کے گھرانے کو منتشر کرنے والے کسی طریقہ زندگی کو پوری آدمیت کا دین قرار دیا جا سکتا ہے۔

---

# لاجواب دلیل

أَمْ تَقُوْلُوْنَ إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا أَوْ نَصٰرٰى ط قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ط وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (2 - البقرة - 140)

"کیا تم یہ بات کہنے کی جرأت کر سکتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ ولیعقوبؑ اور اُن کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ اے نبیؐ! آپ فرما دیجیے کہ بھلا تم کو زیادہ علم ہے یا اللہ کو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا واسطے کی گواہی کو جو اُس کے پاس امانت ہو اسے چھپا ڈالے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔"

یہودی اور نصرانی علمائے دین اپنے مذہب کا تعلق و نسبت ان بزرگوں سے بتا کر عوام میں اپنی جعلی درویشی قائم کیے ہوئے تھے۔ قرآن نے ایک "لاجواب" دلیل سے یہ ثابت کر دیا کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ ولیعقوبؑ اور ان کی اولاد میں سے کوئی ایک بھی یہودی یا نصرانی مذہب رکھتا ہو تو دعویٰ پیش کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ احمقانہ مذہبی تصورات کے حامل بھی ہٹ دھرمی سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حضرات یہودی یا نصرانی تھے۔ پھر عقل کے معمولی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر

وقت کے علمائے یہود ونصاریٰ یہ دعوے کر بیٹھتے تو حجازی عوام تو اُن کے منھ پر تھوک ہی دیتے اور تاریخ کے صفحات میں آج ان علماء کی تصویر سرکس کے جوکروں جیسی ہوجاتی۔ شاید اسی لیے بے چارے اتنی ہمت نہ دکھا سکے اور خاموش رہے۔ ورنہ جھوٹ موٹ دعویٰ کرنے میں لگتا ہی کیا تھا۔ خوش قسمت ہیں آج کے یہود و نصاریٰ کہ اُن کے سلف نے کم از کم یہاں تو سمجھداری کا ثبوت دیا۔ ورنہ تاریخ کا ہر طالبِ علم اس حرکت پر اُن کی عقل کا ناپ تول کر کے اچھی طرح خبر لیتا۔

ءَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ط "تم کو زیادہ علم ہے یا اللہ کو؟"

اس غضبناک لہجے کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا اور نہ قیامت تک اس قولِ فیصل کو جھٹلانے کی کوئی جرأت کر سکتا ہے کہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام صرف اسلام کے داعی تھے۔ یہودیت اور نصرانیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

اچھا ہو ہم مسلمان بھی اس آیۃ کریمہ سے کچھ سبق لیں۔ ہم میں بھی فرقوں اور ٹولیوں کی کمی نہیں۔ ہمارے بعض ناپختہ رہنما اپنے مکتبۂ فکر (SCHOOL OF THOUGHT) کو مسائل کے اختلافی حدود سے آگے بڑھا کر مذہبی جتھا بندی کی شکل دیتے ہیں پھر سلف صالحین میں سے بعض مقدّس ہستیوں کو اپنی جتھا بندی کا امامِ اوّل بتا کر صرف اپنے جتھے کو ناجی اور ہدایت یافتہ ثابت کرتے ہیں۔

بے چارے عوام کو اتنی عقل کہاں کہ بغیر بتائے وہ کچھ فیصلہ کر سکیں۔ البتہ جہاں جہاں عوام کو یہ معلوم ہوا ہے کہ خدا کے پاکباز بندوں کا نام لے کر ہمیں بیوقوف بنایا گیا ہے۔ وہاں ان ناپختہ رہنماؤں کے چہروں سے نقاب اُٹھ گیا ہے۔

آج ہم میں بھی وہابی، دیوبندی، بریلوی، سُنّی، شیعہ، اہلِ حدیث وغیرہ

گروہ یہ دعویٰ تو ہرگز نہیں کرتے کہ ایسے ہی نام دھاری ہمارے اسلاف تھے بلکہ ہر ایک کو یہ ماننا ہی پڑے گا کہ یہ نام بس نام ہیں۔ نام کی حد تک تو اُن جماعتوں سے اختلاف کرنا مشکل ہے۔ البتہ جڑ بنیاد کے لحاظ سے کوئی بھی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ صاحبِ قرآن سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اور تمام سلف صالحین اسلام اور ایمان کے سوا کسی اور نام کو پوری اُمّت کے لیے پسند کر سکتے تھے۔

بس ہم بھی تعارف اور مکتبۂ فکر کی حد تک تو اُن جماعتوں اور جتھوں کو تسلیم کر سکتے ہیں۔ لیکن مستقل مذاہب کی حیثیت سے ان ناموں کو دین کی اصل ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا جس کے تسلیم کرنے کے بعد دوسرے مکتبۂ فکر کو دین سے خارج قرار دینا لازم آتا ہو۔

اختلافِ آراء کی کالی گھٹاؤں کو بارانِ رحمت کے نزول کا سبب ہونا چاہیئے نہ کہ ظہورِ ظلمت کا۔

---

# اگلا گرا پچھلا ہوشیار

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍۢ بَیِّنَۃٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○

(2 - البقرۃ - 211)

"آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیجیے کہ انھیں ہم کتنے کھُلے کھُلے نشانات دِکھا چکے ہیں، پھر یہ بھی ان سے پوچھو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت پانے کے بعد جو قوم اسے بدل ڈالتی ہے۔ اسے اللہ نے سزا بھی کتنی سخت دی ہے۔"

دنیا میں سب سے زیادہ طویل مدّت تک قومی لحاظ سے اگر کسی کو نوازا گیا تو وہ بنی اسرائیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مسلسل انعامات اس قوم کو حاصل رہے لیکن جب اس قوم نے خدا کی نعمت کی ناشکری کی تو تمام بنی آدم کے لیے نمونۂ عبرت بھی اسی قوم کو بنا دیا گیا۔

امّتِ وسط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں دنیا کی امامت کے لیے تیار ہو رہی تھی اسے روزِ اوّل سے ہی بتا دیا گیا کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی ناقدری کرنے سے بچے رہنا اور اللہ کی طرف سے راہِ ہدایت ملنے کے بعد یہود کی طرح تم بھی اپنے اصل دین کو مسخ نہ کرنا۔ ورنہ یاد رکھنا تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔

اپنے بگاڑ کا تجربہ یہود سے زیادہ کسی کو نہیں اور خدا کی مار کا ذائقہ بھی سب سے زیادہ انھوں نے چکھا ہے، اس لیے مسلمانوں کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ ان اندھیری وادیوں میں نہ بھٹکنا جہاں یہود بے چراغ ہو چکے تھے۔ ورنہ انجام بھی کچھ اسی طرح کا ہوگا جو یہود کا ہو چکا ہے۔ اس تنبیہہ کو پڑھ لیجیے اور اپنی سابقہ دینی و دنیوی عُروج و عزّت پر نگاہ ڈالیے۔

مسلمانوں کے چھوڑے ہوئے آثارِ قدیمہ کے نقوش یہی کچھ ہمیں بتائیں گے کہ پہلے ہم کیا تھے اور اب کیا ہیں۔ اُمَمِ سابقہ کے واقعات قرآن مجید میں اسی لیے بیان کیے گئے ہیں کہ ہم اپنی حالت پر غور کریں۔ اگلے گرے ہیں تو پچھلوں کو اُن کی غلطیاں دیکھ کر اور ان کے واقعات سے سبق لے کر ہوشیار ہو جانا چاہیئے۔

---

# یہود کا ایک تاریخی واقعہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰىۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْاؕ قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىٕنَاؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ○ (2-البقرة - 246)

"کیا تم نے موسیٰؑ کے بعد سرداران بنی اسرائیل کے حال پر غور نہیں کیا۔ جب انھوں نے اپنے نبی سے درخواست کی کہ ہمارے لیے بادشاہ کا تقرر کر دیجیے۔ تاکہ ہم فی سبیل اللہ جنگ کریں۔ نبی نے فرمایا کہ ایسا تو نہیں ہوگا کہ تم کو جنگ کا حکم دیا جائے اور تم مکر جاؤ۔ سرداران بنی اسرائیل کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہم کو گھر سے نکال دیا گیا اور ہم اپنی اولاد سے جُدا کر دیئے گئے۔ پھر جب انھیں جنگ کا حکم ہوا تو تھوڑے لوگوں کے سوا باقی سب اس وعدے سے پھر گئے۔ اور اللہ تعالیٰ ان میں سے

ایک ایک ظالم کو خوب جانتا ہے۔"

اس واقعہ کی بائبل میں جو تفصیل بیان کی گئی ہے وہ اس قدر طویل ہے کہ کئی صفحات بھی ناکافی ہوں اس لیے اہلِ علم کے لیے اشارتاً عرض کریں گے کہ مزید تحقیق کے لیے بائبل کی کتاب سموئیل حصہ اوّل باب 8 تا 12 دیکھ لیں البتہ بیان شدہ واقعہ قرآن و بائبل کی روشنی میں کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے۔

سیدنا مسیح علیہ السلام سے گیارہ سو سال قبل کا یہ واقعہ ہے حضرت موسیٰؑ کے بعد کچھ عرصے تک تو بنی اسرائیل کا دینی و دنیوی بندوبست اچھا رہا۔ لیکن جب ان کی نیت میں فساد آیا۔ تو جالوت نام کا بادشاہ ان پر چڑھ آیا۔ اور قومی وملی طور پر انھیں منتشر کر دیا۔ نہ صرف ان سے فلسطین کے بہت سے مقامات چھین لیے بلکہ بنی اسرائیل کو گھر سے بے گھر کر دیا۔ اور ان کے بال بچوں کو بے عزتی کے ساتھ اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اور عہد کا صندوق بھی چھین کر لے گیا۔ بنی اسرائیل کو اس وقت دینِ اسلام پر پھر سے قائم کرنے اور انھیں ایک صالح جماعت بنا ڈالنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے حضرت سموئیل علیہ السلام کو عطا کی۔

یوں تو بہت پہلے سے حضرت سموئیل علیہ السلام بنی اسرائیل کو ان کی بے راہ روی پر روک ٹوک کرتے چلے آرہے تھے لیکن حضرت سموئیلؑ کی تنبیہ سے ایک عرصے تک یہ خبردار نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے زیرِ دست عمالقہ ہی کو ان پر مسلط کر دیا۔ اور زبردست قوم جب حاکموں پر چڑھ دوڑتی ہے تو بڑا تکلیف دہ انقلاب ہر زمانہ میں آجاتا ہے۔ یہی حال بنی اسرائیل کا اس دور میں ہوا۔ اور اب وہ جالوت بادشاہ کے مضبوط حصار میں آزادی کے لیے تڑپ رہے تھے اسی جالوت

کے دورِ اقتدار میں بنی اسرائیل کے اہل الرائے شام کے کوہستانی علاقوں میں جمع ہو کر وقت کے نبی سے درخواست کرتے ہیں کہ انھیں متحد کر کے دشمنوں سے جنگ کرنے کے لیے ایک بادشاہ کا تقرر کر دیجیے۔ اس وقت کے اسرائیلی گروہ کی بداعمالی و بزدلی نیز اُن کے دینی انحطاط کا حضرت سموئیلؑ کو طویل تجربہ پہلے سے تھا اس لیے اسرائیلی سرداروں سے آپ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم لڑائی جاری نہ رکھ سکو گے اور یہ جوش بس کچھ دنوں میں سرد پڑ جائے گا۔ قوم یہود کے چودھریوں کو حکمِ شرعی اور احکاماتِ نبوی کی خاطر لڑنا ہی نہیں تھا وہ تو صرف اپنے گھر بار اور عزت و آبرو کی حفاظت اور سابقہ رنجش کا بدلہ اپنے دشمنوں سے لینا چاہتے تھے اسی لیے دلیل میں کہہ گئے کہ گھر سے بے گھر ہوئے، بیوی بچوں سے جدا ہوئے۔ پھر بھی ہم ایک امام کی قیادت ملنے کے بعد بزدلی کیسے دکھا سکتے ہیں؟ پھر ہمارے جینے کا مقصد ہی کیا رہے گا۔ حضرت سموئیل علیہ السّلام نے ان کی اس دلیل کو تسلیم فرمایا۔ اور ان پر بحکم الٰہی ان ہی میں سے ایک کو بادشاہ مقرر کر دیا (جس کا تذکرہ آگے آئے گا) لیکن سموئیل علیہ السّلام کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ اور دشمنوں کے مقابلے میں یہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ کمزوروں پر ظلم کرنا آسان ہے۔ ظالموں سے پنجہ آزمائی کرنا مشکل ہی ہوتا ہے۔ اس میں قومی لحاظ سے بڑا کلیجہ درکار ہے بلکہ زیادہ صحیح تو یہ ہے کہ آدمی کو بے کلیجہ ہونا چاہیئے۔ تب ہی جا کر ظالم کا ظلم ٹوٹتا ہے۔ تعداد چاہے کم ہو یا زیادہ مگر دلیری اور عالی ہمتی چاہیئے۔ مگر یہ کیسی بدنصیبی ہے ہماری کہ ہم مسلمان اِس وقت شکست کھا گئے ایک ایسی قوم سے جو حیاتِ دنیا کی حریص اور دنیا کی سب سے زیادہ بزدل قوم ہے۔ ان کی تاریخ خود اُن کی بزدلی کے افسانے سُناتی ہے اور ان کا منھ چِڑاتی

ہے اور ہماری تاریخ اپنی بہادری اور عالی ہمتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ مگر یہود نے ہمارے منھ پر طمانچہ مار کر یہ ثابت کر دیا کہ بزدل بھی تمھیں شکست دے سکتا ہے۔ برسوں ہو گئے تمھیں بھی تمھارے علمائے دین یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ دینی لحاظ سے تمھارا مقام بہت نیچا ہو رہا ہے۔ سنبھل جاؤ ورنہ کچھ ایسی بات بھی ہو سکتی ہے جس کی تاریخِ اسلام میں مثال بھی نہ مل سکے۔

مولانا علی میاں مدظلہ العالی کی تقریریں آج سے برسوں قبل دیارِ عرب میں سُنی اور پڑھی گئیں وہ اس بات پر گواہ ہیں کہ اس عالمِ دین نے اپنے نیم الہامی خطبوں میں عربوں سے وہی کچھ کہا تھا۔ جو حضرت سموئیلؑ آج سے تین ہزار سال قبل اپنی قوم سے ارشاد فرما چکے تھے۔ سچ ہے حضورؐ کا قول عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (میری اُمّت کے علماء ایسے ہوں گے جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء)

---

# تابوتِ سکینہ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوٓا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝

(2 - البقرۃ - 248 - 247)

"اور ان کے نبی (سموئیلؑ) نے فرمایا کہ اللہ نے تمھارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ تب یہودی سردار کہنے لگے کہ طالوت ہم پر حاکم کیسے ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ مستحق تو ہم ہیں جبکہ طالوت کی مالی حالت بھی ٹھیک نہیں۔ نبی نے ارشاد فرمایا۔ بس اللہ نے تم پر اُسی کا انتخاب کر دیا ہے۔ علم و جسم میں اللہ نے اُسے کشادگی عطا کی ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اقتدار عطا فرماتا ہے۔ اللہ ہی

بڑی وسعت والا خوب علم رکھتا ہے۔ اور ان کے نبی نے یہ بھی فرمایا
کہ طالوت کی سلطنت قائم ہونے کا غیبی نشان یہ ہوگا کہ تمھارا وہ
صندوق تمھیں پھر واپس ملے گا۔ جس میں تمھارے رب کی طرف
سے تسلّی ہوگی اور آلِ موسیٰؑ اور آلِ ہارونؑ کے چھوڑے ہوئے تبرکات
اِس صندوق میں ہوں گے۔ فرشتے اِس صندوق کو اٹھا لائیں گے۔
اگر تم ایمان والے ہو تو یہ نشان تمھارے لیے کافی ہے۔"

اسرائیلی قومی سرداروں نے جالوت سے جنگ کرنے کے لئے ایک بادشاہ کے تقرر کی درخواست حضرت سموئیل علیہ السّلام کی خدمت میں پیش کی وہ یہ سمجھے کہ ہم میں سے کسی کو اگر یہ منصب مل جائے تو مفت میں دولتِ اسرائیل کے بادشاہ بننے کا موقع ہاتھ آئے، لیکن ہوا کچھ اور یعنی حضرت سموئیلؑ نے اس مہاجر گروہ پر سردار ہونے کا اعلانِ خداوندی ایسے شخص کے لیے کر دیا جو پہلی صف کے لوگوں میں نہیں بلکہ یہود کے سب سے چھوٹے قبیلے بن یامین کا ایک غریب آدمی طالوت نامی تھا۔ یہودی سردار بھڑک گئے اور نبی کے فیصلہ پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ گویا اُن کے نزدیک سرداری کے لیے علم ولیاقت۔ جسمانی ڈیل ڈول کے مقابل مہاجنی اور ساہوکاری صفت زیادہ اہم تھی۔ اس بیان سے ہمارا یہ اندازہ صحیح ثابت ہوا کہ یہود کی قیادت ہمیشہ ظالم ساہوکار اور سود خور مہاجن کرتے رہے ہیں۔
دنیا کو یاد رکھنا چاہیئے کہ موجودہ حکومتِ اسرائیل کے تمام اعلیٰ حکام یورپ کے سرمایہ دار اور کمینہ صفت یورپی سیاست کے مہرے ہیں۔ دین ومذہب کے ماننے والے ان کے قائد پہلے بھی بہت کم تھے اور آج بھی علم ولیاقت کے مقابلے میں مالی

وسعت ہی کو قیادت کے لیے وجہ فضیلت بنا دینے والی یہ قوم اپنی نظیر آپ ہے
بہرحال قیادت کے اختلاف کا حل وقت کے نبی نے ایک غیبی نشان کی دستیابی
کی پیش خبری سے کر دیا۔ یہ قصّہ یوں ہے کہ بنی اسرائیل اپنے زمانۂ عروج میں ایک
صندوق سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ جس میں توریت کی تختیاں، منّ کا نمونہ،
توریت کا اصل نسخہ، جو حضرت موسیٰؑ نے اپنے دورِ نبوّت میں لکھوا کر بنی اسرائیل
کو دیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کا عصا اور آپؑ کا عمامہ اور اسی طرح کی دیگر متبرک
چیزیں اس صندوق میں تھیں۔ اس صندوق کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہو چکا
تھا کہ جب تک یہ صندوق ان کے پاس ہے عروج و اقتدار قائم رہے گا لیکن
مشرکیہ عقائد اور فاسد اعمال میں جب کوئی قوم گرفتار ہوتی ہے تو بزرگوں کے
تبرکات سے ان کا بچاؤ کبھی نہیں ہوا۔ ہاں البتّہ جو صالح لوگ ہیں ان کی نیکی اور
ایمان میں اور دین و دنیا کی کامیابی میں یہ تبرکات ضرور سببِ رحمت بنتے رہتے
ہیں۔ مگر کسی بھی زمانہ کی داعیٔ توحید قوم جب مشرک ہو جاتی ہے تو بذاتِ خود
بزرگوں کی موجودگی بھی انھیں نفع نہیں دیتی تو بزرگوں کے تبرکات انھیں
کب بچا سکتے تھے بلکہ قانونِ الٰہی تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بدکاروں سے خدا
کے صالح بندوں کے مقدّس نشانات چھین لیے جائیں تاکہ خیر و برکت کی ان
کی ساری آس ٹوٹ کر رہے۔

حضرت سموئیلؑ کے فیصلے پر سردارانِ بنی اسرائیل کے اعتراض کے بعد حالات
کچھ ایسے بگڑ گئے کہ شاید حضرت سموئیلؑ کی وقعت بھی اسرائیلی سرداروں اور عوام
کی نظروں میں کم ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ نے بروقت ایک ایسا غیبی نشان مقرر کر دیا۔

جس کی وجہ سے تین کام ایک ساتھ درست ہو گئے۔ ایک تو طالوت کی قیادت کا اختلاف دور ہو گیا اور تمام لوگ ان کو بادشاہ ماننے پر قدرتی طور پر رضامند ہو گئے۔ دوسرے تابوتِ سکینہ بنی اسرائیل کو واپس ملا۔ جو اُن کی توبہ قبول ہونے کی علامت تھا۔ تیسری بات یہ ہوئی کہ بنی اسرائیل کے سردار اور قوم کے چودھری وقت کے پیغمبر کی نافرمانی سے بچ گئے ورنہ اُن کے حکم کو نہ ماننے پر انھیں اور بھی آفاتِ سماوی و ارضی سے دوچار ہو کر برباد ہونا پڑتا۔ اب رہا یہ معاملہ کہ تابوتِ سکینہ کو بنی اسرائیل کے دشمن جب لے گئے تھے تو واپس کیونکر ہو گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اِدھر اللہ کے نبی کے فرمان پر بنی اسرائیل مجتمع ہوئے اور اُدھر اللہ تعالیٰ نے تابوتِ سکینہ کے غاصبوں پر وبا بھیجی۔ یہ لوگ اس قدر پریشان ہوئے کہ بیل گاڑی پر لاد کر اس صندوق کو بنی اسرائیل کی پناہ گیر چھاؤنیوں کی طرف ہانک دیا۔ خدا نے اس صندوق کو فرشتوں کی نگرانی میں حضرت طالوت کے خیمہ کے عین سامنے لا کھڑا کیا۔

---

# اطاعت و ایمان باللہ کی طاقت

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

( 2-البقرة - 249 )

"پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر آگے بڑھے۔ تو فرمایا اللہ تمھارا امتحان ایک نہر کے ذریعہ لینا چاہتا ہے۔ جو کوئی بھی اس میں سے پانی پیئے گا وہ میرا ساتھی نہیں اور جو کوئی بھی اُسے نہ چکھے گا بس وہی میرا ساتھی رہے گا۔ ہاں مگر کوئی اگر چاہے تو صرف اپنے ہاتھ سے ایک چلّو بھر لے لیکن تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب نے سیراب ہو کر اس نہر کا پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور اُن کے ایمان والے ساتھی نہر کے پار ہوئے تو کچھ لوگ بولے کہ آج تو ہم میں طاقت نہیں

کہ جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کر سکیں مگر جن لوگوں کو یقین
تھا کہ وہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ کہنے لگے کہ کتنی چھوٹی چھوٹی
جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آچکی ہیں اور اللہ
تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

طالوت کے بادشاہ مقرر ہوتے ہی جالوت کے مقابلے میں بنی اسرائیل کا
قافلہ فوجی شکل میں روانہ ہوا۔ گھر بار کی خلاصی اور حبِ وطن کے جوش میں کثیر آبادی
طالوت کے ساتھ اس فوجی مہم پر روانہ ہوئی۔ لیکن وقت پر یہ لوگ اپنے قائد کی
اطاعت میں منضبط اور مربوط رہیں گے یا نہیں، اس کی ظاہری دلیل کچھ بھی نہیں تھی۔
حضرت طالوت نے ایک ندی کو پار کرتے وقت انھیں تولنا چاہا کہ سالارِ قافلہ کے ساتھ
تھوڑی دیر کی پیاس کو برداشت کرنے کے لیے اطاعتِ امیر پر قائم رہتے ہیں یا
نہیں اس لیے فرمایا کہ میرے ساتھ صرف وہی چلے گا جو اس نہر کا پانی نہ پیئے۔ مگر بہت
ہی زیادہ مجبوری ہو تو صرف اتنی اجازت ہے کہ چلّو بھر پی لے۔ مگر اطاعتِ امیر میں سوا
چند لوگوں کے باقی سب کے سب ناکام ثابت ہوئے۔ ناکارہ قیادت عوام کی کثرت
پر گلا پھاڑ کر دشمن کے مقابلہ میں خوب شور مچاتی ہے۔ لیکن بیدار مغز قیادت اپنے
ساتھیوں کا ڈسپلن اور اطاعت خوب اچھی طرح سے ناپ تول کر دشمن کا مقابلہ کرنے
کے لیے آگے بڑھتی ہے، تعداد چاہے بہت ہو۔ اور اطاعتِ امیر نہ ہو تو کثیر التعداد
گروہ کا جنگ میں ناکام ہونا یقینی ہے۔ اس کے بالمقابل تعداد چاہے قلیل ہی کیوں
نہ ہو اطاعتِ امیر اُس عددی قلت کو فتح کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ مگر ایمان باللہ تو یہاں
بھی ایک بنیادی شرط ہوگا۔ یہ شرط اگر کوئی گروہ پوری کرے تو اللہ کی نصرت اس کے

ساتھ ہوگی ورنہ نہیں۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی شکست کے اسباب پر قرآن کی روشنی میں غور کرنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ عربوں کی قیادت ایک طرف ناکارہ تھی تو دوسری طرف فوج وعوام اطاعت و ڈسپلن میں منضبط نہیں تھی۔ رہا ایمان باللہ، تو سرے سے میدانِ جنگ میں اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔

معرکہ آرائی سے قبل صحیح الدماغ قائد کا یہ کام ہے کہ اپنی صفوں میں اطاعت کا خوب اچھی طرح صحیح صحیح اندازہ کرلے۔

حضرت طالوت نے وقتی طور پر ایک نہایت ہی لطیف تدبیر سے اپنی فوج کا امتحان لے کر حقیقت کو معلوم کرلیا کہ نعرے بازی اور وقتی ہنگامہ آرائی میں دم خم کتنا ہے۔ کسی کو اگر یہ وسوسہ ہو کہ پانی پی لینے پر پابندی لگانا شرعی اعتبار سے کیسا ہے۔ خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو منع کرنے پر بھی کیا اطاعتِ امیر لازم آتی ہے۔ جبکہ شریعتِ اسلامی میں کسی جائز چیز کو حرام کرنا بھی ایک جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت طالوت نے ہمیشہ کے لیے پانی کی پابندی نہیں لگائی تھی۔ بلکہ صرف وقتی طور پر، جو نہر پار کرنے کے بعد ختم ہوجاتی صرف یہ دیکھنا تھا کہ اطاعتِ امیر کا میری فوج میں جذبہ کتنا ہے۔ باقی بنی اسرائیل پیاس سے چند گھنٹوں میں مرنے والے نہیں تھے جبکہ سالارِ قافلہ حضرت طالوت نے خود بھی اس پانی کا مطلق استعمال اس وقت نہیں کیا تھا۔ پھر قائد وسپہ سالار جب پیاس کی شدت برداشت کر رہا ہو تو جماعت کو یہ حق کہاں سے ہوگا کہ خود سیراب ہوجائے۔

امتحان کے بعد جو لوگ کامیاب ہوئے۔ ان کی تعداد توریت کی کتاب

سموئیل حصہ اوّل باب 13 آیت 16 کے مطابق صرف چھ سو[600] تھی جبکہ اپنی جگہ سے دشمن پر ہلّا بولنے کے لیے چل پڑنے والوں کی تعداد ہزاروں تھی مگر کیا شانِ خداوندی ہے کہ تعداد بھلے چھ سو کی ہو مگر ڈسپلن ایمان اور لقاء اللہ کی تڑپ نے جالوت کے آہن پوش لشکر کا کس بل نکال دیا۔ اور کامیاب وہی ہوئے جو تعداد میں بہت تھوڑے ہی تھے۔

ہمارے عرب بھائی اگر غور کریں تو اُن کو طالوت کے اس واقعہ سے بڑی عبرت حاصل ہوگی کہ ایمان ویقین اعتمادِ علَی اللہ اور ضبطِ نفس اگر حاصل ہو تو تھوڑے سے آدمی بھی کَم مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً کے مصداق بن جاتے ہیں۔

---

# اسلامی آدابِ جنگ

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

( 2 - البقرۃ - 251 - 250 )

" یہ لوگ جب جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل صف آرا ہوئے تو دعا کرنے لگے کہ ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور منکروں کے مقابلے میں ہماری بس تو ہی مدد فرما دے۔ پھر انھوں نے اللہ کے حکم سے اپنے دشمنوں کو مار بھگایا۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اللہ نے داؤد کو سلطنت اور دانائی عطا کی اور جو کچھ چاہا انھیں سکھا دیا، اگر اس طرح اللہ تعالیٰ انسانوں میں بعض کو بعض کے ذریعے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین فساد سے بھر جاتی۔ لیکن دفعِ فساد میں اللہ کا یہ انتظام اہلِ عالم کے لیے ایک بہت بڑا فضل ہے۔"

لڑائی کے میدان میں اہلِ ایمان بنی اسرائیل جب اُترے ہیں تو انھیں دشمن کی کثرتِ تعداد کا خوب اندازہ تھا مگر دوسری طرف اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلا کر اپنی کمزوری کا رونا ناصر حقیقی کے حضور رونے لگے کہ ثابت قدم رکھیو ہمارے پاؤں نہ اکھڑ جائیں۔ تیری مدد اور نصرت آج ہمیں درکار ہے۔ ورنہ ہماری شکست میں اب دیر ہی کتنی ہے۔ مگر جب تو ہمارا حامی و ناصر ہے تو ہمیں فتح حاصل کرنے میں بھی کچھ دیر نہیں لگے گی۔ یہ دعا تھی بنی اسرائیل کے اہلِ ایمان کی جب وہ مومن اور مسلم تھے۔ سبحان اللہ! خدا کا دین بھی کیا خوب ہے۔ آج وہی یہود ہمارے سخت دشمن ہیں مگر، ہم اُن کے سلف کو اپنا سلف مان کر اُن کے صبر و ایمان اور تعلق باللہ، نیز اسلامی آدابِ جنگ کو اپنے لیے ایک نمونہ پا رہے ہیں۔

آج مسلمانِ عرب جنگ میں یہود سے ہار گئے۔ اس کی وجہ آج کے یہود کا ایمان نہیں بلکہ ہماری بداعمالی اور ایمان و تعلق باللہ سے غفلت رہی ہے، یہود کے مقابلے میں 1967ء کی جنگ میں ایمان صبر ڈسپلن اور تعلق باللہ نہیں اتارا گیا تھا۔ کھوکھلی نعرے بازی لے کر خدا کی نصرت سے غافل قیادت، اسلامی آدابِ جنگ سے ناواقف فوجیں، محض ادھار لیے ہتھیاروں پر بھروسہ کر کے میدان جنگ میں پھٹا بانس پیٹ رہی تھیں فتح و نصرت کے حاصل کرنے میں اسلام کے اپنے طور طریقے ہیں۔ دورِ سموئیل اور طالوت کے زمانے میں جب ان طریقوں پر اہلِ ایمان چلے ہیں تو باوجود چھ سو کی قلیل تعداد ہوتے کے بعد بھی کامیاب ہوئے۔

اسلام کا اپنا فنِ حرب ہے جسے میدان میں اتارنے کے بعد ہماری صفوں میں بہت سے طالوت اور داؤد سامنے آئے اور وقت کی بڑی بڑی طاقتوں کا گھمنڈ چور چور کر دیا۔ دفع فساد کے لیے اہلِ ایمان اگر اٹھیں گے تو نصرتِ الٰہی کا غیبی ہاتھ ضرور اُن کی دست گیری کرے گا۔ اہلِ عرب تو طوافِ کعبہ میں پکاری جانے والی اس نبوی دعا سے خوب واقف ہوں گے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

"ساری تعریف اس اللہ اکیلے کے لیے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور اپنے بندے کی نصرت کی اور تمام لشکروں کو شکست دینے میں خود اکیلا ہی کافی ہو گیا"

کوئی اور ناصر نہیں بن سکتا، خَیْرُ النّٰاصِرِیْنَ کو مدد کے لیے آواز دو۔ تمھاری بگڑی بن کر رہے گی۔

---

# بنی اسرائیل کا اپنا پیغمبر

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (3- آلِ عمران- 49- 48)

" اور اللہ نے عیسیٰؑ کو تعلیم فرمائی کتاب اور حکمت کی اور علم دیا توریت اور انجیل کا ○ اور بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اور جب عیسیٰؑ بحیثیت رسول کے بنی اسرائیل کی طرف آئے تو فرمایا، کہ میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندں کی مانند صورت بنائے دیتا ہوں۔ اور اس میں پھونک مار دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑتا پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور خدا کے حکم سے مُردے کو زندہ کر دیتا ہوں اور میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ کیا کھا کر آئے ہو۔ اور گھر پر کیا چھوڑ آئے ہو اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تمہیں ایمان لانا ہے۔"

سلسلۂ انبیاء بنی اسرائیل میں سب سے آخر حضرت مسیح ابنِ مریم کی بعثت یہود میں ہوئی اور نسلی اعتبار سے حضرت مسیحؑ قوم یہود کے فرد تھے۔ دعوت الی اللہ میں توریت کی تصدیق فرماتے تھے اپنی نبوّت کے لیے وقت کے یہودی علماء و احبار کے مقابل تمام تر دلیل ہی کی روشنی میں دعوت پیش کی جاتی تو شاید وقت زیادہ درکار تھا۔ اس لیے آپ کی نبوّت کی تصدیق میں دلائل کے علاوہ معجزات کا عنصر زیادہ رہا کہ ہر کس و ناکس چار و ناچار آپ کی نبوّت کو فوراً تسلیم کر لے۔ مگر خود یہود ہی حضرت مسیحؑ کے مخالف ہو گئے اور آنجناب کو معجزات کی بنا پر جادوگر اور شعبدہ باز قرار دیا۔ اور اتنے پر ہی بس نہیں کیا بلکہ قتلِ مسیحؑ کی سازش اور حضرت مریمؑ پر بہتانِ عظیم لگانے میں بھی یہود نے قومی طور پر نمایاں حصّہ لیا۔ جبکہ مسیحؑ کی دعوتِ ایمانی یہود کے حق میں ایمان پر پھر سے قائم ہونے اور دینِ اسلام کے نشأۃِ ثانیہ اور تجدید کی حیثیت رکھتی تھی۔

---

# یہود کے لیے سببِ ایمان

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○

(3-آلِ عمران-50-51)

"اور عیسیٰؑ نے کہا کہ تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے بیشتر آئی ہوئی توریت کی اور اس لیے آیا ہوں کہ جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے اس میں سے کچھ حلال کر دوں اور تمہارے رب کی طرف سے کھلے نشانات لے کر آیا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت اختیار کرو۔ بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی سو تم اسی ایک کی بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔"

معلّمِ دینِ اسلام حضرت مسیحؑ کی دعوت میں یہود پر دین و شریعت کے بہت سے بندھن کھولنے کا اعلان کیا گیا جن میں یہود نے اپنے دورِ گمراہی میں از خود اپنے آپ کو باندھ لیا تھا اور اپنے اِرد گرد فاسد تمدن اور مذہبی خبطی پن کا ایسا جال تیار کر لیا تھا، جس کی ڈور وقت کا کوئی عظیم پیغمبر ہی کاٹ سکتا تھا۔ کیونکہ حقیقی دینداری کے مقابل رسمی دینداری کی پوری فقہ تیار کر رکھی تھی۔ جس میں

ناروا رسومات کی پابندیاں اور بہت سے حلال کو حرام بنا کر نیز حرام کو حلال بھی بنا دیا گیا تھا۔ حضرت مسیحؑ کی آمد پر یہود کے لیے ایک نادر موقع تھا کہ دین میں احمقانہ مذہبیت کا جتنا حصّہ بعد میں داخل کر لیا تھا اسے نکال کر امامتِ عیسوی میں اپنی صفوں کو درست کر لیتے اور صراطِ مستقیم پر از سرِ نو قائم ہو جاتے لیکن یہود کو ایمان و اسلام، کتاب اور نبی سے زیادہ پیار اپنے موروثی طور طریقوں سے رہا اور بعثتِ عیسیٰؑ ان کے لیے ایمان کے بجائے کفر کا سبب بن گئی۔

---

# اسلام کا دورِ عیسوی
# اور
# یہود کی کافرانہ روش

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیسٰی مِنۡھُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ۚ وَاشۡھَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ○ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰھِدِیۡنَ ○ (3-آلِ عمران-53-52)

"پھر جب عیسٰیؑ کو احساس ہو گیا کہ بنی اسرائیل کفر پر آمادہ ہیں تو آپ نے اعلانِ عام کر دیا کہ راہِ خدا میں کون ہے جو میرا مددگار ہوتا ہے، تب صرف حواریوں نے اقرار کیا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار اور اللہ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو کچھ تو نے نازل فرمایا اور ہم رسول کی راہ پر چل پڑے ہیں۔ پس تو ہم کو سچ کی گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔"

سیّدنا حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بالمقابل یہود نے کفر کی روش اختیار کی جبکہ ان پر فرض تھا کہ حضرت مسیحؑ کی دعوت کو قبول کریں اور اُن کا ساتھ دیں۔ مگر قومِ یہود کا اجتماعی فیصلہ دعوتِ مسیحؑ کو رد کرنے کا ہو گیا اور کھل کر کفر پر آمادہ ہو گئے۔

تب حضرت مسیحؑ نے منادی کر دی۔ بنی اسرائیل اور بھی بھنک گئے۔ جو نبی زادے تھے وہی جب دعوتِ حق کو رد کرنے لگے تو اللہ نے حواریوں کے دل میں حق بات ڈال دی اور انھوں نے اُٹھ کر اعلان کر دیا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں (حواری اصل میں دھوبی کو کہتے ہیں) دریا کنارے آبادی کے بہت سے حواری حضرت مسیحؑ کے ساتھ صفِ اول میں کھڑے ہو گئے۔ تب آگے بھی پیروانِ مسیحؑ اسی نام سے متعارف ہوئے۔ یہ ٹھیک اسی طرح کی بات ہے۔ جیسے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ قرآن پر مدینۂ طیبہ کے جو لوگ اوّل اوّل ایمان لائے، اسلامی تاریخ میں انصار کے نام سے مشہور ہوئے۔ مگر چاہے زمانہ عیسوی ہو یا اس کے قبل کا دورِ موسیٰؑ یا پھر دورِ محمدیؐ ہو۔ صفِ اوّل کے لوگ جس دین میں داخل ہوئے وہ اسلام ہی رہا۔ بعد کے لوگوں نے بھلے ہی اس اسلام کا نام محدود معنوں میں اپنے اعمال کے نمونے پر رکھ لیا ہو اور کوئی یہودی کوئی عیسائی اور کوئی کچھ بن گیا ہو مگر دین تو صرف ایک اسلام اور فقط اسلام تھا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔

ایک اشکال یہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو یہود کے کفر کا احساس ہوا تب آپؑ نے دعوتِ اسلامی کو حصارِ یہود سے باہر نکالا۔ ورنہ پہلے تو آپ نے خطاب خاص طور پر یہود ہی سے شروع کیا۔ اور غیر یہود تب تک دعوتِ عیسوی کے مخاطب سرے سے تھے ہی نہیں جبکہ دینِ اسلام کی دعوت تو عام ہوتی ہے اور بلا تخصیص خطابِ عام کو روزِ اوّل سے جاری رہنا چاہیئے تھا۔ بظاہر یہ وسوسہ گو مدلّل معلوم ہوتا ہو لیکن یہ امرِ واقعہ ہے کہ دعوتِ اسلامی کا کوئی بھی داعی چاہے وہ نبی ہو یا نبی کا پیروکار ہو یا پہلی صف کا مبلغِ عام ہو خطاب کے موقع پر اوّل تو اُن ہی لوگوں کی بُرائیاں دور کرنے کی

فکر کرے گا۔ جو دین و مذہب کے دعوے دار ہوتے ہیں۔ ان کے بگاڑ کو درست کر کے انھیں اپنی صفوں میں کھڑا کر کے باطل کو چیلنج کرے گا۔ لیکن جب یہ حضرات خدا کے دین پر مجتمع نہ ہوں اور داعی کو یہ احساس ہو جائے کہ سابقہ جماعتِ حقؑ کے نام دھاری میری مخالفت پر اُتر آئے ہیں۔ تب ہی وہ دعوت کو اپنے پہلے دائرے سے نکال کر عام کرے گا۔ اسے تو کارکن چاہیئے۔ اگر اپنے دائرے میں نہ ملیں تو پھر باہر تلاش کرنا پڑے گا۔ ان سطور سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آج ہم مسلمانوں میں بعض نادان یہ کہتے ہیں کہ دین کی تبلیغ مسلمانوں میں کیسی ؟ تو انھیں حضرت مسیحؑ کی دعوت کا ابتدائی دَور خود ہی جواب دے رہا ہے کہ اوّل خطاب تو ان ہی سے ہو رہا ہے جو بگڑے ہوئے مسلمان ہیں۔ بعد میں عام لوگوں کو اُن ہی حضرات کے سدھار کا نمونہ بنا کر اسلام کی طرف بلایا جا سکے گا۔ یا تی جب تک نام کے مسلمان کھلا ہوا انکار نہ کر دیں تب تک تو ساری طاقت ان ہی کی اصلاح پر خرچ ہو گی۔ گھر میں اندھیرا ہو تو باہر چراغ کیسے جلائے جا سکتے ہیں۔ یہود نے کھُلا ہوا انکار کیا بلکہ قرآن کے الفاظ تو یہ ہیں کہ کفر کیا، مذہب کے نام پر آپسی مارا ماری میں لوگ ایک دوسرے کو کافر بتاتے ہیں۔ مگر یہاں تو خدا کے نبی عیسیٰؑ۔ جو خاص الخاص بنی اسرائیل کے لیے بھیجے گئے تھے ان ہی کی زبان سے یہود کو کافر بنا دیا گیا۔ پس جس نے بھی مان لیا وہی مسلمان سمجھا گیا۔ چاہے وہ دھوبی ہی کیوں نہ رہا ہو اور جس نے انکار کیا وہ باوجود نبیوں کی اولاد ہونے کے بھی مسلمانی سے خارج کر دیا گیا۔

---

# اسلام کی حقیقت

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

(3-آلِ عمران-64)

"آپ فرما دیجئے کہ اے اہلِ کتاب آؤ ایک بات پر جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو رب قرار دیں لیکن اگر یہ لوگ اس بات سے پھر جائیں تو اعلان کر دو کہ اب تم بھی اس بات کے گواہ رہو کہ ہم صرف مسلم ہیں۔"

اسلام کی حقیقت کا جہاں تک تعلق ہے اسے پورے طور پر اس اعلانِ خداوندی میں واضح اور صاف طور پر بیان کر دیا گیا۔ اور یہی حقیقت تمام کتب آسمانی میں پہلے سے خدا کی طرف سے بتا دی گئی تھی۔ جس کے تسلیم کرنے میں کوئی یہودی یا نصرانی یا پھر کوئی ایسا گروہ۔ جو کسی آسمانی کتاب کو اپنے دین کی اساس اور بنیاد مانتا ہو انکار نہیں کر سکتا کہ دین اور مذہب نام ہی ایک خدا کی بندگی کرنے

کا ہے اور شرک سے کلّی طور پر اجتناب ایسا ہو کہ کسی بھی انسان کو اپنا رب وحاجت روا اور مشکل کشا ہر گز تسلیم نہ کیا جائے، اس مختصر سی آیت میں تمام اہلِ کتاب کو ایک کلمۂ جامعہ کی طرف دعوت دی گئی، جو تمام اہلِ کتاب کے نزدیک قدرے مشترک ہے۔ اب اگر کوئی یہودی یا نصرانی اس حقیقت سے روگردانی کرتا ہے تو اُسے بھی ہمارے اس عقیدے پر گواہ رہنا چاہیئے کہ کوئی نیا دین ہم نے ایجاد نہیں کیا۔ بلکہ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق ٹھیک اسی ایک دینِ حق کو تسلیم کیا ہے جو تمام کتبِ آسمانی میں باوجود تحریف کے بھی بہت سے مقامات پر اپنی اصل کے اعتبار سے صاف صاف دکھائی دیتا ہے۔ یہ نکتہ بھی خوب ذہن نشین رہے کہ اسلام میں جب بھی شرک کی آمیزش ہوئی۔ اور بندوں کو بندوں نے رب بنالیا۔ اور مخلوق آپس ہی میں عابد ومعبود بن گئی۔ تب اسلام بجائے اسلام کے بہت سے ناموں سے مشہور ہوا اور اس طرح بہت سے مذاہب عالم وجود میں آئے جنھیں اسلام کی بگڑی ہوئی شکل کہا جائے تو بے جا نہیں بجا ہے۔ کوئی بھی عادل شخص آج اگر قرآن، توریت وانجیل کا مطالعہ کرے گا تو وہ اِس حقیقت کو بآسانی معلوم کرلے گا کہ کہیں بُت پرستی ہوئی کہیں بچھڑا پوجا گیا تو کسی نے انبیاء، اولیاء کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بنا دیا۔ کوئی عزیر پرستی، مریم پرستی، مسیح پرستی وروح القدس پرستی میں مبتلا ہوا۔ ہر طرح کے جلی وخفی شرک کی ممانعت رہی۔ پھر صاحبِ قرآن کی یہ دعوت بھی کیا خوب روشن ہے کہ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ میں ہمارا شمار کیے جانے سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں، جبکہ آپ تو تمام نبیوں کے سردار تھے۔ پھر دوسرے کو یہ حق کیسے پہنچ گیا کہ وہ رب ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے یا اس کے غالی معتقد اپنی کفریہ بکواس میں خدا کو چھوڑ کر اُسے رب کا مدِ مقابل

ٹھہرائیں۔ یہود و نصاریٰ بھی یہی کچھ کر کے دین کی اساس میں تحریف کر چکے ہیں پھر اسلام جیسا مقدّس نام ان کے اپنے ایجاد کیے ہوئے مذاہب سے وابستہ بھی رہتا تو کب تک۔

بالآخر سیاہ و سفید کو الگ الگ ہونا پڑا اور محدود معنوں میں اپنے دلفریب مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اسلام جیسے عطیۂ ربانی کا نام ترک کر کے متفرق مذہبی ناموں سے جنون کی حد تک جب محبّت کی گئی تو خدا کی دھرتی کے نواسی کئی کئی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے اور جب اس پر مدّتِ دراز گزر گئی تو اسلام بے چارہ اپنے ہی لوگوں میں اجنبی ہو کر رہ گیا۔

---

# کیا ابراہیمؑ یہودی یا نصرانی تھے؟

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

(3 - آل عمران - 67-66-65)

"اے اہلِ کتاب تم ابراہیمؑ کے بارے میں ہم سے کیوں جھگڑتے ہو توریت اور انجیل تو ابراہیمؑ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ تو کیا تم کو عقل نہیں بعض باتوں میں تمھیں علم تھا اس میں جھگڑ چکے ہو مگر جس بات کا تمھیں علم نہیں اس میں بحث و حجّت کیوں کرتے ہو اصل علم تو اللہ کو ہے تم کو نہیں۔ سُن لو کہ ابراہیمؑ یہودی بھی نہیں تھے اور نصرانی بھی نہیں تھے وہ تو یکسر مسلم تھے۔ اور مشرک تو وہ ہرگز نہیں تھے۔"

حضرت ابراہیمؑ کی تعظیم و تکریم احترام و عقیدت میں یہود و نصاریٰ تو آگے آگے رہتے ہی تھے۔ لیکن مسلمان بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہے بلکہ وہ تو اپنی

نمازوں تک میں حضرت ابراہیمؑ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت نزولِ قرآن کے زمانے میں بحث وتکرار کا موضوع بنی ہوئی تھی اور ہر گروہ انھیں اپنا بتائے جا رہا تھا، ہر فرقہ یہ دعویٰ کر ڈالتا کہ ابراہیمؑ ہمارے دین پر تھے۔ یہود کہتے کہ ابراہیمؑ ہمارے دین پر تھے۔ نصاریٰ کہتے کہ وہ ہمارے دین پر تھے۔ اس معاملے میں مشرکین کو بھی یارائے ضبط نہیں رہا اور نہلے پہ دہلا مار ہی دیا کہ کہاں کے یہودی، کہاں کے نصرانی وہ تو خالص ہمارے مذہبی پیشوا تھے۔ جو مذہب ہمارا ہے وہی ان کا تھا۔ قرآن نے پہلے تو اہلِ کتاب کی خبر لی کہ بحث وتکرار کے بہت سے موضوع پر تم کچھ نہ کچھ ہلکا پھلکا علم لے کر مسلمانوں سے جھگڑتے رہے ہو مگر یہ کیا بے وقوفی کر رہے ہو کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہودی اور نصرانی بتا رہے ہو جبکہ توریت اور انجیل کا نزول تو ابراہیمؑ کے بعد ہی ہوا ___ دونوں مقدس کتابوں میں مذہبی چار سو بیس کرنے کے بعد تو یہودیت اور نصرانیت کا تانا بانا تیار ہوا عقل اور ہوش سے کام لو۔ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔

ڈانٹ پھٹکار سے لبریز اس تنبیہہِ جلیل سے یہود ونصاریٰ کے مذہبی چودھریوں کی علمی قابلیت عین وقت پر جواب دے گئی اور معمولی عقل وفہم رکھنے والے ہر حجازی فرد پر یہ بات عیاں ہو گئی کہ یہودیت اور نصرانیت نامی مذاہب کا تعلق ابراہیمؑ سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ دلیل کی اس قوّتِ قاہرہ سے قرآنِ پاک نے اوّل تو اہلِ کتاب کے بااثر علماء کو سکوت کی وادیوں میں لا چھوڑا اور بعد میں مشرکینِ حجاز کی طرف توجہ کی مگر ہلکی سی کیونکہ یہ لوگ اپنے مذہب کے متعلق کسی آسمانی نوشتہ کا تصوّر ہی نہیں رکھتے تھے اس لیے انھیں زیادہ توجہ کا مستحق نہیں سمجھا گیا بلکہ

اتنا کہ علمی مجلس سے اٹھوا دیا گیا۔ کہ تم تو مشرک ہو ابراہیمؑ تو یکسر اور خالص مسلم تھے وہ مشرک ہرگز نہیں تھے۔ یہود و نصاریٰ تو خیر کچھ نہ کچھ بنیادی اصولِ دین کے قائل ہیں ان سے بحث و مذاکرے میں بات کی جا سکتی ہے، لیکن کتبِ سابقہ اور دینِ انبیاء کی تذکیر جس مجلس میں ہو رہی ہو وہاں مشرکین کا بھلا کیا کام — پہلے شرک کو چھوڑو پھر بات کرو کہ ابراہیمؑ کیا تھے اور کیا نہیں تھے۔

---

# خلیلؑ کا خلیل کون؟

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ○
(3-آلِ عمران - 68)

"تمام انسانوں میں ابراہیمؑ سے تعلق ونسبت کے دعوے کا حق تو اُن ہی کو پہنچتا ہے جو ابراہیمؑ کا اتباع کر چکے ہوں اور یہ نبی اور وہ تمام لوگ جو ایمان لے آئیں، اور اللہ تو بس ان ہی لوگوں کا دوست اور ولی ہے جو ایمان لے آئیں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی تعظیم پر اہلِ کتاب کا ہمیشہ اتفاق رہا، اور ہے۔ پھر عرب کے مشرکین تو عقیدت کے غلو میں معمارِ کعبہ کو خود ربِّ کعبہ کا ہم پلّہ بنا کر بیت اللہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا بت بھی بنا کر رکھے ہوئے تھے۔ اس لیے عقیدت واحترام میں ان کا مقابلہ تو کوئی بھی نہ کر سکتا تھا۔ رہے مسلمان تو ہم پہلے ہی لکھ آئے ہیں کہ اپنی نمازوں میں اس وقت تک سلام نہیں پھیرتے جب تک حضرت ابراہیمؑ پر درود وسلام نہ بھیج لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ملّت اور دین ہی رب کی خالص بندگی کا دین ہے۔ اب دعویٰ تو ہر ایک کا یہ ہے کہ ہمارا تعلق اور نسبت حضرت ابراہیم

علیہ السّلام سے جس قدر ہے وہ کسی کا نہیں مگر قرآن نے بڑے دلچسپ اندازِ بیان میں تمام گروہ کے دعوؤں کا تجزیہ کر کے اصل حق داروں کی نشاندہی کر دی۔ پہلے تو یہ بتایا کہ تمام انسانوں کا یہ حق ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السّلام کے طریقے پر چلیں۔ مگر جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ ابراہیمؑ صرف ہمارے ہیں تو پہلے اتباع کی بات کرو۔ جنھوں نے ابراہیم علیہ السّلام کی اتّباع کی، وہی سچّے دعوے دار ہیں۔ ہمارے یہ نبی، جو قرآن لے کر آئے ہیں اور واقعی وہ تمام لوگ جو ایمان لائے ہیں یا لائیں گے تعلق و نسبت دوستی اور ولایت کا دعویٰ کرنے میں حق بجانب یہی لوگ ہیں۔

خدا کے دوست سے تعلقات کی دُرستگی خدا پر ایمان لانے سے ہوگی حضرت ابراہیم علیہ السّلام تو دنیا چھوڑ کر ہمارے پاس آگئے ہم ان کے ولی تھے اور ہیں۔ اور تمہارے بھی ولی اور دوست بن جائیں گے مگر پہلے ایمان لاؤ اور خدا کی ولایت سے اپنی جھولیاں بھر لو پھر دعویٰ تم کرو یا نہ کرو، ہم خود تمہیں قبول کیے لیتے ہیں کہ تم ہمارے خلیل کے خلیل ہو، یہاں آج کا مسلمان بھی کچھ دیر کے لیے کھڑا ہو کر سوچے کہ ہم میں بہت سے فرقے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ اور اولیاء کرام کی عقیدت کا دعویٰ تو گلا پھاڑ کر کرتے ہیں مگر اتّباع اور پیروی میں ان کی زندگیاں خود گواہی دیتی ہیں کہ ان میں سچّے لوگ کتنے ہیں۔ بزرگوں کا نام لے لینا اور کچھ رسمیں اور یادگاریں منا لینا ہی مقصود ہوتا تو اہلِ کتاب تو کیا خود مشرکین کی تعریف کرنی چاہیئے کہ وہ بیت اللہ میں پتّھروں میں منقش تصویرِ ابراہیمؑ لگا کر طوافِ کعبہ کیا کرتے تھے جو اِن کے سنّرکیہ عقائد کا کھلا نشانِ عقیدت تھا۔ مگر قرآن نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ اتّباع کے

بغیر تعلقِ ولایت کی بات کرنا محض جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

ادب واحترام کا غلو یہاں قابلِ تسلیم تو کیا الٹا ایک سنگین جرم ہے، جس کی پوچھ گچھ قیامت میں ہر غالی معتقد سے ہونی ہے۔

---

# یہودی سازش کا ایک مخصوص باب

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

(3۔ آلِ عمران۔ 72)

"اور کہا بعض اہلِ کتاب نے ایمان لاؤ دن چڑھے اس پر جو مسلمانوں پر اُتاری گئی اور شام کو اس کا انکار کر دو اس ترکیب سے یہ ایمان سے پھر جائیں گے۔"

یہودِ مدینہ کی اس سازش کا یہاں پردہ فاش کیا گیا کہ وہ بعض لوگوں کو خفیہ طور پر تیار کر کے بھیجتے کہ خوب شور و غوغا کے ساتھ اسلام قبول کریں اور اہلِ ایمان کے ساتھ ہو جائیں، اِدھر مدینہ طیبہ میں جو شخص ایمان لے آتا پورے شہر میں اس کی تشہیر ہونا قدرتی بات تھی اور روزانہ کچھ اصحاب کاشانۂ نبوّت پر حاضری دے کر اپنے ایمان کا اعلان کرتے۔ اس دَور میں یہودی سازش کے مطابق ان کا کوئی خاص آدمی صبح کو اعلان کرتا کہ میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں اور شام کو اس اقرار سے پھر جاتا تاکہ عوام میں یہ چرچا ہو کہ دیکھیے فلاں یہودی لیڈر اور عالم نے اسلام قبول کیا تھا شام تک اسے

اسلام کی حقّانیت پر یقین باقی نہیں رہا اگر واقعی یہ قرآن صحیح ہوتا تو آخر یہود جو کتاب و نبوت سے خاصی دلچسپی رکھتے ہیں وہ کیسے منکر ہو سکتے ہیں دو ایک واقعات اس طرح ہونے کے بعد ان آیات کا نزول ہوا۔ اور ان کی سازش بے نقاب کر دی گئی وہ زمانہ گذر گیا جبکہ یہ واقعات پیش آئے مگر آج تک یہود کی یہ ترکیب برابر جاری ہے اور بعض مقامات پر انھیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ یہودی تاریخ میں اِس منافقت کی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں۔

اسپین میں اسلامی حکومت کے زمانے میں یہودی علماء کی سازش کے مطابق یہود قبولِ اسلام کا اعلان کرتے رہے اور بارھویں صدی میں اسپین کے مسلمانوں کے اندر اور باہر پچاسوں انقلابات اور اُلٹ پھیر میں کامیاب رہے اور یہ بات تفصیل کے ساتھ "جیوش انسائیکلوپیڈیا"، جلد اوّل صفحہ 432 پر آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ ہمارے یہاں بھی علمِ حدیث و روایات نیز اسلامی تاریخ میں جو کچھ تھوڑا بہت اختلاف کبھی کبھی سامنے آجاتا ہے۔ وہ اسی سازش کا پتہ دیتا ہے باقی موجودہ زمانے میں عرب اسرائیل جنگ میں خود عربوں کی صفوں میں بعض یہود پہلے سے موجود ہوں، عجب نہیں کہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوں۔ ہم ہندوستانی بس قیاس اور گمان کی حد تک ہی کوئی بات کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے عرب بھائی اگر تھوڑی سی توجہ اس طرف بھی کریں کہ یہودی لڑکیاں ہمارے اونچی سطح کے عرب ذمّہ داروں سے رشتۂ نکاح میں کہاں کہاں بندھی ہوئی ہیں اور کیا کیا خدمات انجام دے

رہی ہیں۔ تحقیق کی حد تک کوئی حرج نہیں۔ اگر یہ بھی معلوم کرلیا جائے کہ فوجی حکام و اعلیٰ سربراہ کار کے گھروں میں یہودی عورتوں کا تناسب کتنا ہے اور خود اُن عہدوں پر یہود اپنا نام بدل کر کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں جنھیں اب تک مسلمان سمجھا جاتا رہا۔

---

# کاروباری معاملات اور یہود

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ إِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيّٖنَ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (3-آل عمران- 75)

"اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تم مال کا ڈھیر بھی دے ڈالو گے تو وہ تمہیں یہ امانت واپس کر دے گا اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر ایک دینار بھی تم نے دیا ہوگا تو واپس نہ کرے گا یہاں تک کہ تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ یہ بد معاملگی پیدا ہونے کا سبب ان کا یہ قول ہے کہ غیر یہودی لوگوں کا حق مار لینے میں ہم کو کوئی گناہ نہیں یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں۔"

کاروباری معاملات میں یہود کا رویہ اپنے غیر یہود (GENTILES) کے درمیان الگ الگ ہے نسلی مفاخرت اور قومی نخوت کی بوجا ان ظالموں نے یہاں تک کر ڈالی کہ لین دین کے معاملات میں امانت کا قاعدہ اپنے قومی دائرہ میں ہو تو ہو باقی غیر یہودی کا مال اگر کوئی یہودی کھا جائے تو اس پر مذہبی

اعتبار سے بھی کوئی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی۔ دین وشریعت کے ضابطوں کے قطع نظر آج بھی دنیا کی تمام کاروباری منڈیوں میں رونق کا سبب بھی امانت رہی ہے۔

کاروباری معاملات میں امانت ودیانت پاسِ عہد، ایمانداری یہ سب الفاظ اگر اپنے اور غیروں کے لیے الگ مفہوم لے کر کسی قوم نے انسانی معاشرے میں قدم رکھا تو وہ یہود اور فقط یہود ہیں — شرکتِ مضاربت، ملازمت، صنعت وحرفت وغیرہ جتنے بھی معاش کے شعبہائے حیات ہیں ان میں اپنوں اور غیروں کے لیے امانت کے ضابطے اگر الگ الگ ہوں تو ایک طبقہ یہود ہی پورے انسانی سماج میں پھاڑ کھانے والے بھیڑیئے کی تعریف میں آتا ہے۔ اگر دنیا کے بازار اور منڈیوں میں، دکانوں اور کھیت کھلیانوں میں یہ تفریق رواج پاجائے تو بنی آدم کی معاشی وکاروباری حالت کا اندازہ ہر کوئی لگاسکتا ہے کہ کیا ہوگا۔ معاملات میں بے ایمانی رزق کی برکت کا خاتمہ کردیتی ہے، یہ بات پہلی صدی ہجری کے مسلمانوں کو برابر یاد تھی اور قرآن کے اس حکم سے انھیں خوب واقفیت تھی کہ تجارت معاملات ولین دین وغیرہ میں امانت اور ایمان ہی بڑی چیز ہے۔ ایک دینار ہو چاہے مال کا ڈھیر ہو آج ہم مسلمانوں کی حالت یہود جیسی ہرگز نہیں کہ ہم اپنوں اور دوسروں میں معاملات کے الگ الگ ضابطے رکھتے ہوں۔ یہ گناہ بحمداللہ اب تک ہم میں سے کسی نے نہیں کیا البتہ بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ موجودہ معاشی بدحالی میں یہود کا ہاتھ کہاں تک اور کتنا ہے۔ کہنے کے لیے یوروپی لوگوں کے ادارے ایشیائی ممالک میں کاروبار چلاتے ہیں، لیکن ستر فیصد یہود کا تناسب اتنا مخفی رہا کہ اب جاکر اس پر نگاہ پڑی وہ بھی عرب اسرائیل جنگ کے بعد یہود جب عالمی سیاست میں

گفتگو کا موضوع بنے ورنہ پتہ نہیں کب تک یہ پردہ اور بھی پڑا رہتا۔ دنیا کو جان لینا چاہیئے کہ آگے معیشت کو اگر سو فیصد یوروپی یہود کے ہاتھ میں آنا ہے تو غیر یہودی لوگوں کو بھوکے مرے بغیر چارہ بھی نہیں۔ بعض بعض ہمارے اپنے بھی ایسے ضرور ہیں کہ پاسِ امانت کا خیال غیر تو کیا خود اپنوں کے ساتھ بھی نہیں رکھ پاتے۔

اب تک جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس میں جگہ جگہ یہود پر زیادہ تر لعنت کی بوچھار ہے۔ مگر قرآن کی حقّانیت بھی دھیان میں رکھیے کہ عیب گنواتے وقت ہُنر اور سعادت کا تذکرہ پہلے کر دیا کہ بعض یہود تو ایسے امانت دار ہیں کہ مال کا ڈھیر بھی ان کی امانت کو مجروح نہیں کر سکتا مگر باقی سب ایک دینار بھی بغیر سر پر سوار ہوئے واپس نہ دیں گے۔ پھر غیر یہود کا مال حلال کر لیا گیا تھا تو اصطلاحات بھی گڑھنی پڑیں۔ یوں اب تک غیر یہود کے لیے شارحینِ توریت کی زبانوں سے پردیسی کی اصطلاح چل پڑی تھی لیکن نزولِ قرآن کے وقت غیر اہلِ کتاب اور ناخواندہ لوگوں کے لیے اُمّیّین کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ یہود نے اس لفظ کو ہاتھوں ہاتھ لے لیا اور دوسروں کا مال ہضم کر جانے کے لیے اس نام کا خوب خوب استعمال کیا اور آج کالوں اور گوروں کی تمیز کے قصّے افریقہ اور امریکہ میں ان ہی کے دم سے جاری ہوئے ہوں تو تعجب نہیں۔ یہ چھوت کی بیماری یہود جہاں بھی لے گئے وہاں خود دوسرے بھی کب تک ان کی صحبت میں رہ کر اس بھیانک روگ سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ لین دین میں یہود وغیرہ کے فرق

سے انسانی معیشت میں جو دھماکہ ہونے والا ہے وہی شاید دجّال کے ظہور
کا سبب بنے۔ فی الحال تو دجّال کی جگہ سود خور یہودی سرمایہ داروں کی
تھیلیاں ہر جگہ پنجۂ دجّال کی طرح انسانی ضروریات کو اپنے شکنجہ میں
لیتی آرہی ہیں۔

---

# خفیف سا نقصان اور اس کا علاج

لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی ط وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ○ (3-آلِ عمران-111)

"مسلمانو! تم کو یہ لوگ خفیف سے نقصان کے سوا کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے، اور تمھارا مقابلہ کریں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے اور اُن کی مدد بھی کوئی نہیں کر سکے گا"

یہودِ مدینہ زیرِ تذکرہ ہیں اور نزولِ قرآن کے وقت صفِ اوّل کے مسلمانوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ یہود اگر تمھارے مقابلے میں آئے بھی تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اب اسی آیت کو موجودہ زمانے میں عرب اسرائیل جنگ کی چوکھٹ میں لگا کر دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ آج کا مسلمان وہ مسلمان نہیں رہا، جس کو یہاں خطاب کیا گیا ہے۔ مگر یہودی پہلے سے بھی زیادہ چالاک اور ساز و سامان کے ساتھ لیس ہو کر سامنے آیا۔ مقابلہ میں مسلمان نہیں تھا، مسلمان کا مردہ جسم تھا۔ اسلامی روح سے خالی عربوں کی ایک بھیڑ تھی جس پر یہودی بربریت ٹوٹ پڑی۔ یہ وہ مسلم نہیں تھا جسے اس کے رب نے بڑے پیار سے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہا تھا بلکہ وہ تھا جو اپنے ایمان کی طاقت کو بھول گیا اور دینِ توحید کا واضح اعتقاد چھوڑ کر غیروں

کی نقالی میں تقریباً پچھلے سو سال سے مصروف تھا۔ مگر دنیا بھلا اس بات کو کیوں ماننے لگی مردم شماری کے لحاظ سے ہم اب بھی مسلمان ہیں اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ کیسا کلنک لگایا ہم نے اپنے دین پر کہ ہارے خود مگر مشہورِ عالم یوں ہوئے کہ مسلمان ہار گئے، اسلام ہار گیا۔ اب تو سیدھے سیدھے اس اسلام کی طرف بڑھو جو تمھاری کامیابی کا ضامن ہے۔ ورنہ یاد رکھو کہ آج تمھیں پیچھے ہٹنا پڑا اور نصرتِ الٰہی تمھارا ساتھ چھوڑ گئی۔ بھاگتے کو سہارا اگر مخلوق دیتی بھی ہے تو کسی غرض سے جیسے کسی مصیبت زدہ پریشان حال مقروض کو کسی مہاجن نے قرض دیا ہو تو بالآخر وہ اس کے گھر کے ہانڈی، برتن بکوا دیتا ہے کہ اپنے دیئے ہوئے قرض کا پورا نفع اسے حاصل ہو جاتے۔ مگر یاد رہے کہ بھاگنے والے کی نصرت اللہ نہیں کرے گا۔ وہ تو اُن ہی کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کے لیے تیار رہوں گے۔

اپنے ایمان میں کمزوری نہ آنے دو۔ آخر یہود ہم پر کیسے بیسے پڑ گئے جبکہ وہ تو سرے سے اسلام ہی کو نہیں مانتے۔ آخر اُن میں اسلام کا مقابلہ کرنے کی طاقت کہاں سے آ گئی؟ بھائیو! ایمان اور اسلام کو اس جنگ میں کسی نے اُتارا نہیں تھا۔ اسے تو مسجد میں رکھ آئے تھے۔ رہی مادّی طاقت تو وہ بھی تمھاری اپنی نہیں تھی اور تھی بھی تو یہود کے مقابلے میں تکنیکی لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ پھر اب میدان میں دو بیمار اگر اتریں تو جسمانی تندرستی جس کی جس درجہ میں ہوگی وہی بیسا پڑے گا۔ ایسے مواقع پر نصرتِ الٰہی قطعی طور پر غیر جانب دار ہو کر الگ تھلگ ہی رہے گی۔ جب دونوں میں سے کوئی بھی اللہ کی پارٹی کا نہیں تو پھر اُسے کیا پڑی ہے کہ کسی ایک کی مدد کرے، بلکہ میدان میں اپنی اپنی طاقت کے سہارے دونوں کو کھلا چھوڑ دینا ہی سنّتِ الٰہی کا دستور ہوتا ہے۔ یہود کی

حالت آپ پر عیاں ہو چکی ہے کہ دین و مذہب کو ان بے چاروں نے مدّت ہوئی سلام کر لیا ہے آپ کے مقابلے میں یہود کچھ دین کو لے کر نہیں آئے تھے بلکہ اسباب و وسائل، مال و دولت، جدید آلاتِ حرب اور سیاسی جوڑ توڑ کے ساتھ صف آرا تھے۔ صنعت و حرفت کے علاوہ پریس، اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور خبر رساں ایجنسیوں پر یہود کی اجارہ داری، تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی محاذ پر اُن کی موجودگی۔ عالمی سیاست میں ان کا اثر و رسوخ، امریکی حکام میں اپنا ایک خاصہ حلقہ یہ سب عربوں کے مقابل مادّی وسائل تھے۔ ان سب کڑیوں کو جوڑ کر دیکھیے کہ ایک زنجیرِ مسلسل ہے جو ہمارے عرب بھائیوں کے پاؤں کی بیڑی بن گئی، پھر اگر اس بیڑی سے جکڑا ہوا عرب بے بس ہو کر بھی فتح یاب ہو جاتا تب کہہ سکتے تھے کہ مسلمان کے حق میں نصرتِ خداوندی ہوئی۔ باقی اتنے پاپڑ بیلنے کے بعد یہود کی کیا قیمت رہ جاتی۔ جو ساری قوت کے فقدان اور تعداد میں قلت کے باوجود بھی اہلِ ایمان کے حق میں فتح دی جاتی۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ باوجود بڑے بڑے خزانوں، آلاتِ حرب اور مستحکم حویلیاں اور قلعوں کی بہتات ہونے کے بعد بھی بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع اور تمام یہودِ خیبر بے سروسامان اور نہتے اہلِ ایمان کی للکار پر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایمان ہو تب خدا کی مدد نصیب ہوگی۔ 1940ء سے عرب و یہود کے تذکرے سُنتے سُنتے کان پک گئے۔ یہود نے میدان میں پوری مادّی طاقت رکھ دی، یہاں مادّیت تو اتنی نہیں تھی ورنہ پھر بھی کچھ نہ کچھ بچاؤ ہو جاتا۔ مگر ایمان اور اسلام کی ایک طاقت تھی جو ہر مادّی طاقت پر غلبہ پا جانے کی خدائی طاقت کا مظہر ہے۔ تجربے سے بہت سے ثبوت مل جاتے ہیں اس طرح تمام تجربے

کرکے دیکھ لیے گئے اور 1969ء آج ختم ہورہا ہے۔ مگر سب تدابیر بے کار ثابت ہوئیں۔ کیا حرج ہے اگر اسلام کو ایک بار پھر تجربہ کرکے دیکھ لیا جائے کہ مادّی وسائل میں وہ کتنا ٹک سکتا ہے۔

خدا کرے اب اسلام کو ہمارے عرب بھائی میدان میں لا اُتاریں۔ پس مسلمان اب مسلمان ہو جائیں۔ ایمان والے اب ایمان لائیں، یہود کی موجودہ فتح کی ہمارے لیے ایک معمولی سی ضرر سے زیادہ حیثیت نہیں رہے گی اور میدان میں ہمارے بجائے انھیں بھاگنا ہے۔ ہم دین سے بھاگے تھے۔ مادّیت کی وادی میں آکر مگر نئے نئے تھے۔ یہاں یہود کو ہم سے تجربہ زیادہ تھا۔ ہمارا موجودہ اثاثہ جو کچھ بھی ہے۔ جدید آلاتِ حرب کا جتنا کچھ تجربہ ہے، بس وہی کافی ہے۔ ایمان و اسلام ہی اب ہمیں چاہیے، اس کے بغیر کوئی کسر پوری نہیں کی جا سکتی۔

---

# یہود کی حکومت

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ط ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ○ (3-آل عمران-112)

"یہ جہاں بھی پائے گئے ذلت انھیں ماری گئی یہ اور بات ہے کہ اللہ کے تعلق سے انھیں پناہ مل گئی۔ لوگوں کے تعلقات سے بچ گئے۔ مگر اللہ کے غضب میں گھرے رہے اور بے چارگی ان پر مسلّط کر دی گئی۔ یہ اس لیے ہوا کہ انھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، نبیوں کو ناحق قتل کیا اور خوب نافرمانیاں کیں۔ اور حدِ اعتدال سے نکل نکل جاتے رہے"

اس مفہوم کی کچھ اور آیات میں ہمارے یہاں یہ بات مدّتوں سے چلی ہوئی ہے کہ یہود کی حکومت اس دھرتی پر قائم نہیں ہوگی۔ اب دنیا نے دیکھ لیا کہ آج اسرائیل کی حکومت قائم ہے۔ اس لیے بعض لوگوں کو ذہنی الجھاؤ بھی ہوتا ہے۔ کچھ ناعقلوں کو ریب و تشکیک سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، ادھر کئی دنوں سے اس عنوان پر ہمارے ملک کے مسلم اخبارات نے بہت کچھ لکھا علمائے کرام کے

تسلّی بخش جوابات بھی سامنے آئے اس لیے مذاکرہ میں جو کچھ آچکا ہے۔ اس کا بیان نہ کرتے ہوئے کچھ سیدھی اور صاف بات ہم یہاں عرض کریں گے۔

شیطان ایک بہت بڑا فرشتہ تھا اور معلم الملکوت تھا یہ بات آپ نے کئی بار سُنی ہوگی مگر قرآن پاک کی سورۂ کہف میں کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ بتایا گیا۔ یعنی وہ جنّات میں سے تھا اور اپنے رب کے حکم کی اس نے نافرمانی کی۔ اب آپ بتائیے کہ آج تک جو سُنتے آرہے تھے اس کے خلاف کیسی بیّن شہادت مل گئی۔ مگر بہت سے ایسے لوگ جو نانی امّاں کی کہانیوں سے دین کا علم سیکھ کر آئے ہیں ان کے گلے میں یہ بات اُتارنا بڑا مشکل ہوگا۔ شیطان تو خیر جن تھا مگر وہ فرشتہ بھی رہتا تو واقعہ میں کیا فرق پڑ جاتا۔ مگر ایسا کیوں کہا جائے جبکہ قرآن پاک میں صاف صاف بیان کسی بات کا ہے تو اسے ٹھیک ویسا ہی کہنا بھی چاہیئے اور ماننا بھی چاہیئے۔ لیکن صدیاں ہوگئیں قرآن اس امت کے مطالعے کی باہر کی چیز ہوگیا۔ اور سُنی سُنائی باتوں یا نیم پختہ عالموں کے قول یا پھر کسی کی علمی غلطی کو دین کا حصّہ مان لیا گیا۔ تب وقتی طور پر تو کچھ زیادہ نقصان کا احساس نہیں ہوتا۔ مگر بعد میں اس غلط بیانی سے خود اللہ کے بارے میں بعض لوگوں کو شکوک وشبہات ہونے لگتے ہیں۔

شیطان بڑا معلم الملکوت تھا، اسی طرح یہ بھی ہم مسلمانوں میں تذکرہ رہا کہ یہود کی حکومت کبھی قائم نہیں ہوگی۔ حالانکہ قرآن پاک میں کوئی ایک آیت بھی نہیں بتائی جاسکتی جس میں واضح طور پر یہ بات بتائی گئی ہو کہ یہود کی حکومت قائم نہیں ہوگی۔ ہاں البتہ ان کی ذلّت و بے چارگی مسکنت وغلامی کے تذکرے

خوب خوب ہیں مگر اِس سے یہ بات کہاں سے ٹپک پڑی کہ تا قیامت ان کی حکومت قائم نہ ہوگی۔ ان کے اعمالِ بد واقعی ایسے ہیں کہ حجاز سے بھاگنے کے بعد انھیں چین نصیب بھی نہیں ہوا۔ خدائی شعلۂ انتقام ان پر بار بار بھڑکا ہے۔ بار بار یہ لوگ اجڑے ہیں۔ جرمنی، ہنگری، زیکوسلواکیہ اور اٹلی میں تو یہ لوگ باوجود خوش حال ہونے کے بھی ذلیل و خوار ہی رہے۔ بہت سے ملکوں میں جمع بھی ہوئے، اور منتشر بھی ہوئے مگر اس ذلّت آمیز زندگی کا نصیب میں لکھا جانا اسی لیے تو ہوا کہ یہ لوگ خدا کے بڑے نافرمان ثابت ہوئے۔ لیکن کیا ہم، فرماں بردار تھے؟ آخر اللہ تعالیٰ ہم جیسے بگڑے مسلمانوں کی اچھی طرح مزاج پُرسی کے لیے جلادوں کا تقرر اولیاء اور صلحاء کی جماعت میں سے کرنے سے رہا۔ لامحالہ جلّادوں کا انتخاب تو کچھ ایسا ہی ہونا تھا کہ نہ صرف ہماری روح اور جسم بلکہ قلب و ضمیر بھی خوب خوب محسوس کریں کہ حاکمِ اعلیٰ رب العالمین کو ہم سے بڑی ناراضگی ہے۔

بادشاہ جب اپنی اولاد پر بگڑ جاتے ہیں تو وزیر کے ہاتھوں نہیں پٹواتے بلکہ چماروں اور بھنگیوں سے جوتے لگواتے ہیں، تبھی شہزادوں کا دماغ ٹھکانے لگتا ہے۔

یہود کی حکومت کی بات[1] چل رہی تھی۔ پچھلے بیس برس سے قرآن پاک کا

---

[1] احادیثِ نبویہ میں یہ مضمون متواتر آیا ہے کہ اخیر زمانے میں یہود کا قبضہ ارضِ فلسطین پر ہو جائے گا اور تمام تر یہود ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تب ان میں دجّال پیدا ہوگا جو اِس وقت کے یہودی اقتدار کا افسرِ اعلیٰ ہوگا اور مسلمانوں کو اس زمانے میں یہود کا مقابلہ کرتے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مطالعہ میرا وظیفہ رہا ہے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ہر مسلمان کو اس کے ساتھ یہی تعلق ہونا چاہیئے۔ مگر میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہود کی حکومت قائم نہ ہوگی۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ اس طرح کی پیش خبریوں پر مشتمل روایات کا سلسلہ ذخیرۂ احادیث میں موجود ہے ہمارے علمار کرام ان احادیث پر برابر غور و فکر کرتے رہے اور ملّتِ اسلامی کو اس خطرے سے خبردار کرنے کے لیے نبوی پیشین گوئیوں کو عوام کے ذہن نشین کرانے کی برابر کوششیں کرتے رہے مگر ہمارے سلاطین اور سیاسی رہنما ان روایات کو ملّاؤں کے دلچسپ مشغلہ سے زیادہ اہمیت دینے کو کبھی تیار نہ ہوتے عوام بھی اس معاملہ میں علمار کرام کی باتوں کو صرف وعظ کی حد تک سُنتے رہے۔ کسی نے بھی اب تک اس خطرے کا نوٹس تک قبول نہ کیا اس کی وجہ یہ رہی کہ منتشر اور پراگندہ یہود کو مسلمانوں نے چوکس نگاہوں سے دیکھتے رہنا ایک بے کار سی بات سمجھا کہ یہود جیسے بے مکان اور بے ٹھکانہ لوگ ہمارا بھلا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ رہے سلاطین اور سیاسی رہنما، تو یہ لوگ ہمیشہ قرآن و حدیث کی بات کو اسی وقت مانتے ہیں جب یا تو خود ہی اقتدار کی کرسیوں سے بے دخل کر دیئے جائیں، یا ملک الموت کا ہاتھ ان کی گردنوں تک پہنچ جائے۔

قرآن و حدیث کی تمام باتیں اپنے اپنے وقت پر برابر ظاہر ہو کر رہتی ہیں کسی معاملہ میں حالاتِ حاضرہ سے ان باتوں کا وزن بظاہر کم تر دکھائی دے تب بھی مسلمان کو بے یقین نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ جب یہ پیش خبریاں پوری ہونے کا وقت آتا ہے تب اس بے یقینی پر آدمی کو بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اسی طرح غلط قسم کی باتوں اور بے تحقیق معلومات پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہنے والے بھی وقت آنے پر مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہ بات کہیں بھی کلام پاک میں نہیں کہی گئی۔ ہاں انھیں بچ بچا کر رہنے میں کبھی کبھی الٰہی اور غیر الٰہی سہارا کام دے جاتا ہے کہ آخر ہیں تو وہی لوگ جو توریت کے حامل مانے جاتے ہیں۔ نام کی نسبت کبھی کبھی کام دے بھی جاتی ہے اور عام کاروباری لوگوں سے نیز ہمسایہ حکومتوں سے جو کچھ معاہدے ان کے بڑے بڑے تاجروں اور سرمایہ داروں نے کر رکھے تھے اس پر انھیں کچھ وقت چین کی سانس لینے کا موقع میسر آ گیا۔ اب رہی آج کی اسرائیلی حکومت تو اسے صحیح معنوں میں اسرائیلی حکومت کہنا غلط ہی ہوگا۔ یہ تو دراصل استعماری طاقتوں میں یہود کے اثر و نفوذ کا نقد نفع ہے جس میں دوسری طاقتیں بھی برابر کی شریک ہیں۔ زیادہ دن تک ایک طبقہ یہود ہی اس حکومت کا مزہ لے نہیں سکے گا۔ حالات کچھ ایسے پلٹیں گے کہ دوسرے شرکاء بھی اپنا حصّہ وصول کریں گے۔ کون نہیں جانتا کہ یورپی سیاست کی بازاری بیسوا کے ساتھ یہودی سرمایہ دار اور استعماری ایجنٹوں کے مشترکہ ناجائز تعلقات سے یہ ایک بچّہ پیدا ہو گیا۔ دیکھیں! اب اس ولد الزّنا کی سرپرستی کا دعویٰ تنہا یہود کب تک کرتے رہیں گے اور دوسرے شرکاء اسرائیل کے اس دعویٰ کو بے عزّتی کے ساتھ کب تک برداشت کریں گے ورنہ پھر مسلمان اس ولد الزّنا کا قلع قمع کریں گے ہی ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ تو ہو کر ہی رہے گا۔

---

# یہود کے نیک لوگ

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ (3 - اٰلِ عمران - 115-114-113)

" اہلِ کتاب سب برابر نہیں ہیں ۔ ایک جماعت ان میں اب بھی قائم ہے ۔ تلاوت کرتے ہیں اللہ کی آیات ۔ اوقاتِ شب میں سجدہ کرتے ہیں ۔ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں ۔ بُرائیوں سے روکتے بھی ہیں اور بھلے کاموں میں جلدی کرتے ہیں یہی صالح لوگ ہیں ۔ اور جو بھی نیک کام یہ کریں گے ۔ اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی ۔ اللہ تو پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے ۔"

قرآن خدا کا نازل کیا ہوا ہے ۔ اس پر دلیل اگر کسی کو چاہیئے تو اس طرح کی آیات کو وہ زیرِ بحث لا کر سوچے کسی انسان کا کلام اگر یہ قرآن مجید ہوتا تو آپ یہود کے صالح عنصر کی تعریف بھلا کہاں سُن سکتے تھے دشمن کی کسی خوبی کا اعتراف یوں بھی مشکل ہوتا ہے پھر دشمن بھی ایسا ۔ جو ہر محاذ پر ٹکرانے کو پوری سج دھج کے ساتھ

موجود ہو۔

ایسے دشمنوں کی تعریف اور تعریف بھی کیسی کی کہ سنگریزوں میں ہیروں کا تعارف کرا دیا گیا اور بتایا کہ دشمن کی صف کے تمام لوگ یکساں ہیں اس طرح کہنا یا سوچنا انصاف کی بات نہیں۔ ہم تو عالم الغیب ہیں۔ ہمیں تو ان کے شب و روز معلوم ہیں۔ یہود کا ایک طبقہ حق پر اب بھی قائم ہے۔ اللہ کی آیات پڑھتا ہے۔ راتوں کو سر بسجود ہوتا ہے۔ اللہ پر ایمان اور آخرت کی فکر نیکی اور بھلائی کے کاموں میں لپک کر اور دلچسپی کے ساتھ دوڑ لگاتا ہے۔ ایسے نیک کردار لوگ یہود میں نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ اب بالکل نہ ہوں۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ فلسطین میں پہلے سے جو یہود بسے ہوئے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ ان صفات کے حامل ہوں۔ فلسطین میں عرب مسلمان تو ڈاڑھی منڈوا کر سوٹ، بوٹ، نکٹائی پہن کر بازاروں میں انگریزوں کی گنتی میں آجاتے۔ اور مقامی یہود بڑی بڑی ڈاڑھیاں اور شرعی لباس سے ہندوستانی علماء دین معلوم ہوتے تھے۔ چاہے کوئی یہودی کاشتکار ہو یا دکاندار مگر لباس و معاشرت میں باہر کے لوگوں کو مسلمان معلوم ہوتے۔ تبلیغی جماعت کے ایک صاحب بہت پہلے جب ان علاقوں میں تشریف لے گئے تھے۔ وہ بتا رہے تھے کہ ہم جب ان مقامات سے گذرے تو مقامی عرب مسلمانوں نے ہم کو یہودی خیال کیا، اور ہم نے وہاں کے مقامی یہودیوں کو مسلمان سمجھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مدتوں سے عرب کے کلمہ گو مغربی ہو چکے ہیں اور یہ تک بھول چکے ہیں کہ ڈاڑھی رکھنا بھی مسلمان کا ایک کام تھا۔ اور اب وہ خیال کرتے ہیں کہ ڈاڑھی رکھنا یہود کا نشان ہے۔ ایک لطیفہ اگر اس

طرح بنایا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ نصرتِ الٰہی کے فرشتے نے عرب یہود کی جنگ میں بجائے مسلمانوں کی مدد و نصرت کے اپنا ساتھ یہود کے پلڑے کر دیا ہو کہ ظاہر میں تو مسلمان وہی معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی رنگ ڈھنگ تو ہونا چاہیئے۔ مسلمان کا باطنی بگاڑ تو انتہا کو تھا مگر اسلام کی ظاہری علامت اور نشان بھی یہود کے ہاتھوں میں دے دیا۔ اور خود فرنگی تہذیب میں ایسے غرق ہوئے کہ شیطان بھی مارے شرم کے عرق عرق ہو گیا۔

یہود کے صالح افراد کا تذکرہ چل رہا تھا۔ آیات کے نزول کے وقت صالحینِ یہود کے بعض خاص خاص اصحاب میں عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، اسد بن عبید کے نام نامی حدیث، فقہ اور تاریخ کی کتب اسلامی کے اوراق میں محفوظ ہیں، جس طرح دوسرے اکابرین کا ادب واحترام ہم کرتے ہیں، اسی طرح یہ حضرات بھی ہمارے دینی وروحانی پیشوا مانے گئے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ نیکی کا کام جو بھی کرے گا نا قدری نہ کی جائے گی یہ اللہ کا اٹل قانون ہے۔ کہتے ہیں عرب یہود جنگ میں عربوں کا جو حال تھا وہ سب پر عیاں ہے۔ مگر یہود کے مقامی فلسطینی قدیم باشندے ننگے سر اور ننگے پاؤں سڑکوں پر توریت لے کر دعا گو تھے۔ خدایا ہمیں بچا۔ یہ بات دوسری ہے کہ جس طرح ہمارے یہاں کے کسی روزے، نماز، قرآن وحدیث کی بات کرنے والے کو مُلّا کہہ کر چُپ کر دیا جاتا ہے۔ مگر وقت پڑنے پر بے چارہ یہی مُلّا خدا کے دفتر میں دوڑ کر جاتا ہے اور آستانۂ عالیہ پر سرٹیک کر یہی عرض کرتا ہے کہ میری قوم کی حفاظت فرما۔ یہ تو آپ سب جانتے ہیں کہ مُلّاؤں کو موت کے وقت بلایا جاتا ہے۔ کفن دفن، نمازِ جنازہ سب ان ہی کی رہنمائی اور مشوروں سے انجام پاتا ہے۔ یہود نے یہ تو کیا کہ یورپین یہود تو تکنیکی سامان سے لڑیں گے۔ تم فلسطینی یہود رو پیٹ کر اپنے رب سے التجا کر لینا۔ مگر عربوں میں یہ بات بھی نہیں دکھائی دی اور نہ ہونے والی بات ہو گئی۔

# مسلمانوں کی محبّت کا جواب

هٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

(3 - آل عمران - 119)

"تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبّت رکھتے ہو۔ اور انھیں تم سے ذرا بھی محبّت نہیں۔ حالانکہ تم تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ تم سے جب ملتے ہیں تو یہی کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لا چکے ہیں۔ اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں مارے غصّے کے انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ کہہ دو اُن سے کہ مر جاؤ اپنے غصّہ میں، اللہ تو دِلوں کی باتوں کو خوب خوب جانتا ہے۔"

یہود کے کینہ اور چھل کپٹ کا یہ کوئی نیا عنوان نہیں۔ مگر اب کی بار اس مضمون میں مسلمانوں کا رویہ واضح کیا گیا کہ اہلِ کتاب اور پہلے سے مسلمان ہونے پر یہود کا بڑا خیال مسلمانوں نے ہمیشہ رکھا ہے۔ بلکہ ان سے اور نصاریٰ سے دوسرے تمام کے مقابل محبّت کی ہے۔ قرآن نے کہا کہ مسلمان کا عمل کیا خوب ہے کہ ان سے محبّت کرتا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ مسلمان کی سادہ دلی اور نیک خصلت کا استقبال انھوں نے سیاسی چال بازی سے کیا انھیں دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ایمان

میں آپ کے ساتھ ہیں مگر اپنی مجلسی زندگی میں انھیں محض دشمن خیال کرتے ہیں اور مسلمان کی کسی کامیابی سے کوئی اہلِ کتاب کبھی خوش نہ ہوا۔ خوب جواب ہے مسلمانوں کی محبّت کا۔

مگر مسلمان اپنی سابقہ عادت کے مطابق یہودی و مسیحی لوگوں کا بڑا خیال کرتا رہا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں اہلِ کتاب کو بڑے بڑے منصب دے کر اپنی پہلی صفوں میں انھیں جگہ دی اور اسی نادانی سے ہمارا بیڑا غرق ہوا، ورنہ قرآن نے تو کہہ دیا تھا دانت پیس لیں گے، تمھاری بوٹیاں نوچ لیں گے۔ اور اگر اس پر بس نہ چلا تو مارے غصّے کے اپنا ہاتھ تو چبا ہی جائیں گے۔ مسلمان کو قرآن سے واقفیت اور یہود سے دھوکہ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں ہوسکتیں۔ مگر اللہ کے فرمان سے ہم نے دلچسپی کب دکھائی ہے۔ جس نشیب میں گرنا چاہا گر گئے حالانکہ قرآن پاک نے لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ[1] کا حکم جاری کر دیا تھا، مسلمانوں نے اس آیت پر عمل کرنے میں سُستی اور کاہلی برتی۔

پانچویں صدی ہجری میں حکومت و سلطنت کے تمام کاروبار میں یہود اور مسیحی تک ہماری صفوں میں گھُس آئے۔ ترکی سلطنت اور خلافت کے قضیہ میں یہود کی موجودگی کا انکار کون کر سکتا ہے۔ اور مغلیہ سلطنتوں کی قبر کھودنے میں عیسائیوں کا ہاتھ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آج بھی مسلمان حکومتوں اور مسلم سربراہوں کے آپسی تنازعے میں یہود و نصاریٰ کا عنصر برابر کام کیے جا رہا ہے عوام تو بیچارے

---

[1] اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار اور بھید جاننے والا نہ بناؤ۔

صرف ان کے فاسد تمدّن اور گندی معاشرت ہی سے دوچار رہے مگر اعلیٰ سطح کے ہمارے قائدوں نے یہود و نصاریٰ کی دورنگی پالیسی کو اُس وقت تک نہیں سمجھا جب تک ان کی سازش کا شکار ہو کر خود زیرِ زمین نہیں ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

---

# یہودی مسخرہ پن

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ م سَنَکْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَھُمُ الْاَنْبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ لا وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ○ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ع

(3-آل عمران-182-181)

"بے شک اللہ نے سُن لیا ہے۔ اُن کا قول جب انھوں نے یہ کہا کہ اللہ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں، ان کی تمام بکواس کو ہم لکھے ہوئے ہیں اور ناحق قتلِ انبیاء کو بھی ہم نے لکھ رکھا ہے اور ہم فرمائیں گے کہ آگ کی تیز جلن کا عذاب چکھو۔ یہ سزا تمھاری ان حرکتوں کی وجہ سے ہے جو تم اپنے ہاتھوں بھیج چکے ہو۔ رہا اللہ تو وہ بندوں پر ظلم کبھی نہیں کرتا۔"

یہودی مسخرہ پن کا ایک نمونہ یہ بھی دیکھ لیجیے۔ اہلِ ایمان کو انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کی ترغیب دیتے وقت خدا نے جب یہ فرمان جاری کیا کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ط تو یہود کہنے لگے کہ خدا کو قرض لینے کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ انھیں خوب معلوم تھا کہ بندے کا حوصلہ بڑھانے کو یہ فرمایا گیا کہ آج دے دو کل ہزار، لاکھ گنا لے لینا۔ تمھاری ایک کوڑی بھی رائیگاں نہیں جائے گی جو اس کی راہ میں خرچ کروگے، وہ سارا مال خدا کے یہاں موجود پاؤ گے۔ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ۔

یہود کا ایک قبیلہ بنی قینقاع نواحِ مدینہ میں آباد تھا۔ اس قبیلے میں سیٹھ، ساہوکاروں اور صرّافوں کی بڑی بہتات تھی۔ یہ لوگ ایسے موقع پر مسلمانوں کو پست ہمّت کرنے کے لیے کہتے کہ خدا قرض مانگ رہا ہے اور ہم ہیں اصل مالدار جا ہے جسے سود پر روپیہ لینا ہو ہم سے لے جائے۔ اس موقع پر علماء یہود کا کام تھا کہ ان شر پسندوں کا منھ بند کرتے اور ان کے خلاف فتوے جاری کرتے کہ تم نے حضرت حق جلّ مجدّہٗ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا جبکہ دینی پیشوا خود ہی ساہوکاروں کا مال کھاتے تھے اپنی درویشی کے کھوٹے سکّوں سے یہ خود بھی واقف تھے کہ ساہوکار ہاتھ سے نکل گئے تو دو وقت کی روٹی بھی نصیب نہ ہوگی۔ مسلمان کو بھی چاہیے کہ ظاہر اور باطن میں ہر طرح اپنے خدا کا ادب واحترام قائم رکھے۔ اور زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہے جو بارگاہِ رب العزّت میں ناراضی کا سبب بن سکتی ہو۔ کج فہمی سے آدمی اگر کسی بات پر معترض ہو تو اسے حقیقت پر خاک ڈالنے کے بجائے اصل صورتِ حال پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا اللہ نے قرضِ حسنہ طلب فرما کر اپنی کوئی ضرورت پوری کرنی چاہی؟ نعوذ باللہ معاذ اللہ۔

ہمارے بے سہارا اور محتاج یتٰمیٰ و مساکین پر خرچ کرکے رفاہِ عام اور انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بیواؤں، اپاہجوں اور قرض داروں، دکھیوں بھوکوں اور مصیبت زدہ لوگوں اور قیدیوں کی امداد کی طرف ہماری انسانی ہمدردی کو اپیل کی ہے اور بڑے پیار سے اس راہ میں خرچ ہونے والی رقم کو اپنے ذمّہ قرض بتایا۔ ایک مومن بندہ کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ ایک طرف تو اسی کے کنبہ برادری، خاندان اور وطن کے لوگ اس کے انفاق فی سبیل اللہ سے اپنی ضرورتیں

پوری کریں اور دنیا میں امن و امان رہے۔ طبقاتی کشمکش کا خاتمہ ہو۔ سخاوت کا رواج عام ہو، دوسری طرف یہ خرچ رائیگاں نہ کیا جائے بلکہ اس کے اصل مالک نے اس کا نعم البدل دینے کا وعدہ کرلیا اور اَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃً کر کے اس کی واپسی اپنے ذمّے لی۔ بتائیے! اب اس کارِ خیر میں خرچ ہونے والا مال خدا کے کس کام میں آیا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ چھٹانک بھر علم کے لیے من بھر کی عقل چاہیئے۔

---

# کتاب کا حصہ گنوا بیٹھے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ؕ (4۔ سورۃ النساء ۔ 44)

"کیا تم نے ان کے حال پر غور نہیں کیا جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ گمراہی کے خریدار بنے ہوئے ہیں اور ان کے بڑے ارادے ہیں کہ تم بھی راہ سے بہک جاؤ"

یہود کو علم کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ اور اس علمِ الٰہی کے مقابل یہ ظالم ہمیشہ گمراہی کے خریدار رہے ہیں۔ قرآنِ پاک نے چودہ سو سال قبل یہ بات کہی۔ کسی بھی یہودی نے اس آیت کو پڑھا ہوگا۔ دانت پیس کر رہ گیا ہوگا۔ مگر قرآن کی حقانیت کا ثبوت بھی دیکھتے جائیے کہ دورِ جدید کے محققینِ یہود میں ڈاکٹر ہنری انوخ کاگان ایک مشہور و معروف یہودی فاضل ہیں۔ دینِ یہود کے بڑے محقق اور علمِ نفسیات کے ماہرین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان صاحب کی ایک کتاب SIX MAN WHO CHANGED THE WORLD (وہ چھ بڑے آدمی جنھوں نے دنیا بدل دی) میں صاف صاف لکھتے ہیں اور بڑے فخر کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ کمیونزم اور طبقاتی کشمکش کے بانی کارل مارکس نیز مشہور سائنٹسٹ آئین اسٹائن اور ماہر نفسیات فرائیڈ یہ سب یہودی تھے۔ کون نہیں جانتا کہ کارل مارکس نے خدا، مذہب

اور اخلاق کی مخالفت میں دنیا کو الحاد وانار کی نیز طبقاتی جنگ کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ کارل مارکس جیسے ملحد کو بھی محقق صاحب حضرت موسیٰؑ کا ہم وزن قرار دیتے ہیں اس محقق کو اس پر کوئی شرم وجھجک محسوس نہیں ہوئی کہ دنیا کے چھ بڑوں کے نام اس نے اس طرح گنوا دیئے۔ حضرت موسیٰؑ[1]، حضرت علیسیٰؑ[2]، تثلیثی عقیدہ کا بانی پال (پولوس)[3] کارل مارکس[4]، آئین اسٹائن[5]، فریوڈ[6]۔

کارل مارکس کے متعلق تو ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ ملحد تھا۔ اب رہے آئین اسٹائن اور فریوڈ۔ تو اُس میں شک نہیں کہ آئین اسٹائن سائنس داں تھے اور فریوڈ علم نفسیات کے ماہر، مگر کیا انھیں انبیاء کا ہم پلّہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور کیا جہاں نبیوں کے مرتبے اور عظمت اور ان کے کارناموں کا ذکر ہوتا ہو وہاں ان کی صف میں کسی ملحد کا شمار کر کے اسے بھی دنیا کا بڑا آدمی قرار دیا جا سکتا ہے، بس یہ ہی صدیوں پہلے کا بے دینی مزاج ہے ورنہ یہود کو شرم آنی چاہیئے تھی، اور کسی کو بھلے ہی ادب و احترام کے قابل نہ سمجھتے ہوں۔ مگر حضرت موسیٰؑ کو تو وہ اللہ کا نبی مانتے ہیں پھر یہ کیسی بے ادبی اور گمراہی کی بات ہوئی کہ کارل مارکس کو بھی اس درجہ میں دنیا کا بڑا آدمی بنا دیا گیا۔ ہم مسلمان آج بہت کچھ بگڑ چکے ہیں۔ لیکن بحمد اللہ اب بھی ناموسِ رسالت کا پاس و ادب ہم میں موجود ہے، ہمارے یہاں تو نبیوں کی صف میں کسی غیر نبی کا گذر نہیں۔ نبی کے ساتھ کسی ملحد کا بھان کر کے یہود نے خود ہی ثابت کر دیا کہ اب انھیں علمِ کتاب کا وہ بقیہ۔ جو اُن کے پاس ہے۔ اور موسیٰؑ جیسے نبی کی تعلیم ان کی نگاہ میں کارل مارکس کی تعلیم کے برابر ہے، قرآن نے یہ کہہ کر کہ ان

کے ہمیشہ یہ ارادے رہے کہ کسی طرح تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔ واقعاتِ یہود کی یہ صاف اور کھلی ہوئی تصویر ہے جسے دیکھنے کے بعد اس یقین میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہود اسی طرح کتابِ الٰہی کا حصّہ گنوا بیٹھے ہیں جب ہی ہر طرح کی گمراہی و بے دینی کے امام انہی کی جماعت سے اولادِ آدم کو بھٹکانے کے لیے اٹھتے رہے اور اُن کا شمار بھی یہود کے یہاں انبیاء کی صف میں ہوتا رہا۔

عجب نہیں کہ علم الاجتماع کا کوئی سر پھرا محقق اگر یہود کی کھوج لگانے بیٹھ جائے تو تاریخِ انسانی میں گمراہی، بدی، شر و فساد، جنگ و جدال نیز ہر طرح کی انارکی میں اُسے یہودی قوم کا ہاتھ ہر جگہ کام کرتا ہوا صاف صاف دکھائی دے جائے گا۔

---

# یہودی بن گئے

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ط وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ لا وَلَٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○

(4 - النسآء - 46)

"اور جو لوگ یہودی بن گئے۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہیں، جو بات کو اس کے ٹھکانے سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں سُنا ہم نے مگر مانیں گے نہیں۔ اور کہتے ہیں ہماری سُنو۔ اور تمھیں نہ سُنایا جائے، اور راعنا کہہ کر زبان توڑ مروڑ کر دین میں طعنہ کی راہ نکالتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ سُنا ہم نے اور قبول کیا اور سنو ہم پر نظر کرو۔ تو یہ طریقہ ان کے لیے درست اور بہتر تھا۔ لیکن ان پر تو اللہ کی طرف سے لعنت کی پھٹکار ہو چکی ہے۔ ان کے کفر کے سبب۔ پس تھوڑے سے ہی ایمان لائیں گے"

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا سے صاف واضح ہو گیا کہ یہ لوگ بعد میں یہودی بن گئے۔ یہودیت کوئی ایسا مذہب نہیں تھا۔ جس کی سند خدا نے انھیں عطا کی ہو۔

قرآن میں یہود سے خطاب کرنے میں جہاں انھیں نصیحت کی جاتی ہے وہاں یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ کہا گیا ہے اور جہاں اظہارِ غیض وغضب کا موقع آیا وہاں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ هَادُوۡا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ یعنی اے وہ لوگو! جو یہودی بن گئے ہو۔

---

# طاغوت کے مومن

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰٓؤُلَآءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ○ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ ط وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا ○ (4 - النسآء - 52 - 51)

"تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جنھیں کتاب اللہ کا ایک حصہ عطا کیا گیا ہے مگر وہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کے مقابلے میں منکروں کو زیادہ ہدایت یافتہ کہتے ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ کی طرف سے لعنت کی پھٹکار ہے اور جس پر خدا نے لعنت کر دی اس کا کوئی مددگار تم نہ پاؤ گے"

دین و توحید اور آئینِ انبیاء کے حصہ دار جبت و طاغوت پر ایمان رکھنے لگے۔ جبت کہتے ہیں ہر اُس وہمی چیز SUPERSTITIONS کو مثلاً جادو ٹونہ، فالگیری، جنتر منتر، چھو چھا وغیرہ۔ ٹونے ٹوٹکے اور سفلی علوم جب یہود کی قومی خصلت ہو گئے تو انبیاء اور کتبِ آسمانی کے علوم سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ ادھر یہ سفلی علوم شیطان کی رہنمائی اور قیادت ہی میں سیکھے جا سکتے تھے۔ جو خدا کا باغی اور سرکش ہونے کے ساتھ پوری نسلِ آدم کا

بدترین دشمن ہے۔ طاغوت کا لفظ قرآن میں سرکشی طغیان اور بغاوت کا ہم معنیٰ پایا جاتا ہے۔ اور یہ صفات تمام تر شیطانِ لعین کی ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر وہ شخص جو خدا کا باغی ہو اسے طاغوت کہا جائے گا۔ شیطان چونکہ علومِ سحر میں یہود کا استاد رہا اس لیے جبت کے ساتھ طاغوت پر ایمان لانے والے بھی انھیں قرار دیا گیا۔ حجاز کے مشرکین اور کافرین کو اہلِ ایمان سے زیادہ ہدایت یافتہ بتا کر تو علمارِ یہود عریاں ہو کر سامنے آگئے۔ اور آج تک مسلمانوں کے مقابلے میں یہی رویّہ اختیار کر رکھا ہے۔ اور تا قیامت اس رویّہ میں اصلاح کی اُمیّد اُن سے نہیں کی جاسکتی۔

---

# پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے

اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا

(4 - النّسآء - 55 - 54-53)

"اگر انھیں سلطنت میں کچھ حصّہ ملے تو لوگوں کو پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے۔ تو پھر کیا حسد کرتے ہیں ان پر جنھیں اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے۔ سو ہم نے تو آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی اور انھیں بڑا اقتدار بخشا پھر کوئی تو اُن میں ایمان پر قائم رہا۔ اور کوئی ہٹ گیا۔ اور دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔"

حضورِ اکرمؐ اور آپ کے ساتھیوں کو ملی ہوئی فضیلت پر یہود اسی وقت سے اب تک مِن حیث القوم حسد میں مبتلا ہیں انھیں بتایا گیا کہ خدائی عطا و بخشش اور اس کی داد و دہش میں تمھیں کب حصّہ داری دی گئی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو رتّی برابر بھی دوسروں کو تم دینے والے نہیں تھے۔ پھر جب تمھارے دیئے سے کسی کو کچھ نہیں ملا، اور جو کچھ بھی کسی کو دیا ہم نے دیا۔ تو تمھیں جل مرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یوں بھی

آل ابراہیم کو ہم نے ہمیشہ دانش مندی اور علم کتاب سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور انھیں اقتدار اور سلطنت بھی دیتے رہے۔ مگر کب تک؟ بس جب تک ایمان پر یہ لوگ قائم رہے۔ جب ایمان سے کوئی رک کر کھڑا ہو گیا تو اب اسے کسی اور سے حسد و جلن کرنے کی بجائے تائب ہونا چاہیے یا جہنم میں جلنے کو تیار رہنا چاہیے۔ موجودہ زمانے میں یہودی اقتدار گو خالص نہیں مگر دوسروں کے ساتھ ساز باز سے قائم ہے۔ دیکھیے! اب ان کی یہ قومی خصلت بین الاقوامی دائرے میں کب ظاہر ہوتی ہے کہ اقتدار کا کچھ حصہ بھی اگر انھیں نصیب ہوا تو پھوٹی کوڑی بھی دوسروں کو نہیں دیں گے یوں تو وطن الیہود کے قائم ہوتے ہی فلسطین کے عربوں کو کوڑی کوڑی کا محتاج بنا کر اپنی حیران کن تنگ نظری کا ثبوت یہودی قوم دے چکی ہے۔

---

# بُرائی کی سزا ہر ایک کو ملنی ہے

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۤءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ (4 - النسآء - 123)

"مسلمانو! تمھاری تمناؤں سے بھی کچھ حاصل نہیں اور اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر بھی نجات موقوف نہیں۔ بس جو بھی بُرا عمل کرے گا اس کی سزا بھگتے گا اور خدا کے مقابلہ میں اپنا کوئی ولی و ناصر نہ پاسکے گا۔"

قرآن کے اس حکم کے مخاطب مسلمان ہیں انھیں بتا دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم خاص بندے ہیں جن گناہوں پر مخلوق کو سزا ہوگی ہمیں نہیں ہوگی کیونکہ خدا کے خاص الخاص بندوں کے دامن کو ہم نے تھام رکھا ہے۔ ان کی تربت پر چادریں چڑھا کر انھیں خوش کر رکھا ہے وہ ہماری حمایت کریں گے اور ہماری پکڑ نہیں ہوگی۔ اس عقیدے نے انھیں اتنا مریل کر دیا کہ کردار کی بڑائی اور معراجِ سرفرازی سے جان چرا کر فقط امیدوں کے سہارے دل رُبا انداز سے دعوی ہی کرتے ہیں۔ کہیں تم یہ حرکت نہ کر بیٹھنا۔ اس طرح کی تمنّاؤں سے تمھارا کچھ بھی بھلا نہ ہوگا۔ اُلٹا نیکی سے دل اُچاٹ ہو جائے گا اور بدیوں کا بوجھ لیے ہمارے پاس آجاؤ گے پھر سزا بھگتے بغیر کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ اور سُن رکھو کہ وہاں اللہ کے سوا تمھارا یا کسی اور کا کوئی ولی و ناصر نہیں ہے جو خدا کے عذاب سے تمھیں خلاصی دلا سکے، اللہ

جس کو پکڑے اُسے اللہ ہی چھوڑے تو چھوٹے گا۔ ورنہ کسی کے چھڑانے سے وہ چھوٹے گا نہیں۔ اللہ کے سوا کسی کو ولی و ناصر مان کر زندگی بسر کرنا اور نجات کی آرزو رکھنا گونگے کے خواب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا مگر پتہ نہیں ہم مسلمان کیوں اپنے دین کو اپنے ہاتھوں رسوا کرتے ہیں۔ یہود کی طرح ہر جگہ ہم نے بھی خدا کے پیاروں کے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں اور ان کی تربت پہ چادریں چڑھا کر آس لگا بیٹھے ہیں کہ ہماری نجات ہو جائے گی۔ مگر نہیں جانتے کہ صاحبِ تربت کو ہماری چادر کی حاجت نہیں بلکہ ہماری اطاعت اور خدا پرستی سے انھیں خوشی ہوگی اور ادھر کئی صدیوں سے ہماری حالت بھی عجیب ہے کہ بزرگوں کے مزارس پہ حدود سے باہر ہو کر وہ سب کچھ کرنے لگے، جو شاید یہود بھی نہ کر سکیں۔ طوائفوں اور ہیجڑوں کا ناچ، ڈھول، تاشے اور بے پردہ خواتین کا میلہ لگا کر اسلام کی جگ ہنسائی کراتے ہیں۔ بزرگوں کی اطاعت و پیروی ہی اصل ہے ورنہ یہود ایک طرف انبیاء کو قتل بھی کرتے رہے اور دوسری طرف انبیاء کی پرستش بھی کر ڈالی۔ مگر اُن کا بھلا نہ ہوا۔ ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہر طرح کے اعتقاد میں خدا کے حکم کا خیال رکھیں۔

---

# ایمان والو ایمان لاؤ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ○

( 4 - النسآء - 136 )

"اے ایمان والو ! ایمان لے آؤ اللہ پر اُس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو رسولؐ پر نازل کی گئی اور اُن کتابوں پر بھی ایمان لاؤ جو اُس سے پہلے اتاری جا چکی ہیں اور دیکھو جو بھی منکر ہوا اللہ کا، اللہ کے فرشتوں کا، اللہ کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور روزِ آخرت کا تو وہ بھٹک کر دُور جا گرا۔"

کلمۂ اسلام ادا کر کے جو بھی ایمان لے آیا وہ مسلم ہے۔ اسے تاکید کی جا رہی ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہنا۔ اللہ، قرآن اور پیغمبرؐ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اگلی کتبِ آسمانی اور انبیاء سابقین و ملائکہ پر بھی ایمان لاؤ۔ یعنی خدا کے ہر ایک نبی اور اس کی ہر ایک کتاب پر ایمان رکھو۔ اس حکمِ خداوندی کی روشنی میں اسلام کی عالم گیر وسعتوں کا صحیح صحیح اندازہ کوئی بھی کر سکتا ہے۔ تمام بنی آدم میں جب جب

انبیاء تشریف لائے اور کتبِ سماویہ کا نزول ہوا۔ قرآنِ پاک نے اپنے ماننے والوں کو پابند کیا کہ وہ ان سب انبیاء و کتب پر ایمان لائیں اس لیے کہ اپنے اپنے وقت میں ان تمام کی تعلیمات اسلام ہی کی تعلیمات تھیں۔ اسلام کے شاخ و برگ تو ہمیشہ کاٹے جاتے رہے مگر جڑ ہمیشہ موجود رہی۔

---

# کفر و ایمان کے بیچ کی راہ!

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۵۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ لَمۡ یُفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ اُولٰٓئِکَ سَوۡفَ یُؤۡتِیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۵۲﴾ (4 - النسآء - 152-151-150)

"بلاشبہ جو لوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں اور اس کے رسولوں کا اور ارادہ کرتے ہیں کہ تفریق ڈالیں اللہ اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم بعض پر تو ایمان لائیں گے اور بعض پر نہیں اور کفر و ایمان کے بیچ ایک نئی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ وہ سب پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں، جو رسولوں میں فرق نہیں جانتے۔ بلکہ سب رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو اللہ اجر سے نواز دے گا اور وہ غفور اور رحیم ہے۔"

خدا اور نبیوں کو نہ ماننے والے تو دین و مذہب کی اصطلاح میں کافر ٹھہرتے

ہی ہیں مگر جو لوگ اپنے طریقے پر صرف خدا کو مانیں اور اس کے رسولوں کا انکار
کر دیں انھیں بھی خدا کی ذات و صفات کے متعلق صحیح رہنمائی ہرگز نہیں مل سکتی اور
دو قدم بھی ایمان باللہ کی صحیح سمت میں چلنا ان کے لیے یقیناً ناممکن ہے۔ پھر خدا نے جب
اپنا نبی بھیج کر صحیح طریقہ بتا دیا۔ تب جدّتِ دماغ کی یہ اختراع نہایت ہی نامعقول ہے
اور خواہ مخواہ اپنی روشن ضمیری کا جھوٹا دعویٰ کرنا ایک کفریہ بکواس کے سوا کچھ نہیں۔
اس طرح ایک رسول کو مان لینا اور دوسرے کا انکار کرنا یہ تفریق بین الرسل بھی غلط
راستہ ہے اس عقیدۂ باطلہ سے نہ صرف خدا کے نبیوں کی توہین ہوتی ہے بلکہ نسلِ
انسانی ایک ایسی بھیانک مذہبی جنگ میں مبتلا ہو کر رہتی ہے جس میں شریک ہونے
والے تمام فریقوں کے لیے فتح و شکست یکساں ہے اس لیے ایسے تمام لوگوں کو
"هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا" کہا گیا ہے۔ یعنی "پکے" اور "کٹر" کافر تو یہی ہیں۔ یہود کا حال
تو آپ پڑھتے ہی آرہے ہیں کہ انھوں نے حضرت یحییٰؑ اور حضرت مسیحؑ کا انکار کیا۔ خاتم
النبیین کے انکاری تو وہ اب بھی ہیں اور عیسائی حضورؐ کی رسالت اور قرآن کو نہیں
مانتے۔ رہا مسلمان تو اُس کا ایمان اور اسلام اب تار تار ہے۔ مگر پھر بھی آج ہر
ایک مسلمان تمام نبیوں اور تمام رسولوں نیز تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہے، چاہے
جانتا کچھ بھی نہ ہو، دعا ہے کہ آج کے مسلمان کی سادگی اور بھولے پن پر اُس کے
رب کو پیار آجائے اور وہ بھی ان کا سیدھا سادھا ایمان قبول فرمالے۔ مگر یہ صرف
ہماری دعا ہے۔ قبول کرنا نہ کرنا اس کے اختیار میں ہے۔

---

# خدائی تحریر کا مطالبہ

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ج ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ج وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○ (4 - النسآء - 153)

"آپ سے اہلِ کتاب یہ سوال کرتے ہیں کہ آسمان سے ان پر لکھا ہوا نوشتہ اتروا دیں۔ سو یہ فرمائش تو وہ موسیٰؑ سے بھی کر چکے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یہ تک کہہ چکے ہیں کہ اللہ کو ہمیں دکھلا دو۔ پس ان کے ظلم کے سبب بجلی کے کڑاکے نے انھیں فوراً دھر دبوچا تب بھی وہ آگے چل کر بچھڑے کی پرستش میں جا گرے۔ جبکہ روشن دلائل کی تمام باتیں ان کے پاس آ چکی تھیں۔ پھر بھی ہم نے انھیں معاف کر دیا۔ اور موسیٰؑ کو ہم نے کھلا ہوا فرمان عطا کیا تھا۔"

یہودی قوم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرنے لگی کہ آسمان سے ہم میں سے ہر ایک کے نام ایک ایک لکھا یا خط منگوا دیا جائے تب مانیں گے کہ یہ قرآن حق ہے۔ باقی ہم ایسی وحی کے قائل ہر گز نہیں ہو سکتے جو صرف تمہارے قلب پر نازل ہو رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ان ظالموں کے پرکھوں

نے اس سے بھی بڑھ چڑھ کر حضرت موسیٰؑ سے یہ مطالبہ تک کر دیا تھا کہ خدا کو اعلانیہ دکھا دو تب خدا کے ان باغیوں پر قہر خداوندی بجلی کی شکل میں لوٹ پڑا تھا۔ یہ گستاخ تو اُسی وقت حرام موت مر گئے۔ مگر اُن کے باقیات السیّئات اب تم سے خدائی تحریر کا مطالبہ کرنے لگیں تو اُن کی یہ مانگ پہلے سے کم رہی مگر انھیں کیا پتہ کہ برکاتِ سماوی میں سے کوئی چیز بھی کسی بندے کے اختیار میں کب ہے کہ تم کہو اور خدا کی مرضی ہو یا نہ ہو وہ لاکر پیش کر دے۔

یہود کی اس طرح کی فرمائش میں ان کے علماء کا مستور ہاتھ کام کر رہا تھا۔ ان کی اس فرمائش کا مقصود احقاقِ حق نہیں تھا، بلکہ مجادلہ اور دماغی عیّاشی کا مظاہرہ کر کے عوام کو قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے برگشتہ کرنا چاہتے تھے۔

---

# بہتانِ عظیم اور قتلِ مسیحؑ

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ○ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ ج وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ط مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ○ (4 - النساء-157-156)

"پھر یہ لوگ کفر میں اتنے بڑھتے گئے کہ مریمؑ پر سخت بہتان لگایا، اور خود ہی کہنے لگے کہ ہم نے مسیحؑ ابنِ مریم رسول اللہ تک کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ یہود نہ تو مسیحؑ کو قتل کر سکے اور نہ صلیب پر چڑھا سکے، لیکن مسیح کی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس کے بارے میں اختلافی باتیں کرتے ہیں، وہ خود بھی شک میں بتلا ہیں۔ انھیں کچھ بھی ٹھیک معلومات نہیں محض گمان کے پیچھے چل پڑے ہیں اور یقیناً وہ مسیحؑ کو قتل نہیں کر سکے۔"

دورِ مسیحؑ کے یہودی بزرگانِ دین نے حضرت مریمؑ صدیقہ پر بہتان لگا کر لعنتِ خداوندی کو اپنے حق میں ہمیشہ کے لیے واجب کر لیا۔ اتنے ہی پر بس نہیں ہوا بلکہ حضرتِ مسیحؑ کے لیے پروانۂ قتل رومی جج پیلاطس کی عدالت سے جھوٹی گواہیاں کھڑی کر کے لے آئے، وقت کا حاکم نہیں چاہتا تھا کہ حضرت مسیحؑ کا قاتل بنے۔ اس لیے

اس نے پہلے تو انکار کیا، لیکن یہودی قوم نے بالاتفاق حضرت مسیحؑ کے لیے سزائے موت کا مطالبہ رومی حاکم سے کیا اور جب وہ اس پر راضی نہ ہوا تو بلوہ فساد اور خانہ جنگی کی دھمکی دے کر اسے مجبور کیا۔ ہم پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نسل کے اعتبار سے یہودی قوم کے ایک فرد تھے۔ جب اپنی قوم کے ایک خدا رسیدہ شخص کے دشمن قوم ہی کے لوگ ہو جائیں تو اس برادر کشی کے مقابلے میں غیروں کو زیادہ پرہیزگاری بتانے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ اور رومی عدالت نے یہ کہہ کر تمھارے کہنے سے سزائے موت سنائی جا رہی ہے، ورنہ اس بے گناہ انسان کے قتل سے ہم بری ہیں۔ اور بھری عدالت میں پانی منگوا کر اپنے ہاتھ دھوئے اور یہود کو قتلِ مسیحؑ کی اجازت دے دی۔ یہود کی ڈھٹائی اور ظلم کی انتہا ہو گئی۔ جب وقت کی سلطنت کے کارپردازوں کو حرکت میں آنے کے قبل ہی مسیحؑ پر ہلّہ بول دیا، قتلِ مسیحؑ میں انھیں اس قدر جلدی تھی کہ سانس لینے تک کو تیار نہ ہوئے اور اس افراتفری میں حضرت مسیحؑ کی عارضی قیام گاہ میں یہود اور کچھ رومی کارندوں کا ملا جلا گروہ داخل ہو گیا۔ مار دھاڑ کے شروع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے انھیں میں سے ایک حملہ آور کو حضرت مسیحؑ کی شکل دے دی اور اسے قتل کر دیا گیا۔ یہود تو اپنی دانست میں یہی سمجھے کہ قصّہ تمام ہوا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی طاقت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا۔ ادھر جس شخص کو حضرت مسیحؑ کی شکل کا پا چکے تھے، اسے صلیب پر یہود نے لٹکا دیا۔ اب نزولِ قرآن کے وقت تک اس واقعہ کے اختلافی پہلو اس قدر بے شمار تھے کہ پتہ ہی نہیں چل پایا کہ حقیقتِ واقعہ کیا تھی۔ اللہ نے ان آیات میں صاف صاف بتا دیا کہ مسیح ابنِ مریمؑ کو یقیناً یہ ملعون یہود قتل نہیں کر سکے۔

بلکہ اپنے ہی ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتار کر خونِ مسیح کے تاریخی مجرم بنے۔
اس واقعہ کا سب سے دردناک پہلو یہ ہے کہ اس ظالم قوم نے اپنے سینے ٹھونک کر اس بات کا بڑے گھمنڈ کے ساتھ اعلان کر دیا کہ اللہ کے ایک رسول کو ہم قتل کر چکے ہیں۔ شقاوت اور بدبختی بھی ان کے کالے کرتوتوں سے شرما کر زیرِ زمین ہو چکی ہوگی۔

آج بھی کوئی غیر جانبدار شخص قرآن کے بیانات اور موجودہ اناجیلِ اربعہ میں مسیح ابنِ مریم کے واقعات کا بغور مطالعہ کرے تو اسے ماننا پڑے گا کہ قرآن پاک نے ان کے مختلف اقوال جو اناجیل کے مصنّفین نے جمع کر کے لکھ دیئے ہیں ان میں باہم متضاد باتوں کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی ہے اور بکہ صاحبِ قرآن نے اناجیلِ اربعہ کا ایک ورق بھی نہ پڑھا تھا اور نہ کسی خلافی بات کی سماعت فرمائی تھی مگر ایک تاریخی واقعہ پر اِس یقین کے ساتھ اعلان کرنا کہ یقینی طور پر مسیح کو قتل نہیں کیا جاسکا۔ یہ بات صرف وہی کہہ سکتا ہے جسے یا تو خدا کی طرف سے وحی آتی ہو یا پھر اس نے مسیح ابنِ مریم سے آسمان پر جا کر ملاقات کری ہو۔ اور یہ دونوں زبردست اعزازی فضیلتیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔

---

# لہو چاٹنے والے

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ○ وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ○

(4 - النسآء - 161 - 160)

"تو اُن کے ظلم کے سبب جو یہودی بن گئے تھے۔ حرام کر دی ہم نے کچھ وہ چیزیں جو اُن پر پہلے حلال تھیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکا کرتے تھے اور سود لیا کرتے تھے۔ حالانکہ سود کی انھیں ممانعت کی جا چکی تھی۔ اور لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے رہے۔ ایسے کافروں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

راہِ خدا کے مبلّغ ہو کر اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا۔ سود خوری کرنا اور لوگوں کا مال ناحق ڈکار جانا۔ یہود میں کوئی گناہ نہیں رہا۔ تب اللہ نے اُن پر خود اُن ہی میں سے جعلی شریعت سازوں اور کوڑھ مغز فقیہوں کو مسلط کر دیا۔ جنھوں نے شریعت کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتا کر انھیں مذہبی زندگی میں مضطرب کر دیا۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بتا دینے کے بعد عوام میں مذہبی باتوں کا بے وزن ہو جانا یقینی بات ہے اور یہی کچھ یہود کے حق میں بھی ہوا۔ اب مذہب اور اس کے

احکامات کی ضرورت یہود کو مطلق نہیں رہی۔ پوری دنیا میں سودی کاروبار کرنے والے سب سے زیادہ یہودی لوگ ہیں۔ جو قومی اعتبار سے اس پیشے کو اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کے پھیلائے ہوئے معاشی جال میں عالمِ انسانی کا مال ناحق طریقہ سے مقید ہوتا جا رہا ہے۔ موجودہ بینکنگ اور کمرشیل لائن میں امریکی تاجر جو انجان لوگوں کے لیے امریکی ماہرینِ معیشت ہوا کرتے ہیں مگر جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ ان میں ستّر فیصد یہود ہوتے ہیں جو پوری انسانیت کا لہو چاٹ کر انھیں معاشی اعتبار سے مفلوج کرنے میں کامیاب ہیں۔

---

# شاندار ماضی کی یاد

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ (5-المائدة-20)

"یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی اس نعمت کو، جو ماضی میں تم پر ہو چکی ہے یاد کرو جب اللہ نے تمھارے اندر نبی پیدا کیے۔ اور تم کو صاحبِ ملک بنایا۔ اور تمھیں وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا تھا"

بائبل کی کتاب استثنا، باب اوّل میں دریائے اُردن پار کرتے وقت حضرت موسیٰؑ نے میدانی علاقوں میں جو تقریر فرمائی تھی اس کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو اس کے شاندار ماضی کی یاد دلاتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی تقریر میں قومِ بنی اسرائیل میں انبیاء وسلاطین کا وجود خدا کی نعمت بتایا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دورِ یوسفؑ سے دورِ موسیٰؑ کے درمیان ان میں متعدد انبیاء کرام تشریف لائے اور ان کی قیادت میں بنی اسرائیل کو مدّتِ دراز تک اقوامِ عالم پر اقتدار عطا کیا گیا تھا۔ گرتے پڑتے یہ قوم بعثتِ موسوی تک ہم مسلمانوں کی طرح اپنے مقصدِ زندگی سے قطعاً ناواقف ہو چکی تھی۔ بنی اسرائیل کے علم واقتدار کی قبا اب تار تار

ہو چکی تھی۔ اور کسی زندہ قوم کے دم خم اس میں باقی نہیں تھے۔

مری پٹی قوم کی تشکیلِ جدید کے لیے اس کا ماضی اگر کچھ اچھا رہا ہو تو غیرت دلا کر پھر سے کھڑا کرنا سنّتِ موسوی کا ایک باب ہے مسلمانوں کو اِس طرف توجہ کرنی چاہیئے کہ ان کا اپنا ماضی دنیا کی تمام قوموں کے مقابل کتنا شاندار تھا۔ ناموسِ کعبہ، گنبدِ خضرا اور مسجدِ اقصیٰ کی خاطر اِس ملّتِ بیضا کو اُن کا ماضی پھر اُنھیں آواز دے رہا ہے کہ قبلۂ اول ہاتھ سے نکل جانے کے بعد تمھیں فوراً سنبھلنا ہے۔ ورنہ اپنی پچھلی جبروت و سلطنت کی داستانوں کا تعلق اس نسل سے نہیں رہے گا۔

---

# بُزدل قوم!

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ج فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ (5 - المائدۃ - 22 - 21)

"موسیٰؑ نے کہا، اے میری قوم اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اور پیچھے نہ ہٹو ورنہ بہت نقصان اٹھاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰؑ اس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ قابض ہیں۔ ہم وہاں ہرگز نہیں جائیں گے۔ جب تک اس ملک کی قوم وہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور نہ چلی جائے۔ البتّہ اگر وہ خود ہی نکل جائیں تب تو ہم بلاشبہ داخل ہونے کے لیے تیار رہیں۔"

حضرتِ موسیٰؑ عمالقہ پر چڑھائی کرنے سے پہلے اپنی قوم کو اُن کی ماضی کے شاندار ایام یاد دلاتے ہیں اور پھر انھیں فلسطین پر فوج کشی کے لیے حکم دیتے ہیں۔ عمالقہ نہایت ہی جنگجو اور ظالم قوم تھی۔ نیز بنی اسرائیل کی سب سے بڑی حریف طاقت تھی اور اس وقت زبردستی فلسطین پر قبضہ بھی انھیں کا تھا۔ مصر کے معاملات سے خلاصی پانے کے بعد حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو جزیرہ نمائے سینا میں جمع کر کے انھیں دشمن کی طاقت سے بے خوف ہو کر ہلّہ بول دینے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت

موسیٰؑ اپنی قوم کے شب و روز سے اچھی طرح واقف تھے۔ اسی لیے یہ بھی بتا دیا کہ اس سرزمین کو خدا نے تمھارے نصیب میں لکھ دیا ہے اس لیے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، صرف ذریعہ بن کر مقابلے میں کھڑا ہونا ہے۔ فتح و کامیابی یقینی ہے — لیکن اس قوم نے اپنے نبیؑ اور قائد کو جواب بھی خوب دیا کہ ایسے طاقتور لوگوں کے مقابل ہم نہیں جا سکتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے بقول آپ کے اگر ہماری قسمت میں اس ملک کو لکھ ہی دیا ہے تو عمالقہ ہی اپنا بوریہ بستر باندھ کر وہاں سے چلتے بنیں اور خالی مکانوں میں ہم سورماؤں کی قوم جا ٹھہرے تو بات بن سکتی ہے۔ ایک لطیفہ شاید آپ نے سُنا ہو کہ کسی فوج میں نامردوں کا جب دَور دَورہ ہوا تو دشمنوں کے مقابلے کے وقت کہنے لگے کہ تالیاں بجاؤ موئے بھاگ جائیں گے۔ مگر یہود تو شاید تالی بجانے پر بھی راضی نہ ہوئے۔

قومِ یہود کے اسلاف کی نامردی کا یہ تذکرہ انھیں کی کتاب توریت میں صحیفہ گنتی باب 13 اور 14 میں موجود ہے کہ مصر میں غلامی کی موت مر جانا اس تن آسان قوم کو زیادہ پسند تھا، مگر اپنے نبی کی قیادت میں باوجود فتح کی بشارت کے بھی آگے بڑھنے کو تیار نہیں تھی۔ آج انھیں اسلاف کے کپوتوں سے عرب مسلمان شکست کھا گئے۔ یہ اس ملّت بیضا کی رسوائی کے لیے کیا کم ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہود صرف اپنے بل بوتے پر نہیں جیتے، بلکہ ان کے ساہوکاروں نے مغربی استعماریت کی خوب خوب نمک حلالی کر کے اپنے سیاسی داؤ پیچ سے فلسطین کو مردِ مسلماں سے خالی کرا لیا۔ تاریخ اب اپنے آپ کو دہرائے تب معلوم ہو کہ بشارتِ موسوی کے صحیح مستحق مسلمانانِ عالم کمر باندھ کر کب یہود پر لوٹ پڑتے ہیں۔

# قوم یہود کے دو تاریخی جانباز

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ج فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۵ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○

(5-المائدة-24-23)

"ان ڈرپوک لوگوں میں دو جانباز ایسے تھے جو خدائی انعام کے مستحق رہے۔ انھوں نے قوم یہود کو اُبھار کر کہا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں تم صرف دروازے تک چلو جیسے ہی وہاں داخل ہو گے غالب آجاؤ گے، اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو۔ تب پوری قوم کہنے لگی کہ اے موسیٰؑ جب تک وہ لوگ (عمالقہ) وہاں موجود ہیں ہم کبھی نہیں جائیں گے۔ بس اب تم اور تمھارا خدا دونوں جاکر لڑ دیکھو۔ ہم تو یہیں بیٹھ رہیں گے۔"

پوری قوم میں صرف دو بہادر اور نڈر آدمی جو ایک طرف کامل مومن تھے اور دوسری طرف ان پر انعامِ خداوندی ہونے والا تھا۔ اس بزدلی پر اپنی قوم کو غیرت دلاکر کہا کہ صرف حریف کے شہر پناہ کے دروازے تک تو چلے چلو۔

بغیر لڑے بھڑے ملک فتح ہو جائے گا۔ قوم نے ان بزرگوں کو قابلِ خطاب تک نہ سمجھا اور حضرتِ موسیٰؑ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ ہمیں اتنی بات سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ جب خدا کو فتح دینی ہے تو ہم وہاں جائیں یا نہ جائیں کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ اور آپ کا خدا دونوں جا کر عمالقہ سے لڑو۔ لیکن یہ فوج یہود تو یہیں بیٹھ کر تماشہ دیکھتی رہے گی۔

بائبل کے بیان کے مطابق پوری قوم نے ان دو جانبازوں پر پتھراؤ کیا جن کے نام یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے اور حضرت موسیٰؑ پر بھی ہاتھ ڈالنے کو تیار ہو گئے۔ یہود کے اسلاف کا خدا پر یقین کس درجہ کا تھا۔ اس پر بھی اسی مضمون میں روشنی پڑ گئی۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرتِ موسیٰؑ کی شان میں اس قوم نے کن کن گستاخیوں کا اِرتکاب کیا۔ توریت کی کتاب گنتی اور استثناء سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی قیادت تک کو یہ نامرد اُلٹ دینے کو تیار ہو گئے۔ درپردہ یہ سازشیں بھی ہونے لگیں کہ موسیٰؑ ہمیں دشمنوں کی تلوار سے قتل کروا کر ہمارے بیوی بچّوں کو بیوہ اور یتیم بنانا چاہتے ہیں اس لیے کیوں نہ انھیں ہی ہٹا دیا جائے۔ اور قوم کا سردار کوئی اور چُن لیا جائے۔

---

# نبیوں کا حوصلہ

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ج یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ط فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝

(5-المائدۃ - 26-25)

"تب موسیٰؑ کہنے لگے کہ اے میرے رب میرا بس ان پر نہیں چلتا مگر میری اور میرے بھائی کی جان حاضر ہے۔ پس تو اس نافرمان قوم سے ہم کو الگ کیجیو۔ خدا کا جواب یہ تھا کہ اچھا اب یہ ملک ان پر چالیس[40] برس تک حرام ہے۔ یہ لوگ زمین میں مارے مارے پھریں گے تم اس نافرمان قوم پر افسوس کرنا چھوڑ دو۔"

ارضِ فلسطین کو عمالقہ کے قبضہ سے چھڑانے کے لیے جب یہود نے کھڑے ہونے تک سے انکار کر دیا اور فلسطین کی سرحدی چوکیوں تک جانے کو تیار نہ ہوئے بلکہ اُلٹا اپنے نبی موسیٰؑ اور ہارونؑ نیز اُن کے دو جانباز صحابہ یوشع اور کالب پر پتھراؤ کیا اور ان کے خلاف سازشیں کرنے لگے تب حضرت موسیٰؑ نے اُن کے حق میں بددعا کی اور حکمِ خداوندی پر عمل کرنے کے لیے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ نے تنِ تنہا عمالقہ سے نبرد آزما ہونے کی خدا سے اجازت چاہی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جواباً فیصلہ صادر فرمایا کہ اس قومِ یہود کو چالیس سال تک جنگل و بیابان کی خاک چھاننی ہوگی جب

موجودہ نسل فنا ہو جائے گی تب نئی پود کو ہم ارضِ موعود یعنی فلسطین کی سرزمین پر قابض ہونے کا موقع دیں گے۔

یاد رہے کہ اسی اثناء میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کا انتقال ہوا۔ اور پھر ٹھیک چالیس سال بعد یوشع اور کالب کی قیادت میں نئی نسل نے فلسطین سے عمالقہ کو بے دخل کیا۔

ان آیات میں حضرت موسیٰؑ نے یہود سے جُدائی کی دعا فرمائی متن کے الفاظ ہیں فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ جس کا ترجمہ ہم نے (اس نافرمان قوم سے ہمیں الگ شمار کیجیو) کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معنیٰ یہ بھی لیے جا سکتے ہیں کہ "ہم میں اور اس فاسق قوم میں جُدائی ڈال دے"۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السّلام کا حوصلہ تاریخِ انسانی میں اہلِ ایمان کے لیے ایک زبردست اور بے پناہ قوّتِ ایمانی کا نمونہ ہے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ قوم کا حوصلہ اگر پست ہو اور وہ بہادری کی موت کے مقابل زندگی کی ذلّتوں سے پیار کرتی ہو تو تنہا قیادت کا حوصلہ اس کے دن نہیں پھیر سکتا۔

---

# تخلیقی تطہیر سے محرومی

وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُونَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

(5 - المائدۃ - 41)

"یہ جو لوگ یہودی بنے ہوئے ہیں جھوٹ کے سُننے والے ہیں اور دوسرے لوگوں کی خاطر جو تمہارے پاس نہیں آتے بات کو اس کے صحیح موقع سے بدل کر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تمھیں یہ حکم ملے تو قبول کرنا اور اگر یہ نہ ملے تو دور ہی رہنا اور جس کسی کے لیے خدا نے ارادہ کر لیا کہ اسے خراب کر دے تو اُس کے لیے اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی زور نہیں چل سکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو پاک صاف رہنے دینا خدا کو منظور نہیں ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں سزائے عظیم"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودِ مدینہ کو اُن کے معاملات میں آزادی

دے رکھی تھی۔ ان کو مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست میں اپنے PERSONAL LAW کے مطابق ان کی اپنی عدالتوں کی طرف رجوع کا حق حاصل تھا۔

اس آیتِ کریمہ میں یہود کے متعلق پہلی بات یہ بتائی گئی کہ وہ جھوٹ اور کذب کے عادی ہیں اور دوسرے لوگوں کی خاطر جاسوسی کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں ان کی یہ صفت اگر وقتی ہوتی یا یہودِ مدینہ کی حد تک ہوتی تو قرآن میں اسے بیان نہ کیا جاتا کہ چند افراد کی خرابی کا تذکرہ تا قیامت اہلِ ایمان کو پڑھنے پڑھانے کے لیے دے دیا جاتا۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ جاسوسی ان کی قومی خصلت ہے۔ اس فن میں تو اب انھیں مہارت حاصل ہو چکی ہے۔ دوسری طرف موجودہ زمانہ میں اخبارات اور نیوز ایجنسیوں اور فلم انڈسٹریز پر اُن کا قبضہ انھیں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے میں تیزی سے مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

1885ء کے بعد امریکہ میں بڑے بڑے تھیٹر اُن کے ہاتھ آ گئے۔ ہالی وُڈ کے فلم ساز اُن کے اپنے گُرگے ہیں۔ اسی لیے یورپ کی تمام نیوز ایجنسیاں یہود کی تھیلیوں میں محصور ہیں۔ آج کی دنیا میں تمام مسائل میں الجھاؤ کا بڑا سبب یہود کی یہی قومی خصلت ہے کہ بات کو اپنے ڈھب سے بدل کر آئے دن خدا کی دھرتی کو ریب و بہتان سے بھرتے جا رہے ہیں۔ دنیا بھر کے روزنامے اور خصوصاً یوروپی نیوز ایجنسیاں اسی یہودی مزاج کے مطابق برابر اپنا کام انجام دے رہی ہیں۔

دوسری بات اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ نبیؐ نے یہود کو ریاستِ اسلامی کے حدود میں اپنے پرسنل لاء کے مطابق فیصلے کرنے کی آزادی دے رکھی تھی۔ یہود کے قاضی اپنے فقہی قانون کے مطابق فیصلے صادر کیا کرتے تھے مگر حضورؐ کی اس

فراخ دلی کا جواب بھی اس نمک حرام قوم نے سازش کی تھالی میں رکھ کر دیا۔ ایک مخصوص واقعہ اس زمانے میں ایسا ہوا کہ خیبر کے ایک ساہوکار کے ساتھ یہیں کے ایک رئیس کی بیٹی زنا کے جرم میں پکڑی گئی۔ یہودی قاضیوں نے اس معاملے میں حضورؐ کی عدالتِ عالیہ کی طرف رجوع کیا۔ مگر مقصد میں یہ پاکیزگی نہیں تھی کہ جو فیصلہ حضورؐ صادر فرمائیں گے، قبول کیا جائے گا بلکہ یہ نجاست تھی کہ اگر رجم کی سزا دیں گے تو انکار کر دیا جائے گا۔ اور پھر یہ شور برپا کیا جائیگا کہ یہ خوب نبوت وکتاب کی بات کہی جا رہی ہے جبکہ توریت میں تو یہ حکم ہے کہ ایسے مجرموں کو مُنہ کالا کر کے گدھے پر الٹا بٹھا کر کچھ کوڑے لگوا دیئے جائیں لیکن اگر رجم کا حکم نہ دیا جائے تو پھر بھی اس موقع سے نفع اٹھانے میں دریغ نہ کیا جائے کہ قانونِ توریت تو ایسے مجرم کو رجم کرنے پر مصر ہے۔ گویا ہر طرف سے اس معاملہ میں عوام کو گمراہ کرنے کی سازش کار فرما تھی۔

حقیقتاً ایسے جرم پر توریت میں رجم کی سزا ہی مقرر تھی مگر اُس کی شرح اور تفسیر میں ان کے بکاؤ عالموں نے سیٹھ ساہوکاروں کے لیے گنجائش نکال دی تھی کہ انھیں ہلکی پھلکی تعذیر دے کر پھر غریب عوام کی بہو بیٹیوں پر دست درازی کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح یہود بیک وقت دو دو ناؤ پر سوار ہو جاتے اور شرح وتفاسیر یا علماء کی آراء نیز فقہی معاملات میں اونچ نیچ کا فرق بنائے رکھتے کہ جب جیسا موقع ہو، متضاد قوانین کو ہر سمت میں کتاب اللہ کا جز بتا کر کام نکالا جا سکے۔ اس ذلیل حرکت پر خدا کی ناراضی کے اس قدر مستحق ہوئے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو فطری اور تخلیقی تطہیر تک سے محروم کر دیا۔

---

# یہودی پرسنل لا اور نبوی ریاست

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ (5-المائدة-43 42)

"یہ جھوٹی بات کے کہنے والے اور مالِ حرام کے کھانے والے ہیں اگر یہ تمہارے پاس اپنے مقدمات لے کر آئیں تو چاہو اُن کا فیصلہ کر دو یا انکار کر دو۔ اور اگر تم نے ان کے فیصلے لینے سے انکار کر دیا تب تو یہ تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے۔ اور اگر تم فیصلہ ہی کرنا چاہو تو پھر انصاف کے مطابق ہی فیصلہ کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے۔"

مدینہ طیبہ کی اسلامی عدالتِ نبوی میں یہود کے صرف وہی قضیے آتے جو اُن کے لیے حضورؐ کے مقابل پروپیگنڈہ کا ہتھیار بن سکتے ہوں۔ اس لئے حضورؐ کو اختیار دے دیا کہ چاہو تو اُن کا فیصلہ کر دو یا انھیں ان کی اپنی شرعی کچہریوں میں واپس کر دو۔ اس طرح اگر تم نے انھیں واپس کر دیا تو یہ تمھیں کسی طرح کا نقصان پہنچانے میں بے بس ہو جائیں گے۔ اور جس جال میں دوسروں کو پھانسنا چاہتے تھے اسی میں الجھ کر رہ

جائیں گے۔ انھیں ان کے جعلی اور ڈھونگی علماء کے حوالے کردو۔ بندر اگر مداری کے پاس جاکر ہی ناچے تو اچھا رہے گا۔ ان کے علماء و قاضی جبڑے ٹوٹنے تک مالِ حرام کھائیں گے اور اپنے بندروں کو رسیوں میں کچھ باندھیں گے اور کچھ چھوڑیں گے اس طرح دونوں کی ضرورتیں پوری ہوں گی اور ان کا بھرم بھی کھل جائے گا مگر اُن کے لائے ہوئے کسی قضیہ کے متعلق کبھی آپ یہ ضرورت محسوس فرمائیں کہ فیصلہ کر دینا ہی مناسب ہے تو پھر اپنی عدالت میں ان کی مطلق پرواہ نہ کرتے ہوئے عدل و انصاف ہی کے مطابق ان کے قضیہ کا فیصلہ کر دینا۔

اسلام نے اپنی حدودِ سلطنت میں رہنے والی سازشی اقلیتوں، کھلے ہوئے دشمنوں کو اُن کے PERSONAL LAW میں جو آزادی دے رکھی ہے تاریخ انسانی میں اس کی مثال کہیں سے بھی نہیں بتائی جا سکتی۔ آج کے سیاسی دغا بازوں نے اسلام کو تاریکی سے تعبیر کیا ہے۔ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر قرآن کے اس بیان کو پھر ایک بار پڑھیں تو پتہ چلے گا کہ ان کی روشن ضمیری کے چراغ کا تیل ختم ہو چکا ہے۔ اندھیرے کو روشنی اور روشنی کو اندھیرا بتا کر ایسے لوگوں نے بہت سے ممالک میں امن پسند اقلیتوں کو اُن کی اپنی روایات اور مذہبی قانون سے تقریباً محروم کر دیا ہے، اور اپنے بجھے ہوئے چراغ کو خورشید کا مدِ مقابل بلکہ افضل بتا کر شرم تک محسوس نہیں کرتے، دورِ جدید میں شاید ہی ان سے زیادہ بے غیرتی کا ارتکاب کسی اور طبقے نے کیا ہو۔

---

# حکم اللہ رجوع کی اصل ہے

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○

(5 - المائدة - 43)

"اور آپ سے یہ فیصلہ کرانے آ کیسے سکتے ہیں جبکہ توریت ان کے پاس ہے اور اللہ کا حکم بھی اس میں موجود ہے پھر اُس کے بعد بھی وہ ہٹ گئے۔ تب تو یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں رہے۔"

کسی قوم و ملت کے پاس خدا کی کتاب موجود ہو اور دوسروں کے پاس اپنی شرعی پابندیوں سے چھٹکارا پانے کے لیے ان کے قوانین سے مستفیض ہونا چاہے تو قرآن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اگر سابقہ کتب آسمانی خدائی احکامات کو جوں کا توں بنا سکتی ہوں اور اس کے حامل اسے نہ مانتے ہوں تو انھیں بے غیرت قرار دیتا ہے اور ان صاف صاف احکامات پر عمل نہ کرنے والوں کو ایمان اور اسلام سے پھرے ہوئے ثابت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں توریت کے احکاماتِ توحید و رسالت اور عقیدۂ آخرت نیز انصاف و معاملات اور حقوق میں قرآن کے احکامات کے ساتھ قطعی طور پر مناسبت رکھتے ہیں اور عقل بھی اسی بات کو قبول کرتی ہے کہ تمام کتبِ آسمانی جبکہ وہ ایک

ہی خدا کی طرف سے نازل شدہ ہیں تب تو اُن معاملات میں تمام کتبِ الٰہیہ کا مزاج یکساں ہونا ہی چاہیئے۔ یہاں تو مخاطب یہود ہیں مگر قرآن نے نصاریٰ کو بھی اسی طرح خطاب کرتے ہوئے بتایا وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ (اہلِ انجیل کو چاہیئے کہ وہ انجیل میں نازل شدہ احکامات کے مطابق ہی فیصلہ مانیں) اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خدائی احکامات جو نازل کیے گئے وہ بھی انجیل میں موجود ہیں اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں نے بعد میں جو کچھ اپنی طرف سے ڈال دیا ہے وہ بھی انجیل میں موجود ہے اور یہی حال یہود کا بہت پہلے سے ہو چکا تھا کہ توریت میں اپنی طرف سے بھی بہت کچھ گھٹا بڑھا چکے تھے۔

دوسری وجہ اس حکمِ خداوندی کی یہ ہے کہ قرآنِ مجید دین جھاڑنا نہیں چاہتا بلکہ دین پسند طبقوں کو آپس میں جوڑتا ہے اور ایک دوسرے کا معاون بنا دینا چاہتا ہے جو وحدتِ ادیان کی جگہ وحدتِ دین کی طرف تمام انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ مذہبی طبقوں کے کشمکش کے خاتمہ کا اس سے بہتر علاج کوئی نہیں ہو سکتا۔ آج کی ہماری مسلم برادری کے ان لوگوں پر بھی اس آیت میں کوڑا برسا دیا گیا، جو اعلیٰ انگریزی تعلیم کے بعد اپنی قوم سے نفرت کرنے لگے اور شادی بیاہ کے اسلامی قانون سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے CIVIL MARRIAGE کے ضابطوں میں جاکر رشتۂ نکاح کا تقدس کھو بیٹھتے ہیں۔

رشتۂ نکاح کے علاوہ ہمارے یہاں کے اسلامی قانونِ وراثت، طلاق اور دیگر فصلِ خصومات و مقدمات میں طاغوتی کچہریوں کی طرف ہماری دوڑ بھاگ اس خدائی حکم کی صریح نافرمانی کا ثبوت دے رہی ہے۔

کسی قاری کو اگر یہ الجھن ہو کہ آنحضرتؐ نے بجائے حکم قرآن کے یہود کو توریت کی طرف کیوں متوجہ کیا۔ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ توریت اور قرآن و انجیل تو کیا بلکہ تمام کتبِ آسمانی کا مزاج یکساں رہا ہے اور باوجود سابقہ کتبِ الٰہیہ میں تحریف کرنے کے اللہ کی کتابوں میں بہت کچھ سچائی اب بھی باقی ہے اور رہے گی ان میں قرآن پاک خداوند قدوس کی وہ کتاب ہے جسے تا قیامت انسانوں کی رہنمائی کے لیے محفوظ رہنا ہے۔ اس کی عظمت کا نشان خود اسی کی آیاتِ بیّنات میں ہے۔ پھر بھی سابقہ مسلم جماعتوں کو حکم اللہ فی التوراۃ اور حکم اللہ فی القرآن کی یکسانیت دیکھنا ہو تو دیکھ لیں، انھیں یقین ہو جائیگا کہ قرآن کو حکم مان کر اور رسولِ کریم کا طریقہ قبول کر کے انھوں نے وہی کچھ خالص دینِ حق اور حکم اللہ پایا ہے، جو اُن کے سابقہ دستورِ زندگی میں بہت کچھ تحریف کے باوجود بھی حکم کی حد تک موجود ہے۔ اسی معنیٰ میں خدا کا ہر نبی اپنے سے پہلے آنے والے نبی کی تصدیق کرنیوالا ہوتا ہے اور ہر آنیوالی کتاب پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ رہیں اختلاف سے پیدا ہونے والی تمام الجھنیں اور مشکلات تو اُن کی وجہ کتاب اللہ نہیں بلکہ وہ تحریفات ہیں جو بعد کے لوگوں نے کر ڈالیں۔

بحمد اللہ قرآن اپنی جگہ پر محفوظ ہے، اس لیے وہ رجوع کی اصل کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ اصل تو حکم اللہ ہے اور سابقہ مسلم جماعت کو للکار کر آواز دیتا ہے کہ مسلم ہے تو اپنی آسمانی کتاب میں خدا کا اصل حکم معلوم کر اور اس کی طرف رجوع ہو۔ حکم تو میرا ہی مانا جائے گا اور اگر تجھے اصلی حکم اللہ وہاں معلوم کرنے میں دقت ہو تو میری کسوٹی کو استعمال کر، تجھے معلوم ہوگا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ

کیا ہے۔

مُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ قرآن کی یہ وہی صفت ہے جو تمام آسمانی کتب کی کسوٹی کا کام دیتی ہے۔ باقی لفظی تنزیل کی دعوے دار قرآن کے سوائے اب کوئی کتاب ہے بھی نہیں اس لئے اس معاملہ میں عام آدمیوں کو ضرور دقت ہو سکتی ہے، مگر یہاں تو خطاب تمام تر علمائے کتاب اللہ اور اُن لوگوں سے ہے جو دین کی اصل سے واقف ہیں تاکہ انھیں قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آنا آسان اور سہل ہو جائے کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں مان لی بلکہ اپنی گم شدہ چیز تھی جسے پا لیا۔ اس صورت میں عیسائی کو عیسیٰؑ مل گئے۔ موسائی کو موسیٰؑ کا دستِ مبارک ہاتھ آ گیا۔ اس طرح ہر ایک کو اس کا اپنا رسول اور کتاب مل گئی جس نے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کیا۔

---

# توریت کا نور!

اِنَّآ اَنزَلنَا التَّوْرٰىةَ فِیھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ ج یَحکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسلَمُوْا لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللہِ وَکَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ ج فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ط وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ○ (5 - المائدۃ - 44)

"توریت کو بھی ہم نے نازل کیا تھا جس میں ہدایت اور نور تھا تمام نبی جو مسلم تھے اسی حکم توریت کے مطابق یہودی بن جانے والوں کے قضیے فیصل کرتے تھے اور تمام خدا پرست علماء دین اور درویش لوگ بھی۔ کیونکہ ان سب کو خدا کی کتاب کی حفاظت کا ذمّہ دار بنایا گیا تھا اور یہ لوگ اس کے گواہ تھے۔ پس اے یہود! تم آدمیوں سے مت ڈرو، مجھ سے ڈرو اور میرے احکامات کو ہلکے داموں بیچنا بند کرو۔ پس جو لوگ خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں"

ہے کوئی جواب اس حق پرستی کا کہ قرآن نے توریت کو کتاب ہدایت اور نور قرار دیا ہے۔ موسیٰؑ کے بعد آنے والے انبیاء بنی اسرائیل یہودی بن جانے والوں کو اسی کتاب کی طرف رجوع کراتے اور اسی کے مطابق ان کے فیصلے کرتے تھے، علماء

وفقہاء مشائخ و درویش مرشد و عوام سب کے سب اسی کتاب کی پابندی میں جکڑے ہوئے تھے۔ جب تک مسلمان تھے۔ مگر یہ مسلمانی جب یہودیت میں تبدیل ہو گئی تو یہود نے اس پابندی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک ترکیب تو یہ نکال لی کہ سطحی اور فقہی تاریخی اور ملّی و ملکی، تہذیبی و معاشرتی اور معاشی نیز اعتقادی و دینی بگاڑ میں ساہوکاروں اور علماء یہود کی آپسی سازباز کو توریت کے احکامات کا جز بنا ڈالا اور ایک بے شان شریعت وجود میں لے آئے۔ دوسری ترکیب یہ رہی کہ اسی بے جان شریعت کا ڈھانچہ یہودی قوم کے آگے آگے رکھا جاتا۔ مردہ لاش یوں بھی بے چاری کوئی مطالبہ نہیں کرسکتی مگر ادب و احترام زندوں سے زیادہ مردوں کا ہوتا آرہا ہے شریعتِ موسوی کی اسی بے جان لاش پر خوب خوب نذرانے چڑھائے جاتے۔ لاش بھی کچھ کھانے سے رہی؟ تمام تر نذرانے اور چڑھاوے یہودی علماء اور پیروں فقیروں کو شریعتِ موسوی کے بے جان کر دینے کے معاوضے کے بطور مل جاتے اور بڑے سستے داموں بھرے بازار میں ان یہودی علماء کا نیلام ہوتا رہا۔ دین کی اس خرید و فروخت میں لوگوں کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ ہمارے نبی تو مسلم تھے اور ہم کیا بن گئے۔ اب اگر ایسے موقع پر کچھ حق پرست آدمی ان میں اُٹھیں تو قرآن نے انھیں ہمت دلائی کہ لوگوں کا ڈر نکال دو۔ ڈرنا تو خدا سے چاہیئے اور مردہ لاش کے پیچھے شریعتِ موسوی کی اصل روح اب بھی تمھیں مل جائے گی۔ اسے منظرِ عام پر لے آؤ۔ اس آواز پر یہود کا صالح عنصر اُبھر کر سامنے آیا۔ اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ نبوی میں اپنا مقام حاصل کرلیا۔

ان کے سوا جو لوگ کتاب اللہ کے فیصلے کو ماننے پر راضی نہ ہوئے۔ انھیں دین سے خارج قرار دیا گیا جہنم میں جائیں یہود! مسلمانوں کو اس آیت میں اپنا مُنھ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ یہاں حکم کتابِ الٰہی کو نہ ماننے والوں کو کافر بتایا گیا ہے۔

---

# دوستی

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَہُوۡدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ ۘ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ○ (5-المائدۃ-51)

"اے ایمان والو! تم یہود کو اور نصاریٰ کو دوست نہ بنا لینا۔ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی ان کو اپنا رفیق بنائے گا اس کا شمار بھی انہی میں ہوگا اور ایسے ظالموں کو یقیناً اللہ اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔"

ایمان والو! تم کو حکم دیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنانا۔ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے جگری دوست ہیں۔ اگر تم نے ان سے دوستی گانٹھی تو اُنہی میں شمار کیے جاؤ گے۔ پھر نہ تو پورے یہودی بن سکو گے اور نہ پورے نصاریٰ بلکہ پورے مسلمان بھی نہ رہ پاؤ گے۔ اور تمہارا ایمان ان کی دوستی سے خطرے میں پڑ جائے گا۔ اور ہماری رہنمائی سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔

بتائیے! ہمیں یہ حکم یاد ہی کب تھا۔ صدیوں سے قرآن سے بے تعلق ہو کر نماز روزے اور ارکانِ دین سے تو بہت پہلے ہم نے پیچھا چھڑا لیا تھا مگر ملّتِ اسلامی نے قرآن پاک کے ان اشارات تک سے نفع نہیں اٹھایا جو اُسے

اپنے قومی و ملّی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے معاون ثابت ہو سکتے تھے۔

یہود نصاریٰ کے اور نصاریٰ یہود کے دوست بن سکتے ہیں اور آج تو اِن دونوں کی ملی بھگت سے مشرقِ وسطیٰ مسلمانوں کا مقتل بنا ہوا ہے۔ یاد رہے اصل لفظ اولیاء استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ دوست، رفیق، کام بنا دینے والے کے ہوتے ہیں۔ یہود اور نصاریٰ ایک دوسرے سے خوب نباہتے اور کام نکالتے رہے، مگر اُن کی حمایت ملّتِ اسلامی کے لیے کبھی مفید نہیں ہوئی پچھلی دو صدیاں اس بات پر گواہ ہیں کہ مسلمانوں کو نصاریٰ سے دوستی اور رفاقت کتنی مہنگی پڑی یہود تو اب تک دِکھائی نہیں دیتے تھے مگر دراصل یورپی اقوام سے مسلمانوں کے تعلقات میں ہر جگہ طبقۂ یہود ہی بگڑے کاموں کو بناتا آرہا تھا اور اس کی ملّت کی سادگی اور بے نفسی بھی خوب رہی کہ وہ یہ تک نہ سمجھ پائی کہ مغربی آقاؤں کی کرسیوں پر یہودی ہی ان کے مسائل میں دخل در معقولات کرتے رہے اخبار بین طبقے کو یاد ہوگا کہ یہود اور عربوں کے مسائل کو سلجھانے کے لیے عرب لیڈروں نے جب برطانوی حکومت سے بات چیت کی ہے اس میں ایک موقع ایسا بھی آیا کہ برطانیہ کا سابق وزیرِ اعظم بنجامن ڈزرائیلی اپنی وزارتِ عظمیٰ کی طاقت کا استعمال کر کے عربوں کو گمراہ کرنے میں کئی کئی بار اپنی کوششوں میں کامیاب رہا ہے۔ یوں کہنے کو یہ بات چیت برطانوی اقتدار سے ہوتی مگر دراصل اس کرسی پر ایک یہودی فرد براجمان تھا جو عرب یہود جھگڑے کا قاضی بن گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتیں متعدد بار پیش آتی رہیں اور بے چارے عرب عوام کو شاید پتہ بھی نہیں چلا کہ بات چیت کے لیے وہ حریف طاقت کے فرد کا سہارا غیر شعوری طور پر لے رہی ہے۔ بس سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ

مسلمان ان یہود ونصاریٰ سے ولایت اور دوستی کی امید نہ کریں۔ دو بگڑے ہوئے اوباشوں کی گھر والی بن کر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک نے ظلم کیا تو دوسرا رفاقت اور خبر گیری کرے گا۔ مگر ایسی ہستی کا جو حال انسانی سماج میں ہے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس ضمن میں روسی اور امریکی یا دنیا کی کسی بھی اشتراکی یا سامراجی طاقت کی دوستی اور ولایت ہمارے لیے سم قاتل سے کم نہیں۔

---

# بدتر انجام

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○

(5 - المائدة - 60)

" تم کہو کیا میں تمہیں ان لوگوں کا نشان بتا دوں جن کا انجام خدا کے یہاں سب سے بدتر ہے۔ یہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پھٹکار برسائی اور خدا کا غضب ان پر ٹوٹ پڑا اور وہ بندر اور سور تک بنا دیئے گئے۔ جنھوں نے طاغوت کی بندگی کی تھی۔ ایسے لوگ مقام کے اعتبار سے بہت ہی بدتر ہیں اور وہ راہِ راست سے بہت دُور ہیں "

آخرت میں اپنا انجام پتہ نہیں کیا ہو۔ کوئی صالح آدمی نہیں کہہ سکتا لیکن یہود برابر اس بات کو دہراتے کہ انجامِ خیر تو بس ہمارا ہو گا۔ حالانکہ انھیں اسی دنیا میں ایسی ایسی عبرت ناک سزائیں دی جا چکی ہیں کہ تاریخِ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ رہی آخرت تو اس کا پتہ یا تو آدمی کا اپنا ایمان اور صالح اعمال ہی دے سکتے ہیں یا پھر خدا اُس کی خبر دے دے کہ فلاں اور فلاں کا

انجام یہ اور یہ ہوگا۔ اللہ جلّ شانہٗ نے یہود کو خبر دی کہ سب سے بدتر انجام تو تمھارا ہے۔ طاغوت کی پوجا بھی تم نے کی اور بندر اور سور بھی تم ہی بنائے گئے۔

اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ قرآن نے ان کی بہت ہی بُری طرح خبر لے ڈالی اور عالمِ انسانیت میں انھیں بالکل ہی گرا کر بندر و سُوَر بنا دیا۔ مگر بھائیو! بائبل میں ان کے پُرکھوں کے بندر اور سور ہونے کے افسانے محفوظ ہیں جن کی تلاوت مذہبی خیال کے یہود اب بھی کرتے ہیں، اسی لیے ان کا مذہبی طبقہ کچھ واجبی سا دین دار دِکھائی دیتا ہے۔

---

# چودھریوں کا بگاڑ

وَتَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَکۡلِہِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ○ لَوۡلَا یَنۡہٰہُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِہِمُ الۡاِثۡمَ وَاَکۡلِہِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ ○

(5-المائدۃ - 63-62)

"اور تم دیکھو گے ان میں بہتوں کو گناہ ظلم اور مالِ حرام پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ بہت ہی بُرے بُرے کام کرتے ہیں۔ کیوں نہیں منع کرتے ان کے علماء اور درویش گناہ کی بات کہنے سے اور مالِ حرام کھانے سے۔ منع کرتے بھی کیسے جبکہ وہ خود بھی اِس گناہ میں مبتلا ہیں۔"

یہود اپنی تاریخ میں جس تیزی اور سُرعت کے ساتھ گناہ، ظلم اور حرام خوری کی عمیق غار میں گرے ہیں۔ اس میں بڑا تعاون انھیں اپنے علماء و درویشوں، پیروں، فقیروں اور پیشہ ور واعظین سے برابر ملتا رہا۔ کسی قوم کے مذہبی پیشوا اگر بُرائی سے روکنے کا عزم رکھتے ہوں اور کھلے میدان اپنی قوم کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ان کی پوری قوم کبھی بھی بُرائیوں میں اتنی غرق نہیں ہو سکتی کہ اُسے واپس نہ نکالا جا سکتا ہو۔ اس اُمّت کا حال بھی یہود کے مشابہ ہو گیا۔ یہاں بھی جو عالم عوام الناس کی ہاں میں ہاں ملا دے، بس وہ تو اُن کا امام اور ہیرو بن گیا باقی جس نے قوم کی

برائیوں پر نکیر کی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے کر قوم کو برائیوں میں جانے سے روکتا رہا۔ اُسے اور کچھ نہیں تو آج کے زمانے میں وہابی ضرور کہا جاتا ہے، مگر یاد رکھو! جو لوگ مالِ حرام کھانے کے عادی ہیں وہی قوم کو اس کی بداعمالی پر شاباشی دے کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں اور جو فی الواقع رضائے الٰہی کے تحت خدا کے احکامات بندوں تک پہنچا کر انھیں بُرائیوں سے منع کرنا چاہتے ہوں انھیں خواہ کوئی کچھ بھی کہے اس فریضہ کو برابر انجام دیئے جاتے ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ اس اُمّتِ محمدیّہ میں اب بھی ایسے حق پرستوں کی کمی نہیں، مسلمان عوام کی یہ ذمّہ داری ہے کہ بھلائیوں کا حکم کرنے والوں اور بُرائیوں سے منع کرنے والوں کا پورا پورا ساتھ دے، تاکہ یہ طبقہ آگے آسکے۔ اور بُرے لوگوں کی چودھراہٹ کا خاتمہ ہو جائے۔

یاد رکھو! جو لوگ بداعمالیوں کے شکار ہوتے ہیں ان کی چودھراہٹ ہر زمانے میں عوام کو بہت مہنگی پڑی ہے۔ ایسے غلط رہنماؤں کی آؤ بھگت کرنے سے ہمارا دِین بھی ہاتھ سے جاتا رہا اور دنیا کی زندگی میں بھی ذلیل و خوار ہوئے۔

---

# جنگ کی آگ بھڑکانے والے

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○

(5-المائدۃ-64)

"اور یہود کہتے ہیں خدا کا ہاتھ بند ہو گیا۔ ہاتھ تو انہی کے بند ہوں گے اور ملعون بنائے گئے اپنے اس قول کے سبب۔ اللہ کے ہاتھ تو خوب خوب کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور اے محمد! تم پر تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ اُتارا گیا ہے وہ یہود میں بہتوں کے کفر اور شرارت کے بڑھ جانے کا سبب ہو جائے گا اور ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک کے لیے ڈال دیا ہے جب یہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے اور زمین میں فساد پھیلانے کے لیے یہود ہر جگہ کوشاں رہتے ہیں جبکہ اللہ فساد کرنے والوں کو مطلق پسند نہیں کرتا۔"

یہود کے کالے کرتوتوں کی طویل فہرست ایک ہی آیت میں یکجا طور پر بیان کر دی گئی۔ ان میں سے فقط چند کا تذکرہ ہم یہاں کریں گے۔

1 خدائے تعالیٰ نے جب انھیں ان کے گناہوں کے سبب معاشی بدحالی میں مبتلا کیا تو وہ اپنی حرکتوں کی اصلاح کرنے کی بجائے اُلٹے خدا کے حضور گستاخیاں کرنے لگے اور خدا کو نعوذ باللہ بخیل کہنے لگے، اُن کے اس قول کی وجہ سے انھیں ملعون قرار دیا گیا۔ اس قوم پر لعنت کی تکرار کلام مجید میں جتنی بار کی گئی ہے کسی اور کے لیے نہیں۔

2 سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا کلام یہود کے مزید شر اور کفر کے بڑھ جانے کا سبب بنا۔ کلام پاک میں کسی بندے کی رُو رعایت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہود کے حال کا پتہ دینے والی کھری کھری باتیں جب قرآن پیش کرتا تو یہود اپنی اصلاح کرنے کی بجائے اُلٹے صاحبِ قرآن اور خود قرآن کے نازل کرنے والے کے مخالف ہو گئے۔ اس سے زیادہ کفر و شرک کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

3 سب سے اہم خبر اس آیت میں لڑائی کی آگ سُلگانے میں یہود کا رول واضح کیا گیا ہے۔ اقوامِ عالم میں اونچی سطح پر پہلے تو تو مَیں مَیں شروع کرانے میں یہود کی پہل ہوتی ہے، بعد میں آج کے دَور میں اخباری بیانات میں متضاد باتیں ان کی نیوز ایجنسیاں پیش کر کے بات کا بتنگڑ بنا ڈالتی ہیں۔ جب دو مخالف گروہ وجود میں آ کر ہاتھا پائی کے لیے تیار ہوتے ہیں تب یہود اپنے آدمی دونوں طرف شامل رکھتے ہیں تاکہ ان کی ڈالی ہوئی چنگاریاں بجھ

پائیں۔ قرآن پاک نے یہود کی جنگ پسندی کا جو تذکرہ کیا اسے وقتی ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ قرآن خدا کا آخری پیغام ہے، اس لیے اس میں کوئی بات محض وقتی اور ہنگامی ہو اس پر کلام کیا جانا خود اس کے مزاج کے خلاف ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہود کی اس چالبازی سے کم از کم اہلِ ایمان اور ان کے ساتھ اس زمین کے دوسرے با اقتدار باشندے      کچھ تو دیکھ بھال کرتے کہ بنی آدم کی آپسی لڑائی میں ایک "طبقہ یہود" کی شرارت سے جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھتے ہیں اور انسانی آبادی کے ایک بڑے حصے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ انسان کا لہو چاٹنے میں یہود اگر براہِ راست کامیاب نہیں ہو سکے تو پھر اس خونخوار قوم نے نت نئی ترکیبوں سے آدمیت کا گھر اُجاڑا ہے۔

یہ تو خدا کا کرم رہا ہے کہ وہ ہمیشہ یہود کی سُلگائی ہوئی جنگی سازشوں پر ٹھنڈا پانی ڈال دیتا ہے۔

کچھ نہیں تو پچھلے دو سو سال کی دنیا کی تمام بڑی بڑی لڑائیوں کی وجوہات معلوم کرنے کے لیے اگر محققین کا ایک کمیشن بٹھایا جائے تو اُسے معلوم ہو گا کہ تقریباً ہر جگہ لڑائی کی ابتدا کرانے میں ایک نہ ایک یہودی اسے مل جائے گا۔

پہلی جنگِ عظیم اور دنیا کی دوسری جنگ میں یہود کا ہاتھ تو ہم اسی کتاب میں واضح طور پر بتا چکے ہیں۔ باقی اب دنیا کی ہر طرح کی سیاسی بے چینی حتیٰ کہ اب معمولی فرقہ وارانہ جھگڑوں میں یہود کا ہاتھ تلاش کیا جائے تو ملے بغیر نہیں رہے گا۔ کوئی شاید میری اس بات کو بچکانہ پن سے تعبیر کرے مگر اسے جان لینا چاہیئے کہ ہر ملک میں یہود اپنا ایک ایسا مقام بنا کر بیٹھ گئے ہیں جہاں سے وہ سب کی

خبر لے سکتے ہیں، مگر کوئی انھیں نہیں دیکھ سکتا۔ یہ تو عربوں کا خدا بھلا کرے کہ خوابِ غفلت میں جا سوئے اور یہود نے حد سے زیادہ مار دھاڑ کر انھیں فلسطین سے بے دخل کیا تب جا کر کچھ شور برپا ہوا، ورنہ یہ کارروائی بھی چپکے سے اگر ہو جاتی تو یہود کی سُلگائی ہوئی آگ کا دھواں تک دِکھلانا مشکل ہو جاتا۔

لڑائی کی آگ سُلگانے کا یہود کے آج کے اکابرین کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ ایک ممتاز یہودی مفکر ڈاکٹر آسکر لیوی لکھتا ہے کہ "ہم ہی دُنیا کے حاکم ہیں۔ ہم ہی مفسد ہیں تمام فتنوں اور جھگڑوں کو ہوا دینے والے بھی ہم ہیں اور جلّاد بھی ہم ہیں۔"

خدا کا شکر ہے کہ اِس بیسویں صدی میں قرآن کی صداقت کا ثبوت خود ایک یہودی فاضل ڈاکٹر آسکر لیوی سے مل گیا کہ جنگ کی آگ بھڑکانے والے وہ خود ہیں. جو اپنے آپ کو یہودی کہتے ہیں۔

---

# تنزیل اور معاشی پریشانیاں

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝

(5-المائدة-66-65)

"اور یہ اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور خدا پرستی اختیار کرتے تو ہم ضرور اُن کے گناہ معاف کر دیتے اور انھیں نعمت کے باغات میں داخلہ دیتے اور یہ لوگ توریت اور انجیل پر قائم ہو جاتے اور جو کچھ ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اس کی پابندی کرتے تو خوب شکم سیر ہو کر کھاتے اوپر سے اور قدموں تلے بھی ان کو کھانا ملتا میانہ روی تو اُن میں بس ایک جماعت نے اختیار کی ہے۔ باقی ان کی اکثریت کی حرکتیں ٹھیک نہیں"

اہلِ کتاب میں خاص طور پر یہود و نصاریٰ دونوں سے الگ الگ خطاب اب تک بار بار ہوتا رہا اس جگہ قرآن مجید نے ان دونوں کو اہلِ کتاب کہہ کر آواز دی اور فرمایا کہ خدا کی دھرتی میں سارا بگاڑ اہلِ کتاب کے بگڑ جانے

کے بعد ہوا۔ آپسی جنگ و جدال سے لے کر وسائلِ رزق اور معیشت کی تنگی یہ سب کچھ تکالیف اہلِ کتاب کی شرارتوں کی وجہ سے ہے۔ خدا نے جس علاقے میں اپنے سپاہیوں کو مقرر کیا تھا وہ جب باغی ہو گئے تو اُن علاقوں پر آفاتِ سماوی و ارضی کا ہونا لازم ہے۔ پس اہلِ کتاب کے سدھار پر تمام اہلِ عالم کا سُدھار منحصر ہے۔ پھر اگر انھیں قرآن سے تعصّب ہو تو یہ دونوں توریت اور انجیل پر ہی قائم ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ اِس آیت کے بعد قرآن کا غیر متعصّب ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں اور نہاں ہو گیا۔

جو لوگ تعصّب میں اندھے ہو کر قرآن، اسلام اور صاحبِ قرآن پر تعصّب کا الزام لگاتے ہیں انھیں آنکھیں کھول کر قرآن کے اِس بیان پر غور کرنا چاہیئے۔ اِس کے ساتھ تمام بنی آدم کے آج کے دکھوں اور پریشانیوں کا علاج بھی غور کرنے کے قابل ہے۔ قرآن پاک نے رزق و معاش کی تنگی کو خدا کی نازل کی ہوئی کتاب مبارک سے لاپروائی کا دنیاوی نتیجہ قرار دیا ہے اور کوئی نہیں تو مسلمانانِ عالم کو اپنی معاشی پریشانیوں کے سدِّ باب کے لیے خدائی کتاب کلام پاک کی طرف ضرور توجہ کرنی چاہیئے۔ رزق کے دروازے آسمان اور زمین دونوں طرف سے کھلوانا چاہتے ہو تو خدا کی کتاب کے حامل اور عامل ہو جاؤ۔

---

# وحدتِ کتبِ سماویہ

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَىْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَٰنًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ۝

( 5-المائدة - 68 )

"آپ کہہ دیجیئے گا کہ اے اہلِ کتاب تم ہرگز راہ پر نہیں مانے جاسکتے جب تک توریت اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس تنزیل پر ثابت نہ رہو. جو تمھارے رب نے اس وقت اتاری ہے اور ان میں اکثر لوگوں کی طغیان اور سرکشی اس کلام سے اور بڑھے گی. سو تم اس منکر قوم پر افسوس نہ کرو"

یہاں اہلِ کتاب میں یہود و نصاریٰ کو اپنی کتبِ سماویہ توریت و انجیل پر قائم ہوئے بغیر بے اصل قرار دیا گیا - اسلام کی دعوتِ حقہ تبدیلِ مذہب کی دعوت ہرگز نہیں، ورنہ یہود و نصاریٰ کو خود اُن کی اپنی کتابوں پر قائم ہونے کی دعوت دینا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

وحدتِ ادیان کے بجائے وحدتِ دین. تفریق بین الرسل کے بالمقابل وحدتِ رسالت، تفریقِ کتبِ سماویہ کے بجائے وحدتِ کتبِ آسمانی اور بے شمار

معبودوں کو چھوڑ کر وحدتِ الٰہ کی دعوتِ قرآنی دراصل محدود تصوّرِ ادیان پر ایک ضربِ کاری ہے۔ اس چوٹ نے دین میں تفرقہ ڈالنے والوں کی ریڑھ کی ہڈّی توڑ ڈالی۔ اب اگر یہ فرقے اپنی سابقہ روش کو ترک کرنا نہ چاہیں گے تولامحالہ طغیان وانکار سے دعوتِ قرآنی کے مقابل جتھّہ بندی ضرور کریں گے۔ ان کی اس سرکشی اور تمرد سے، ہمیں افسوس کرنے کی بجائے طریقۂ حق پر برابر چلتے رہنا چاہیئے۔

---

# یہود کے حق میں دو نبیوں کی بد دعا

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○

(5-المائدة- 79-78)

"بنی اسرائیل میں جو لوگ کفر کی راہ پر چل پڑے تھے ان پر داؤدؑ اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی پھٹکار برسائی گئی کیونکہ یہ لوگ برابر نافرمانیاں کرتے رہے اور حدّ اعتدال سے نکل بھاگتے تھے اور نہ صرف برائی سے منع کرنا چھوڑ دیا تھا بلکہ خود اُن ہی برائیوں کے مرتکب تھے۔"

حضرت داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے لعنت جس قوم پر کی گئی ہو اس کے ملعون ہونے میں کیا کسر باقی رہ جاتی ہے۔ خدا کے نبی رحمت کی دعا کرنے والے ہوتے ہیں لیکن یہود کی بد قسمتی سے اللہ کے نبیوں نے بجائے رحمت کے ان پر لعنت کی پھٹکار برسائی اس لعنت کے تذکرے بائبل میں اب بھی موجود ہیں؛

" اے خداوند! انتقام لینے والے خدا!

اے انتقام لینے والے خدا! جلوہ گر ہو۔
اے جہان کا انصاف کرنے والے اُٹھ۔
مغروروں سے بدلہ لے۔
اے خداوند شریر کب تک؟
شریر کب تک شادیانے بجایا کریں گے؟
وہ بکواس کرتے اور بڑا بول بولتے ہیں۔
سب بدکردار لاف زنی کرتے ہیں۔
اے خدا! وہ تیرے لوگوں کو پیسے ڈالتے ہیں۔
اور تیری میراث کو دُکھ دیتے ہیں۔
اور بیوہ اور پردیسی کو قتل کرتے ہیں۔
اور یتیم کو مار ڈالتے ہیں۔
اور کہتے ہیں کہ خدا نہیں دیکھے گا۔"

(زبور۔ باب 94۔ آیت 1 تا 6)

اِسی طرح مسیحؑ ابن مریم نے یہود پر نہایت غضب ناک لہجہ میں لعنت کی ہے۔ جس کی داستان اتنی طویل ہے کہ پچاسوں صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔ صرف ایک نمونہ دیکھ کر ہی صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ متیٰ کی انجیل میں حضرت مسیحؑ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس، کہ نبیوں کی قبریں

بناتے اور راست بازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو، اور
کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانے میں ہوتے تو نبیوں
کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے۔ اس طرح تم اپنی نسبت
گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ غرض اپنے
باپ دادا کا پیمانہ بھر دو۔ اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم
جہنّم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔ اس لیے دیکھو! میں نبیوں اور
داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ ان میں
سے تم بعض کو قتل اور مصلوب کرو گے اور بعض کو اپنے عبادت
خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر در شہر ستاتے پھرو گے تاکہ
راست بازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے۔ راست باز
ہابیلؔ کے خون سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زکریا کے خون تک جسے
تم نے مقدّس اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا۔ میں تم سے سچ
کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانے کے لوگوں پر آئے گا۔"

(متّی باب 23 - آیت 29 تا 36)

حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰؑ ابن مریم سے یہود کی پرخاش ایک تاریخی حقیقت
ہے۔ گویہ دونوں پیغمبر انہی کی اصلاح میں کوشاں تھے۔

صَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ

# شدید ترین دشمنانِ اسلام

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ (5 - المائدۃ - 82)

"تم اہلِ ایمان کی عداوت و دُشمنی میں سب سے زیادہ شدید یہود کو پاؤ گے اور ان کو خدا کا جو شریک بناتے ہیں اور محبت میں قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس واسطے کہ اِن میں عبادت گذار عالم اور درویش پائے جاتے ہیں اور یہ لوگ گھمنڈی نہیں ہیں۔"

مسلمانانِ عالم کو یا صرف ہمارے ائمۂ دین و پیشوا و عرب بھائیوں کو فقط یہی ایک آیت یاد رہتی تو یہ دن دیکھنے نصیب ہی کیوں ہوتے کہ قرآن میں جس قوم یہود کو عداوت و دُشمنی میں اہلِ ایمان کے لیے مشرکین کا ساتھی بتایا گیا ہے انھیں اب جاکر پہچانا۔ قرآن مجید کی ایک آیت صرف تلاوت ہی کر لیجیے آپ پر حقیقتِ حال کے دروازے کھول دے گی، اور اس سے انجان بنے رہیے پھر تمام عزت آبرو مال و ملک، شوکت و وجاہت سب کچھ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ننگی آنکھوں سے وہی کچھ دیکھیے جو یہ آیتِ ربانی آپ کو دکھانا چاہتی تھی۔

بھلا بتائیے دنیا کیا کہے گی کہ جن کی مقدس کتاب میں یہ آیت موجود تھی۔ وہ اِس قوم یہود سے سب سے زیادہ نا واقف نکلے۔

نصارٰی کو مسلمانوں سے محبت میں قریب بتا کر قرآن نے اُن کے اور اہلِ ایمان کے فاصلے کم کردیئے۔ مگر یہ کون سے نصارٰی ہیں؟ آج کے نہیں۔ آج تو نصارٰی ہونے کا دعویٰ دار شاید کوئی نہیں، مسیحی، عیسائی، رومن کیتھولک، پروٹسٹنٹ وغیرہ ہر طرح کے لوگ ہیں۔ یہ سب فرنگی قوموں کی تبلیغ و تائید سے بنے ہوئے لوگ ہیں۔ قرآن تو محبت میں انھیں قریب بتا رہا ہے جو قدیم طبقہ (AZRENES تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے آپ کے نصرانی ہونے کا اعلان کرچکے تھے ــــ یعنی ہم انصار اللہ ہیں۔ خدا کے دِین کے مَددگار ہیں۔

اور یہاں بھی وہی مخصوص طبقہ مُراد ہے۔ جو شاید اب خال خال ہو یا نہ بھی ہو، باقی مسلمانوں کی عداوت میں ان کے نئے پُرانے، اگلے پچھلے سب برابر ہیں۔

---

# عیسیٰؑ پر ہاتھ ڈالنے والے

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىٓ اِسْرَآئِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (5- المائدۃ-110)

"اور اے عیسیٰؑ جب تم بنی اسرائیل کے پاس دلائل لے کر آئے اور انھوں نے تم پر ہاتھ ڈالنا چاہا تب میں نے انھیں روک دیا اور بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر بن گئے وہ کہہ اٹھے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے"

بنی اسرائیل نے حضرت مسیحؑ پر ہاتھ ڈالا، اس کا تذکرہ موجودہ اناجیلِ اربعہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور یہ تاریخی حقیقت ہے اس کا انکار کسی یہودی یا نصرانی نے نہیں کیا بلکہ دونوں اس بات کے خوب قائل ہیں کہ یہود نے مسیح علیہ السلام پر پتھر اُٹھائے، یہود کی قدیم تاریخی کتابوں، نیز بیسویں صدی میں یہودی نقطۂ نظر کو پیش کرنے والی تمام کتب میں حضرت مسیحؑ کو سحر پیشہ قرار دیا گیا ہے۔ معاذاللہ نعوذ باللہ مگر آج کی دنیا میں یہود کی پوری تائید و نصرت عیسائی کرنے لگیں تو "چور چور موسیرے بھائی" والی کہاوت کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

قرآن پاک کا بیان تو آپ ابھی ابھی پڑھ چکے ہیں کہ یہودی اور عیسائی آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوسکتے ہیں۔ جبکہ مسیحؑ کے متعلق ہر طرح

کی کفریہ بکواس یہود کا مذہب بن گیا۔ سیدنا عیسیٰؑ پر جادوگر ہونے کا الزام لگاتے ہی خدائے تعالیٰ نے یہود کو کافر قرار دیا، پھر بھی مسیحی دنیا یہود کی پشت پناہ بنی ہوئی ہے مگر انصاف پسند ملّتِ اسلامی کے افراد کو جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا نبی مانیں بس دشمنی انہی سے رکھی جانی چاہیئے۔" آوازدو انصاف کو انصاف کہاں ہے۔"

زمانہ بھی کئی کئی کروٹیں بدلتا ہے۔ ورنہ کم از کم مسیحی دنیا کو لازم تھا کہ یہود کے بالمقابل وہ مسلمانوں کی مدد بھلے ہی نہ کرتی لیکن یہود کے استحکام کے لیے اپنی مذہبی ناک کٹوانے سے تو اُسے پرہیز کرنا ہی چاہیئے تھا۔

---

# کتابُ اللہ کی اِتباع

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ○ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

(6 - الانعام - 156 - 155)

" پھر ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عنایت کی جس سے اچھی طرح نیک عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور ہر ضروری شے کی تفصیل اور ہدایت و رحمت ہو تاکہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کا یقین جانیں، اور یہ کتاب (قرآن) جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے۔ سو تم اب اس کی پیروی کرو اور خدا سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے "

موسیٰ علیہ السّلام کو دی گئی " کتاب اللہ " کا نام توریت ہے۔ اس کی فضیلت کو قرآن پاک نے بیان کر دیا، مگر جب اس کے حامل اس کتاب کی تعلیمات سے جی چرا گئے اور ہدایت و رحمت کو اپنے حق میں گمراہی اور زحمت بنا چکے تب تازہ ہدایت نامہ " قرآن پاک " نازل کیا گیا۔ اِس جدید ہدایت نامے کی پیروی کرنی چاہیئے۔ خدا کی کتابیں جنتر منتر کے لیے تو نہیں ہوا کرتیں، ان کی اتباع اور پیروی سے ہی انسان خدا کی رحمت کا مستحق ہو سکتا ہے اور اتباع کرنے کے لیے پڑھے اور سمجھے بغیر چارہ نہیں۔

---

# دیکھیں تم کیا کرتے ہو؟

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ج اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ قف يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ط قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○

(7 - الاعراف - 129 - 128)

"موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے مگر اچھا انجام تو خدا سے ڈرنے والوں ہی کے ہاتھ رہتا ہے۔ وہ کہنے لگے۔ ہم تمہارے آنے سے پہلے بھی ستائے جاتے رہے اور تمہارے آنے کے بعد بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ موسیٰ نے فرمایا۔ بہت جلد تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر ڈالے گا اور تم کو زمین کا حاکم بنا دے گا۔ پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔"

مصر میں فرعون کے زیرِ اقتدار دکھ بھری زندگی گزارنے والے بنی اسرائیل کو موسیٰؑ ڈھارس بندھا رہے ہیں، قوم کی آس ٹوٹ گئی ہے اور حسرت بھرے انداز میں کہہ رہی ہے کہ آپ کے آنے سے قبل بھی ہم دکھی تھے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی سلسلہ مصائب میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انھیں بشارت دی کہ عنقریب دشمن ہلاک ہوگا اور اقتدار تمھیں عطا کیا

جائے گا۔ تاکہ یہ دیکھا جاسکے کہ سلطنت ملنے کے بعد تم کیا کرتے ہو۔

اِس آیت میں دو باتیں صاف صاف معلوم ہوتی ہیں، بُرے لوگوں کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے نیک لوگوں کو یوں ہی تختِ سلطنت پر براجمان کرا دینا خدا کا دستور نہیں، بلکہ اچھے لوگ اقتدار پاکر کس طرح کام کرتے ہیں۔ یہ دیکھنا مقصود ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شام و فلسطین میں بھی بنی اسرائیل کی حکومت کا قائم ہو جانا ناممکن نہیں۔ بُرے لوگوں کو ہٹا کر دوسروں کو موقع دینا۔ اگر وہ بھی بُرے ثابت ہوں، تو پھر کسی اور کو بھی یہاں بٹھایا جا سکتا ہے۔ مسلمان خوب سمجھ لیں کہ یہود کے مقابل اِسے دینی اعتبار سے اچھا ثابت ہونے کے بعد ہی بیت المقدس ملنا ہے ورنہ نہیں۔

اِسی پر منحصر نہیں بلکہ مسلمانوں نے بعض بعض مقامات پر صدیوں تک حکومت کی ہے۔ اپنے دورِ اقتدار میں "خدا کو ناپسند ہوں" ایسی حرکتیں کرتے رہے اور ثابت کر دیا تھا کہ اب وہ جمنا کنارے مصلیٰ بچھانے کے لیے تیار نہیں ہیں وہ صرف اپنی شان و شوکت اور جبروت کی دھاک بٹھانے کے لیے عمارتیں بنائیں گے خدا کے دین سے انھیں کچھ لینا دینا نہیں تو پھر فیصلہ ہونا ہی تھا کہ اقتدار اب کسی اور قوم کو ملنا چاہیئے۔ جمنا تو یہی تھی جس کی دھارا میں ہمارے بزرگوں نے وضو کر کے اس دھرتی پر خدا کے آگے سر جھکایا تھا، اور اسی راہ سے مددِ خداوندی کے دروازے کھُلے تھے۔ مگر اب مسلمان کو خدا سے کچھ کام نہیں تھا۔ مغل دَور کی تاریخ اسی ملک کے اندر اعتماد الدولہ کے مقبرے کی جالیاں اور شراب کی پیالیاں اب بھی

شہادت دینے کے لیے برابر موجود ہیں۔ آگرے میں تختِ طاؤس کے دُھندلے نقوش دہلی اور آگرہ کے لال قلعہ، فتح پور سیکری وغیرہ اور اعتماد الدولہ کے مقبرے بس مقبرے ہی ہیں۔ پتھر کی عمارتیں سُنسان علاقوں میں کھڑی کھڑی یہاں کے مسلمانوں کی سطوت اور جاہ وجلال کا نقش ذہن پر ڈال دیتی ہیں، مگر کب تک؟ ایک دن یہ سب کھنڈروں میں تبدیل ہو جائیں گے۔ لیکن کیا اب جن کو موقع ملا ہے وہ تختِ سلطنت پر قیامت تک بیٹھ سکیں گے؟ نہیں۔ ان کا بھی یہی حال ہوگا بلکہ قدیم لوگوں سے بھی خراب تر، وہاں بیس بیس سال تک حکومت تو ہو جاتی تھی، یہاں تو آج کے راجہ کی عمر پانچ سال ٹھہری۔ اس کے بعد الیکشن میں پھر زندہ ہوئے تو ٹھیک ورنہ کوئی چائے کی پیالی کو پوچھنے والا نہیں چاہے عمر دراز ہی کیوں نہ مل جائے۔ ایسے فانی اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے کے لیے آدمی بھلا کیونکر اودھم مچاتا ہوگا جبکہ پچھلوں کا انجام برابر دیکھتا رہا ہے۔

---

# مثالی صبر

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ○

( 7 - الاعراف - 137 )

"اور پورا ہوا نیک وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر جبکہ انھوں نے صبر کیا اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے تیار کیا تھا اور جو اُونچی عمارتیں بنائی تھیں ان سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔"

مظلوم قومیں صبر و استقامت اگر دکھا دیں تو خدائی وعدہ ان کے حق میں پورا کر دیا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل فرعون کے ظلم و ستم کے مقابل چار و ناچار صبر کو اختیار کرتے رہے۔ اس کی یہاں تعریف کی گئی ہے وہیں یہ حقیقت بھی بیان کر دی گئی کہ مادّی طاقت خدائی انصاف کے آڑے نہیں آسکتی۔ گناہ پر ڈھیل اس نے بہت کچھ دی ہے اور گنہگار قوموں اور حکومتوں کو دیر تک برداشت کیا ہے لیکن جہاں ظلم ہو اور مقابلہ میں مظلوم اکائیاں صبر دکھاتی رہیں، وہاں اللہ نے فوری طور پر ظالموں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ گناہ سے حکومتیں فوراً نہیں ٹوٹا کرتیں، مگر ظلم بڑی بڑی حکومتوں کو اپنی فلک بوس عمارتوں اور ایوانوں سمیت آن کی آن میں زمین بوس کر دیتا ہے۔

بنی اسرائیل کے دورِ موسوی کی تاریخ میں مظلوم قوموں کے لیے بڑی عبرت ہے۔

# بگڑی قوموں کی راہ

وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○

(7 - الاعراف - 139- 138)

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار اُتار دیا۔ تو یہ پہنچے ایک ایسی قوم کے علاقے میں جو بتوں پر جمی ہوئی بیٹھی تھی۔ کہنے لگے موسیٰ آپ بھی ہمیں عبادت کے لیے ایسا بُت بنا دیجیے جیسے اُن کے پاس ہیں۔ موسیٰ کہنے لگے تم بڑی جہالت کی بات کر رہے ہو۔ یہ سب تباہ ہونے والا ہے اور جس میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں سب باطل ہے۔"

نبیوں کا دین چھوڑنے کے بعد تو ہر دور میں اُمّتیں شرک و کفر میں ملوّث ہوتی رہی ہیں۔ کسی نے قبر پرستی کی، کسی نے بُت پرستی۔ مگر یہود کا نمبر یہاں بھی سب سے اوپر رہا کہ موسیٰؑ کی موجودگی میں خود اُن سے بُت خانہ بنا دینے کی درخواست کر دی۔ یہاں سے زمانہ مسیح تک پہنچتے پہنچتے یہود پورے طور پر قبر پرست بن چکے تھے جس کا تذکرہ مسیح ابن مریم کی زبانی اناجیلِ اربعہ میں جگہ جگہ مل جاتا ہے۔ صورت پرستی اور ظاہر پرستی میں اجسام چاہیئے۔ کہیں تو ہاتھ سے بنا لیا اور کہیں بنے بنائے صالح انسان مل جائیں تو اُن ہی سے یہ کام لے لیا۔ مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی دینی عظمت اور توحید کے وقار کی حفاظت

کرے اور ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس سے بگڑی قوموں کی راہ پر وہ چلنے لگے۔
خیر یہود یہاں تو کامیاب نہ ہو سکے مگر حضرت موسیٰؑ کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے پر بچھڑے کی صورت بنا کر پوجا کر کے اپنے کفریہ جذبات کی تسکین کر لی۔

مسلمان کو خدا کی بندگی میں تسلی ہو جانی چاہیے۔ ہر طرح کی ظاہر پرستی، بُت پرستی، قبر پرستی، پیر پرستی وغیرہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جو خدا پرستی اختیار کرے وہ مسلمان ہوا۔ باقی تصوّرِ شیخ اور تعظیمی سجدہ اور وسیلۂ شیخ وغیرہ کی راہ سے پچھلی اُمتیں زیادہ دن تک توحید کی امانت کو سنبھال نہیں سکیں اور بالآخر اُن کا شمار اس دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ نہ ہوا۔ تب خداوندِ قدوس نے ان کو نبی اور کتابیں بھیج کر راہِ راست پر لانا چاہا مگر اس اُمّتِ محمدیہ کے سُدھار کے لئے اب کوئی نبی یا کتاب آنے سے رہی، لہٰذا ہمیں تو فقط اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر ہی چلنا چاہیئے اور کسی بگڑی ہوئی قوم کی نقالی سے ہر صورت میں پرہیز کرنا ہی چاہیئے۔

---

# بدترین ذلّت

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (7 - الاعراف - 167)

"وہ وقت یاد کرو جب تمھارے رب نے اعلان کر دیا کہ برابر مسلّط کرتا رہے گا ان پر قیامت کے دن تک ایسے لوگ جو اُنھیں بدترین تکالیف دیتے رہیں گے۔ بے شک تمھارا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔"

حضرت مسیحؑ کے لگ بھگ آٹھ سو سال قبل سے یہود پر یہ نوٹس جاری کیا جاتا رہا کہ وہ اب سنبھل جائیں ورنہ انھیں ایسا روندا اور پامال کیا جائے گا کہ تا قیامت اس سے چھٹکارا حاصل کرنا اُن کے لیے بہت مشکل ہو جائے گا۔

یہود مال دار اور تاجر بھی رہے۔ بڑی بڑی کوٹھی، بنگلے انھیں میسّر ہوئے مگر عزّت کی زندگی کہیں نہیں ملی۔ ہر وقت سر پر ایک نہ ایک طاقت کھڑی ہے، چاہے اقتدار اپنا رہا ہو یا غیروں کا۔

اس طرح کی آیات کے شارحین اور مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس میں کہیں کہیں کسی نے یہ بھی لکھ دیا کہ ان کی حکومت قائم نہ ہوگی۔ یہی اصل ہے۔ اس خام خیال کی کہ یہود کی حکومت قائم نہ ہوگی اوپر جو آیتِ کریمہ ہم نے

درج کی ہے اُسے بار بار پڑھیئے اور بتائیے کہ اُنھیں حکومت میسر نہ ہوگی یہ کہاں لکھا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ چاہے انھیں اقتدار ہو یا نہ ہو تا قیامت ایک نہ ایک شخص اُن کے سر پر جوتے مارتا رہے گا۔ یہ بدترین ذلّت اُنھیں اپنی اقتدار کی کرسیوں پر بیٹھ جانے کے بعد بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی۔

دورِ حاضرہ میں خود اُن کی دولتِ یہود جو مشرقِ وسطیٰ میں فرنگی طاقتوں کی سازش کے سہارے قائم ہے وہ بھی ان کی نیند حرام کیئے ہوئے ہے۔ مگر حکومت کسی طرح کی بھی انھیں کبھی بھی حاصل نہیں ہوگی اس کا تذکرہ تو کلام پاک میں نہیں ہے۔

---

# منتشر اجزاء

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○

(7 - الاعراف - 168)

"ہم نے انھیں زمین میں ٹکڑے کر کے منتشر کر دیا۔ کچھ تو اُن میں نیک ہیں اور کچھ اُن کے اور طرح کے ہیں۔ ہم ان کے اچھے اور بُرے حالات میں آزمائش کرتے رہے، شاید کہ یہ لوگ پلٹ آئیں"

روئے زمین کے ہر قابلِ ذکر علاقے میں اس قوم کے منتشر اجزا پائے جاتے ہیں۔ ان میں کچھ نیک ہیں اور باقی بدکار۔ ان لوگوں نے ہر ملک میں ایک خاص مقام پیدا کر لیا۔ لیکن ملک ان کا اپنا اب تک کوئی نہیں تھا۔ دولتِ اسرائیل ٹوٹنے کے بعد انھیں مِلّی اعتبار سے یکجائی نصیب نہیں ہوئی، مگر اس دور میں فلسطین میں ایک علاقے کو دولتِ اسرائیل بنانے میں یہود کامیاب ہو گئے، اگر یہ لوگ وہی ریاست قائم کر دیں جو حضرت موسیٰؑ کرنا چاہتے تھے۔ تو میرا جیسا مسلمان تو اِس اسرائیلی ریاست میں رہنا زیادہ پسند کرے گا۔ لیکن امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ یہود اب ایک ملعون قوم کی حیثیت سے بُری طرح قوم پرستی کے جذام میں سڑ چکے ہیں۔ انھیں شریعتِ موسوی پر کسی ریاست کا قیام مقصود ہی نہیں بلکہ منتشر یہود کو

ایک وطن الیہود مِلے اور یہ بھی ہوگیا، لیکن اُس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ وطن الیہود میں تنہا یہودی سرمایہ داروں اور سائنٹسٹوں نیز اِن سیاست دانوں ہی کا حصّہ نہیں جنھوں نے اپنے مغربی آقاؤں کی خدمت کا صِلہ وطن الیہود کی شکلوں میں پایا ہے۔ بلکہ وطن میں ابھی اور بھی بہتوں کا حصّہ ہے جو اِس سازش میں برابر کے شریک رہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں ایک علاقہ ایسا بنایا جائے جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے ہمیشہ اضطراب کی وجہ بنا رہے۔ لیکن جب ہم مسلمان جو تازہ دَم اُمّت ہیں اور روئے زمین پر بہت سے علاقوں میں اپنے اقتدار کے ہوتے ہوئے بھی شریعتِ اسلامی کا نافذ کرنا پسند نہیں کرتے۔ تب یہود جو دائرۂ اسلام سے نکال باہر کیے جا چکے ہیں۔ شریعتِ اسلامی کا موسوی نمونہ بھلا کیسے قائم کر سکتے ہیں۔

---

# کتاب کے وارث

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

(7 - الاعراف - 169)

"پہلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین بنے جو وارث ہوئے کتاب کے اور لینے لگے ادنیٰ اسبابِ زندگانی اور کہتے ہیں کہ ہمیں معاف کیا جائے گا مگر ایسا ہی اسبابِ زندگی اور بھی آوے تو لپک کر لینا جاری رکھتے ہیں۔ کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ پر سچ کے سوا کچھ نہ بولیں اور انھوں نے پڑھ بھی لیا ہے جو کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ خدا پرست لوگوں کے لیے آخرت کی قیام گاہ بہتر ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔"

کتاب کے وارث ہونے کے بعد بنی اسرائیل جو نمونہ اس دھرتی پر چھوڑ گئے ہیں، اسی پر آج کی ملّتِ اسلامی کا عمل ہے۔ جب ہر جگہ ان کے نمونے پر عمل ہو جو خدا کی بارگاہ سے دھتکارے گئے ہوں تو اِس نمونہ پر خدا کی رضا کیسے حاصل

کی جا سکتی ہے۔ ہمارے علمائے کرام و دینی ذمہ دار نیز ہمارے آج کے صوفیا، و قلندر اور پیر و فقیر بھی دھیان دیں کہ خدا کے بارے میں انھیں سچ کے سوا کچھ نہیں کہنا ہے اور دنیوی عارضی قیام گاہ کے لیے منبرِ رسولؐ کا نیلام ہرگز نہیں کرنا ہے، اور اگر یہ حرکت کسی سے سرزد ہو گئی ہو تو تمام اسبابِ زندگانی کو لات مار کر آخرت کی قیام گاہ کو بہتر بنانے کے لیے وارثِ کتاب اللہ ہونے کا اپنا مقام ٹھیک ٹھاک کر لے۔

---

# کفریہ بکواس

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۭ قَاتَلَهُمُ اللهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝

(9 - التوبہ - 30)

"یہود کہتے ہیں کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے، اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ اُن کے مُنھ کی بکواس ہے۔ کافروں کے راگ میں راگ مِلا رہے ہیں۔ خدا کی پھٹکار ہو اُن پر یہ کہاں دھوکہ کھائے ہیں۔"

حضرت عزیر علیہ السّلام (EZRA) خدا کے ایک پیغمبر ہیں۔ بابل کی اسیری کے بعد بنی اسرائیل کی نشاۃِ ثانیہ میں ان کا بڑا زبردست کارنامہ بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت عزیرؑ کی وجہ سے بنی اسرائیل کو بڑی ترقی نصیب ہوئی۔ اِس لئے انھیں بڑے ادب و احترام سے یاد کیا جاتا رہا۔ مگر جس طرح ہم نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم سے اپنی دینی و دنیاوی اصلاح کا نفع تو کم اُٹھایا مگر حضرت کی تعظیم میں غلو کر کے انھیں خدا کے نبی تو کیا خود اللہ سے بھی زیادہ مرتبہ دینے لگے۔ یہ طریقہ ہم میں بھی یہود کی دیکھا دیکھی آیا ہو یا یہ طریقہ کسی یہودی نے ہم میں جاری کر دیا ہو تو تعجب نہیں کہ انبیاء، صلحاء اور اولیاء اللہ

کی بات تو ایک بھی قبول نہ کرو باقی ادب و تعظیم میں اتنا شور مچاؤ کہ دنیا صِرف تم کو اُن سے پیار و محبّت کرنے والا ماننے پر مجبور ہو جائے ۔ یہی حال عیسائی لوگوں کا بھی ہوا ۔ مسیحؑ کی تعلیم اور عقائد سے کچھ سروکار نہیں ۔ بس نام میں تعظیم اور ادب کر لیا ۔ مرتبہ میں غلو اور علو کر لیا ۔ پھر کسی کی کیا طاقت ہے کہ مسیحؑ کا اُنھیں مخالف کہہ سکے ۔ مگر دراصل ایسے لوگ ہی انبیاء اور صلحا کے پکّے مخالف ہیں جو اُن کی دعوت کے ایک اصول کو بھی دنیا میں چلنے دینا نہیں چاہتے مگر ان کی تُربت کو سجا کر عوام سے واہ واہی کے حقدار ہو جاتے ہیں کہ سچّے عقیدت مند ہیں تو یہ ہیں ۔ یہ زبردست دھوکہ ہے ۔ ہم اور دوسرے لوگ جتنی جلد اس مغالطہ سے چھٹکارا پالیں اتنا ہی اچھا ہو ۔ کسی کو کافروں کے راگ میں راگ ملانا ہو تو اور بات ہے باقی اسلام کی تعلیم میں نبی کو نبی اور خدا کو خدا ماننے بغیر چارہ نہیں ۔

یُضَاهِئُونَ کا ترجمہ ہم نے راگ میں راگ ملانا کیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دینی شخصیتوں کو اُن کے مرتبے سے غلو کر کے جب کچھ کا کچھ بنا دیا جائے تو فاتحہ ، درود اور ایصالِ ثواب تک زیادہ دیر کام نہیں چلتا بلکہ آگے چل کر کفّار کے راگ میں راگ ملانے کے لیے طوائفیں ، زنخے ، ڈھول ، تاشے ، ہجڑے ، باجے ، ننگ دھڑنگ فقیر ، گانجہ ، چرس ، شراب ، زِنا ، بے پردگی سب ہی کچھ خود بخود آجاتا ہے جب کہیں راگ میں راگ ملانا پورا ہوتا ہے ۔

پھر جب یہی کچھ ہو گیا تو سجدہ اور دعا حتیٰ کہ خدا کے آگے جتنے مراسم بندگی ادا کیے جاتے ہیں سب خدا کے بجائے خدا کے بندوں کے آستانوں پر بھینٹ چڑھا دیئے جاتے ہیں ۔

خدا کے صالح بندوں کو خدا نے جو رُتبہ دیا ہے وہ کیا کم مرتبہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے ان کا رتبہ بڑھانے کے لیے من مانی باتیں گھڑ کر کسی کو حاجت رَوا اور مشکل کشا اور کسی کو حاضر و ناظر بتا کر خدا کی توحید کا تارپیڈو کر دیں۔ ہماری اس حرکت سے خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ بلکہ ہمارے اپنے مقامِ بندگی کا تانا بانا بکھر جائے گا خدائی صفات کا دعوٰی اس کے صالح بندوں کے لیے جو لوگ بھی کرتے ہیں وہ اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ یہود و نصارٰی کی طرح خدا کے بندوں کو بھی خدا بنا کر دم لیتے ہیں۔

---

# کم سِن مومن

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ○

(10 - یونس - 83)

"اُن کی قوم کے چند کم سِن لڑکوں کے سوا موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا۔ وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف سے کہ کہیں انھیں مصیبت میں نہ ڈال دے۔ فرعون اس ملک میں بہت زور رکھتا تھا اور واقعی اس کا شمار زیادتی کرنے والوں میں تھا"

اللہ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم و تشدد سے آزادی دلانے اور انھیں پھر سے ملّتِ ابراہیمی کے خطوط پر قائم کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا مگر بنی اسرائیل کی طرف سے حضرت موسیٰ کا تعاون قومی اعتبار سے نہیں کیا گیا بلکہ مٹھی بھر نوجوان دعوتِ موسوی کے جھنڈا دھاری بنے پوری قوم یہود اس موقع پر تماشائی بنی رہی۔ تعاون تو کیا تصدیق کی حد تک بھی اس قوم نے حضرت موسیٰ کا ساتھ نہیں دیا، بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک ایسا عظیم رہنما جو ایک طرف خدا کا نبی تھا۔ اور دوسری طرف بنی اسرائیل کو قومی آزادی دلانے کے لیے فرعون جیسی ظالم و جابر طاقت سے تنِ تنہا جا ٹکرایا ہو اُس کا ساتھ اس کی قوم نے نہ دیا۔ جن کی

آخرت اور دنیا بنانے کے لیے موسیٰ علیہ السّلام عمر بھر محنت کرتے رہے۔

ضمناً یہ بھی ثابت ہوا کہ کم سن اور نوجوانوں کا خون اُبلنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ضرورت ہے کسی داعی کی جو نئی پود کو ایک صحیح مقصد کے لیے منظم کرے اور وقت کے خونخوار اقتدار کے آگے ان کو کھڑا کر دے۔چاہے اس اُبلتے لہو کو جی بھر کر پی لینے کے بعد یا تو ظالموں کا ہی خاتمہ ہو جائے یا نصرتِ ربِّ اعلیٰ سے خدائی فوج کے یہ جوان ظالموں کا گھمنڈ چور چور کر دیں۔

---

# نمازِ باجماعت

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(10 - یونس - 87)

"اور ہم نے موسیٰؑ اور اُن کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بنائے رکھو اور اپنے گھروں کو ہی قبلہ نماز بنالو۔ نماز کو قائم کرو اور جو اس بات کو مان لیں انھیں خوش خبری سنادو۔"

جب یہود نے حضرت موسیٰؑ کا علانیہ ساتھ دینے میں ہمّت ہار دی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں سہل احکامات دیئے۔ چونکہ ظلم کا مقابلہ کرنے کے لیے جماعتی قوت درکار ہے، جو بندگیِ رب کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہو۔ اسلام نے روزِ اوّل سے نماز و صبر کو اسلام والوں کی ایک بڑی زبردست طاقت قرار دیا ہے، ایمانی ضعف اور مایوسی کا شکار یہودی معاشرہ علانیہ اقامتِ صلوٰۃ سے سلطنتِ وقت کی لال آنکھ کا شکار بننا اپنے بل بوتے کے باہر کی چیز سمجھتا تھا اور یہ قوم اتنا بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اِس لیے انھیں اپنے گھروں میں نماز قائم کرنے کے لیے حکم دیا گیا۔ یہ بات تو معلوم نہ ہو سکی کہ چوری چھپے اِن لوگوں نے نمازِ باجماعت

کی تیاری کی تھی یا نہیں، البتہ اتنا ضرور ہوا ہوگا کہ جن لوگوں نے اپنے گھروں میں نماز قائم کی اُن کی تعداد بھی بہت تھوڑی ہوگی۔ آج کے پُر آشوب دور میں مسلمانوں کے لیے اس سُنّتِ موسوی میں بڑا سبق ہے کہ ظالموں سے نمٹنے کے لیے وہ نمازِ باجماعت کا نظام پھر سے قائم کریں۔ بکھری ہوئی ملّت کو نمازِ باجماعت کے ذریعہ بہت جلد از سرِ نَو منظّم کیا جا سکتا ہے۔ کاش "عرب اسرائیل جنگ" میں عرب اور ان کی فوج نمازِ با جماعت کی پابندی کر کے نصرتِ الٰہی کے مستحق بن کر میدان میں اُترتے۔

مگر یہاں تو مغربی تہذیب نے ہمیں اتنا مرعوب کر دیا ہے کہ نماز ادا کرتے ہوئے بھی شرم آنے لگتی ہے۔

---

# کتابِ موسیٰؑ کی تعلیم اور غیر اللہ کی کارسازی

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا ۝
(17 - بنی اسرائیل - 2)

"ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور بنی اسرائیل کے لیے اسے ذریعہ ہدایت بنادیا اور یہ تاکید کردی کہ میرے سوا کسی کو اپنا وکیل نہ بنالینا۔"

اللہ کی کتاب کی تعلیم کا نچوڑ اگر کوئی جاننا چاہے تو یہ آیت اس کے لیے کافی ہے۔ خدا کے سوا کسی کو اپنا کارساز، حاجت روا، مشکل کشا، کام بنانے والا اور مدارِ توکل مان لینا مشرک سوسائٹی کا یہ سب سے خطرناک مرض ہے جس کی نشاندہی ہر زمانے میں خدا کی کتابوں میں بیان کردی گئی۔ پھر بھی دنیا کی تمام اہلِ کتاب اکائیاں (UNITS) اس روگ میں مبتلا ہیں، حتیٰ کہ آج کے مسلمان معاشرہ کو بھی یہ بات یاد نہ رہی کہ غیر اللہ کو کارساز مان کر اس کی دینی و اعتقادی تندرستی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ذریعۂ ہدایت اللہ کی کتاب ہے اور انسانی قافلے کے جہاز کا لنگر صرف خدا کی وحدانیت ہے، جس نے بھی غیر اللہ پر بھروسہ کیا وہ بالآخر خدا کی نصرت اور تائید سے محروم ہوگیا۔

کتاب چاہے موسیٰؑ کی ہو یا عیسیٰؑ، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک آسمانی کتاب میں توحید کو لازم پکڑنے کی تعلیم دی گئی فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا "پس تم صرف اسی ایک کو اپنا کارساز بنالو۔"

---

# پہلا فساد

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝

(17 - بنی اسرائیل - 5 - 4)

" اور صاف صاف کہہ سُنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تمھاری وجہ سے ملک میں دو مرتبہ فساد ہو گا۔ اور تم بڑا اودھم مچاؤ گے۔ پھر جب پہلا موقع آیا تو ہم نے تم پر اپنے خونخوار بندوں کو مسلّط کر دیا، وہ تمھارے گھروں میں گھس پڑے اور یہ وعدہ پورا ہونا تھا۔"

توریت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خبردار کیا تھا کہ تم اپنے دورِ اقتدار میں دُو[2] مرتبہ فسادِ عظیم برپا کرو گے۔ اس میں پہلی پیشن گوئی کے پورا ہونے کا زمانہ حضرت مسیحؑ سے 586 سال قبل کا ہے، جب شہنشاہِ بابل بخت نصر نے ریاستِ یہودیہ کو تہس نہس کر ڈالا۔ حضرت طالوت کے بعد حضرت داؤد و سلیمان علیہم السّلام نے ریاست کے نظم و نسق کو احکاماتِ توریت کے مطابق قائم کر دیا اور اللہ کی برکتوں کا ان سلطنتوں میں ایسا نزول ہوا کہ تمام آبادیوں کے سارے دُکھ درد مٹ گئے۔ خدائی احکامات کی پابندی سے ربِّ اعلیٰ کے آستانۂ عالیہ سے یہود کو سلطنت و حکومت بطور صدقہ مل گئی اور جس کسی کو یہاں اقتدار ملا ہے وہ خدا کے دینے ہی سے مِلا ہے۔

بنی اسرائیل کا یہ زمانہ نہایت ہی قابلِ رشک تھا جبکہ وہ ایک طرف اپنے رب کے فرماں بردار تھے اور دوسری طرف اقوامِ عالم پر اُن کی سیادت و حکمرانی چلا کرتی تھی، مگر جب ان لوگوں نے عیّاشی، دنیا طلبی، فریب، چغل خوری، زنا اور بدکاری، شراب نوشی، ظلم و طغیان، سود خوری، رشوت خوری، بے ایمانی، آپسی پھوٹ اور نفاق سے اپنے اقتدار کے علاقوں کو گندہ کر دیا۔ تب ان میں مفتوح قوموں کا شرک گھس آیا اور ہر طرح کی قبر پرستی، لکڑی پتھر کی صورتیں، مورتیں، ناچ گانے و جنسی انارکی اور بد اخلاقی کے شکار ہوئے۔ حتیٰ کہ شریعتِ موسوی کی ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد ہونے لگے اور باپ کی حرم شکنی، حالتِ حیض میں مباشرت، خود اپنی بہو بیٹیوں کے ساتھ بدذاتی کے جرم تک میں بتلا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حاملِ کتاب قوم کو اُس کے کالے کرتوتوں سے متنبہ کرنے کے لیے پے در پے انبیاء بھیجے۔ حضرت ایاس علیہ السّلام، الیسع علیہ السّلام اور حضرت عاموس و یسعیاہ اور یرمیاہ ان تمام نبیوں نے اپنی ساری زندگیاں ان کی اصلاح کے لیے صَرف کر ڈالیں۔ مگر یہ قوم اپنی اخلاقی گندگی اور شرک کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوئی تب اِس بدکار اور مشرک قوم کے اعمال بصورتِ بخت نصر متشکل ہو کر سامنے آئے، اور بخت نصر کی فوجوں نے نہ صرف حکومتِ یہود کا خاتمہ کر دیا بلکہ عام یہودی باشندوں کی بستیاں اُجاڑ دیں۔ ان کے گھروں میں گھُس کر بُری طرح قتل اور ذلیل و خوار کرنے کے بعد غلامی کی زنجیروں میں طویل عرصہ کے لیے جکڑ دیا۔ یہ ہے وہ پہلا فساد جس نے بنی اسرائیل کی ہڈیاں توڑ دیں۔ ہمارے لیے اِس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔

"جنگِ بدر کا صدقہ" حکومتِ اسلامی کے قیام کی شکل میں، ہمیں بھی ملا تھا۔ اور خلافتِ راشدہ تک ہم بھی ساری دنیا میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ خلافتِ راشدہ کے طویل عرصہ کے بعد یہ صدقہ ہمارے راجے، مہاراجے اور نوابوں کے حصّہ میں آگیا۔ اپنے دَورِ اقتدار میں ہمارے سلاطین نے جب تک خدائی احکامات کی پابندی کی تب تک خدا نے ان کو مہلت دی، مگر جب یہ خراب ہوئے تو خدا نے اپنے ظالم و جنگجو بندوں سے ان کی پٹائی کرادی۔ ان کے قلعے اور سونے چاندی سے مُزیّن و آراستہ محلوں کو آگ لگوادی۔

رب کے یہاں ہر ایک کا حق الخدمت مقرر ہے۔ فسادیوں کی محنت کی مزدوری ان محلات کا پگھلا ہوا سونا چاندی ان کے ہاتھ تھما دیا اور اب یہ خالی محلات، حمام اور باؤلیاں، قلعے اور ویران ٹکسالیں ان نوابوں، شاہوں اور ان کی بیگمات کے مقبرے ہر روز صبح و شام عوام کے لیے تماشہ بنے ہوئے ہیں۔ اور شاید ان حکمرانوں کے باقیات الصالحات یہاں پر رات دن ہاتھ پھیلا کر اپنے پُرکھوں کی عظمت کی دہائی دے کر روپیہ آٹھ آنے وصول کرتے ہوں تب بھی تعجب نہیں۔

---

# پہلے فساد کے بعد

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيْرًا ○ (17 - بنی اسرائیل - 6)

"اس کے بعد اُن پر ایک بار تمھاری باری پھیر دی اور مال و اولاد سے ہم نے تمھاری لشکری طاقت بڑھا دی"۔

قومی اور ملّی اعتبار سے بنی اسرائیل کے گناہوں کی پوری سزا دینے کے بعد پھر انھیں موقع دیا گیا کہ اپنے اصل مقام پر کھڑے ہوں جہاں ان کو انبیاء علیہم السّلام نے کھڑا کیا تھا۔ لگ بھگ 539 سال قبل مسیح شہنشاہِ بابل کی طاقت زوال پذیر ہوئی اور حضرت عزیر علیہ السّلام کی دعوت کے جھنڈے تلے پھر بنی اسرائیل کھڑے ہو گئے۔ اللہ نے اس قوم کے دن پھیر دیئے۔ اور انھیں مال و اولاد سے خوب خوب نواز دیا اور قابلِ جنگ افراد کی خاصی تعداد سے ایک زبردست فوجی طاقت عطا کر دی۔ حضرت عزیر علیہ السّلام کی قیادت میں دینِ موسوی کی تجدید ہوئی۔ دینی تعلیم اور اخلاقی ضابطے میں بنی اسرائیل کی دل چسپی نے خدا کی رحمت کے دروازے پھر اُن پر کھول دیئے۔ حضرت عزیر علیہ السّلام نے ان میں تبلیغی اسپرٹ پیدا کر دی اور ہمسایہ قوموں کو توحید اور کتاب اللہ نیکی اور پرہیز گاری کی دعوت دینے کے لیے من حیث القوم بنی اسرائیل کو ایک

دینی جماعت بنا دیا۔ پس بنی اسرائیل کی قسمت پلٹی اور ایک بار اسے پھر ایسا ہی اقتدار نصیب ہوا جیسا پہلے تھا اور یہ نتیجہ تھا تمام تر حضرت عزیر علیہ السّلام کی تبلیغی جدوجہد کا، اور بنی اسرائیل کے بھرپور تعاون کا جو تاریخ میں پہلی بار حضرت عزیر علیہ السّلام کو میسّر ہوا، ورنہ اب تک کسی نبی کو بنی اسرائیل خاطر میں لانے تک کو تیار نہیں تھے۔

---

# دوسرا فساد

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ط فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ○ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ج وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا م وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ○

(17 - بنی اسرائیل - 7 - 8)

"اگر نیکی پر چلے تو تم نے اپنا بھلا کیا، اور بُرائی پر چلے تو تم نے اپنا بُرا کیا، پھر جب ہمارا دوسرا وعدہ آپہنچا تو ہم نے اور دشمنوں کو تم پر مسلّط کر دیا تاکہ تمہارے چہرے اُداس کر دیں اور گھس جائیں مسجد میں جس طرح پہلی بار کے دشمن گھُسے تھے اور جہاں ان کا بس چلے خوب تباہی مچا دیں گے، اب بھی تمہارا رب تم پر رحم کرنے کو تیار ہے، اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے جہنم کو قید خانہ بنا رکھا ہے"

پہلے فساد کے بعد بنی اسرائیل سنبھل گئے اور نیکی و خدا پرستی کو زندگی کا مقصد بنا لیا۔ مگر کامیابی مل جانے کے بعد رفتہ رفتہ پھر بگڑنے لگے اور ٹھیک اسی مقام پر جا کھڑے ہوئے جس کی وجہ سے پہلا فسادِ عظیم برپا ہوا تھا، اب پھر شریعتِ موسوی

کے ترک و تحریف، گناہ و بُت پرستی، سود و زنا یہ سب کچھ پہلے کی طرح ہونے لگا۔ تب مسیح علیہ السلام نے جو خاص الخاص بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ ان تمام بُرے کاموں کے خلاف آواز اُٹھائی۔ بعثتِ مسیحؑ کے وقت یہود فرقہ وارانہ ٹولیوں میں بٹ چکے تھے۔ اور یوں بھی ان کی ریاستیں مفلوج ہو کر رومی حکومت کے ماتحت (ہمارے یہاں کے دیسی راجاؤں کے طرز پر) باقی رہ گئی تھیں۔ اقتدار کا نشہ اُتر جانے کے بعد بھی یہ قوم ہوش میں نہیں آئی اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی تبلیغ سے اپنی نشاۃ ثانیہ کے لیے تیار نہ ہوئی بلکہ وقت کی رومی سلطنت کے قانون میں بطور سازش کے حضرت مسیح علیہ السلام پر مقدمات چلائے اور اُنھیں سلطنتِ وقت کا باغی ثابت کیا۔ پھر حضرت مسیحؑ کے قتل کی سازش بھی اسی قوم یہود نے تیار کی۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ سیدنا مسیحؑ کو قتل کرنے میں یہود ناکام رہے۔ حضرت مسیح کو اللہ نے ان ظالموں کے ہتھے نہیں چڑھنے دیا۔ اور آپ کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ اس کے بعد یہود تو یہی سمجھے تھے اور اب تک سمجھتے چلے آرہے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو انھوں نے قتل کر دیا۔ مگر فی الواقع شمعون نامی یہودی شخص کو انھوں نے مسیح سمجھ کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد بھی مسیحؑ پر اُن کا غصہ کم نہیں ہوا اور مریم رضی اللہ عنہا پر بہتانِ عظیم کے چرچے اس ملعون قوم نے عوام کی زبان پر جاری کر دیئے۔ خدا نے اب یہ فیصلہ کر لیا کہ اس قوم کے چند صالح افراد کو چھوڑ کر باقی سب کو اہلِ کتاب کی فہرست سے خارج کر دے۔

اور یہ فیصلہ اس طرح نافذ ہوا کہ 70ء میں رومی بادشاہ (TITUES) نے یروشلم پر قبضہ کیا، اور ایک لاکھ 33 ہزار یہود کو قتل کر ڈالا۔ پچاس ہزار سے زائد کو قید کر لے گیا۔ اور ہیکلِ سلیمانی کو مسمار کر دیا۔ ہزاروں یہود مرد اور عورتیں بھیڑ

بکریوں کی طرح بازاروں میں بکنے لگے اور اِس طرح اس مالِ غنیمت کو رومی سلطنت نے بے قیمت سمجھ کر ادھر ادھر منتشر کر دیا مسجد بیت المقدس کی بے حرمتی کا تذکرہ بھی یہاں کیا گیا ہے۔ یہود اس مسجد کے متولی، مصلی اور امام تھے۔ بلکہ اسلام کے متولی اور اسلامی جماعت کے ارکان بھی تھے۔ توحید، رسالت و آخرت، وحی، کتاب و نبوت کے اصول و عقائد کی حامل کوئی قوم روئے زمین پر اُن کے سوا نہیں تھی، مگر جب خود اپنے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی کر کے تارکِ صلوٰۃ تک ہو گئے۔ تو پھر مسجد کا بھلا کیا کام باقی رہ گیا تھا۔ اپنے دورِ اقتدار میں اپنی ہی مساجد کو ویران کرنے والوں کی یہ سزا خدا نے تجویز فرمائی کہ مسجدِ بیت المقدس اور ہیکلِ سلیمانی کو فسادیوں کے ہاتھوں زیر و زبر کر دیا۔

ترکِ صلوٰۃ کے مجرم تو ہم بھی ہیں کہیں یہی فیصلہ حاکمِ کائنات نے ہمارے حق میں بھی تو نہیں کر دیا کہ اب ملّتِ اسلامی کو نماز سے دلچسپی نہیں تو مسجدیں بھی ان کے ہاتھوں سے چھین لی جائیں؟

نصرتِ الٰہی کے تحت یہ ہو سکتا ہے کہ تارکینِ صلوٰۃ سے مساجد چھین کر اقامتِ صلوٰۃ والے اگر تارکین کے مقابلے میں اُٹھ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ مساجد اُن کے سپرد کر دے گا اور ایسا ہوتا بھی رہا ہے، مگر یہاں تو ہم خود ہی تارکینِ صلوٰۃ تھے؟ رہے یہود تو اُن کو نماز و جماعت سے پیچھا چھڑائے ہوئے مدّت ہو چکی ہے۔

# لپیٹ دیں گے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝

(17 - بنی اسرائیل - 104-103-102-101)

"اور ہم نے موسیٰؑ کو نو کھلی ہوئی نشانیاں دی تھیں تم پوچھ لو بنی اسرائیل سے جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون کہنے لگا میرے خیال میں موسیٰ تم پر جادو کا اثر ہو گیا ہے۔ موسیٰؑ فرمانے لگے کہ تو خود بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ نشانات لوگوں کو سمجھانے کے لیے آسمان اور زمین کے رب کے سوا کوئی نہیں اُتار سکتا۔ اور میرے خیال میں اے فرعون تیری ہلاکت کا وقت آتا ہی ہے تب فرعون نے ارادہ کیا کہ بنی اسرائیل کو ملک میں چین نہ لینے دے۔ پھر ہم نے ڈبو دیا اُسے اور اس کے سب ساتھ والوں کو، اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم

اب یہاں رہو پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہو گا تو تم سب کو لپیٹ کر لا حاضر کریں گے۔“

حضرت موسیٰؑ کو کھُلے کھُلے نشانات دیئے جانے کا تفصیلی تذکرہ سورۃ الاعراف میں بیان ہوا ہے۔ ید بیضا[1]، عصا[2]، سنین[3]، نقص ثمرات[4]، طوفان[5]، جراد[6]، قمل[7]، ضفادع[8]، دم[9] [1] یہ تمام نشانات ایسے تھے کہ ان میں سے کسی ایک نشان کو دیکھنے کے بعد فرعون کو ایمان لائے بغیر کوئی راستہ نہیں تھا۔ مگر اقتدار کے نشے میں بدمست ہو کر اُس نے حضرت موسیٰؑ پر مخبوط الحواس اور جادو زدہ ہونے کا الزام لگایا۔ مشرکینِ مکہ آئے دن سیّد البشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے اس موقع پر حضرت حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھو کہ معجزات کے نہ ماننے پر فرعون کو کیا کچھ سزا دی گئی۔ اگر تم بھی چاہتے ہو کہ معجزات دکھا دیئے جانے کے بعد ایمان لے آؤ گے۔ تب تو ٹھیک لیکن اگر انکار کیا تو یہ انکار تمھیں لے ڈوبے گا اس موقع پر بنی اسرائیل کی شہادت سے اس قضیہ پر تفصیلی روشنی پڑنے کے امکانات تھے۔ مگر یہ لوگ (NEUTRAL) خاموش ہی رہے۔ اور حق و باطل کی کشمکش میں اپنی تاریخی شہادت تک میدان

---

[1] یہ نو نشانات حضرت موسیٰؑ کے معجزات ہیں۔ ہاتھ کا روشن ہو جانا[1]۔ عصا کا سانپ بن جانا[2]، حضرت موسیٰؑ کی بد دعا سے ملک میں قحط[3]، پھل فروٹ اور میوے کے باغ اجڑ جانا[4]۔ سخت آندھی اور طوفان[5]، ٹڈی دل کی کثرت[6]۔ گھن[7] دیمک سے مکانات وغیرہ کی لکڑیاں گل جانا۔ مینڈک[8] کی کثرت۔ اور پانی[9] کا خون بن جانا وغیرہ۔

یں لانے سے ڈر گئے۔ آیت کے آخری حصّہ میں بنی اسرائیل کو پھر سے ملکِ مصر میں رہنے بسنے کی بات کہی گئی ہے اور آخرت کا وعدہ آنے پر انھیں لپیٹ کر پھر جمع کر دیا جائے گا۔ یہ پیشین گوئی بھی خوب باریک بینی کا مطالبہ کرتی ہے۔ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ۔ آخرت کا وعدہ آئے گا۔ یعنی دنیا کی ہلاکت کا وقت قریب آ لگا ہو گا تو ہم تم کو لپیٹ کر ایک جگہ کر دیں گے، لَفِيفًا کا جملہ بھی بہت معنیٰ خیز ہے۔ اگر یہود کو ایک لفافہ بنا کر اکٹھا جمع ہونا اسی وعدۂ آخرت کے ساتھ ہے تو پھر ارضِ فلسطین میں ان کا اس زمانے میں یکجا ہو جانا قربِ قیامت کا پتہ دے جاتا ہے۔ آیتِ کریمہ کے الفاظ اگر اس تفسیر کے متحمل ہیں تب تو نزولِ مسیحؑ اور دجّال کا ظہور وغیرہ قریب ہی سمجھنا چاہیے۔

والعلم عند اللہ

# یحییٰ علیہ السلام کے قاتل

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ○ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ○ یٰزَكَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسْمُهٗ یَحْیٰی ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ○ (19 - مریم - 7-6-5)

"زکریا نے دعا میں کہا میں اندیشہ رکھتا ہوں اپنے رشتہ داروں کی طرف سے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ سو تو خاص اپنے پاس سے مجھے ایسا وارث عطا کر جو میرا کام اٹھالے اور میرا جانشین ہو۔ آلِ یعقوب کا صحیح وارث ہو۔ اور اسے اپنی رضا پر چلنے والا بنادے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ زکریاؑ ہم تم کو بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا اور اس کے پہلے ہم نے یہ نام کسی کو عطا نہیں فرمایا۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بنی اسرائیل کی حرکتوں سے بیزار ہو چکے تھے۔ اپنے دورِ نبوت میں قوم یہود کی طرف سے انھیں کوئی خاص تعاون نہیں مل پایا۔ بڑھاپے کی عمر میں قدرتی طور پر آپ نے یہ محسوس کیا کہ میرے بعد اصلاح کا کام چلانے والا پوری قوم میں ایک آدمی بھی نہیں اور خود اپنے قریبی رشتہ داروں کے متعلق بھی آپ یہ جانتے تھے کہ ان کے رنگ ڈھنگ ٹھیک نہیں ہیں اس لیے بڑھاپے میں اپنے رب سے دعا کی کہ مجھے ایک بیٹا عنایت فرما جو میرے بعد دعوتِ یعقوبی کو تیری رضا کے حصول کے لیے چلا سکے۔

حضرت کی دعا مقبول ہوئی اور آپ کو یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عنایت کیا گیا۔
حضرت زکریاؑ کی دعوت کو یحییٰ علیہ السلام نے عوامی طرز پر پھر سے جاری فرما کر
یہودی قوم میں ایک نئی روح پھونک دی وقت کے یہودی بادشاہ کی ایک رقاصہ
حضرت یحییٰؑ پر اس لیے بگڑ گئی کہ قوم کی بداخلاقی کے خلاف آپ نے آواز اٹھائی۔
بھرے دربار میں یہ بدچلن عورت اپنی بیٹی کا رقص بادشاہ کے حضور کرانے میں کامیاب ہوگئی۔
یہودی فرماں روا ہیرود جب اس رقص پر بہت خوش ہو کر انعام دینے لگا تو اس
رقاصہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کٹا ہوا سر تھالی میں رکھوا کر اسی وقت اس کو
دیئے جانے کا مطالبہ کیا۔ بدکار یہودی بادشاہ نے فوراً حضرت یحییٰؑ کا سر کاٹ کر
تھالی میں رکھا اور اس بدچلن عورت کی مانگ پوری کر دی۔ ادھر پوری یہودی قوم
اور خود وہ لوگ جو حضرت یحییٰؑ کے ساتھ تھے، خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہے۔ اور ثابت
کر دیا کہ دینِ یعقوبی کی تجدید کے لئے آنے والے کسی نبی کا تعاون بے جان یہودی
مُردوں کے بس کی بات نہیں۔ اس زمانے کے علمائے یہود کو حضرت یحییٰؑ نے ان کی
ریاکاریوں پر ایسی کھری کھری باتیں کہہ سُنائی تھیں کہ یہ بھی حضرت یحییٰؑ کے قتل پر
بہت خوش ہوئے کہ جلو راہ کا ایک کانٹا دور ہوا۔ یاد رہے کہ حضرت یحییٰؑ حضرت
مسیحؑ کے ہم عصر ہیں۔ قتلِ مسیحؑ کے اقبالی مجرم تو یہود جگ میں مشہور ہیں مگر یحییٰؑ کا
قتل بھی یہودی فرماں روا نے کیا اور تمام یہود خاموش رہ کر یہ ثابت کر چکے کہ حضرت
یحییٰؑ کا ان میں زندہ رہنا نہ رہنا برابر ہے۔ یاد رہے یہ وہی ایام ہیں جب اس قوم
نے دینِ اسلام کے مقابلے میں مجموعی حیثیت سے ارتداد کو اختیار کیا تھا۔ اس

مضمون میں ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مسیحؑ اور حضرت یحییٰ دونوں ہم عصر نبی ہیں۔ قتلِ یحییٰؑ کے بعد آخری موقع مسیحؑ کی دعوت کو قبول کرنے کا تھا۔ مگر جب یہ بھی نہ ہوا تو خدائی فیصلے کے مطابق یہودی قوم کا اجتماعی قتلِ عام کرا دیا گیا، جیساکہ سورۂ بنی اسرائیل آیت 7 اور 8 کی تشریح میں ہم بتا چکے ہیں۔

---

# خوش حالی میں ناشکری

یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ○ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی ○ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ○ (20 - طٰهٰ - 82 - 81 - 80)

"اے اولادِ اسرائیل! چھڑایا ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے اور تمہاری حاضری کا وعدہ رکھا کوہِ طور کی داہنی جانب اور اتارا تم پر منّ و سلویٰ۔ ستھری چیزیں کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا کیں اور شرارت نہ کرو۔ پھر تو اترے گا تم پر میرا غضب اور جس پر میرا غضب اترا وہ گر کر رہے گا۔ اور میری بڑی بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے۔ اور ایمان لائے اور کرے بھلے کام پھر راہِ ہدایت پر قائم بھی رہے۔"

بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں برابر چالیس برس تک آسمانی کھانا ملتا رہا۔ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ خدا کے اس انعام میں شرارت کرنے پر اللہ کا غضب اس قوم پر ٹوٹ پڑا۔ تمام تر بنی اسرائیل ہی پر کچھ نعمت کا شکر واجب نہیں بلکہ ہر ایک کے لئے واجب ہے۔ خوش حالی

میں جو قومیں اللہ کی ناشکری کرتی ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اسی دنیا میں پھٹے حال کنگال بنا کر رکھ دیتا ہے۔ ہماری اپنی قومی زندگی میں بھی ہمارے دسترخوان صدیوں تک خوب سجے سجائے رہتے تھے لیکن خدا کی ناشکری اور اس کے احکامات کی مخالفت کر کے آج ہم بھی دنیا کی اُن قوموں کی صف میں کاسہ گدائی لے کر کھڑے ہیں جن کی روٹی روزی اس دنیا میں تنگ ہو چکی ہے۔ رزق کی کشادگی میں خدا کا شکر لازم پکڑنا چاہیئے ورنہ گرے اور ٹوٹے بغیر چارہ نہیں۔ اب بھی توبہ کرو، ایمان کی تجدید کرو۔ نیکی اور بھلائی کے کام انجام دو اور چاہے جس حال میں رہو ہدایت کی راہ مت چھوڑو۔

---

# اللہ کی راہ بتانے والے

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ○ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ج وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ○

(21 - الانبیاء - 73 - 72)

"اور ہم نے اسحٰق عطا فرمایا اور یعقوبؑ انعام میں دیا۔ اور سب کو نیک کردار بنایا۔ اور ہم نے ان سب کو پیشوا بنا دیا۔ جو راہ بتاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے ان کی طرف وحی بھیج کر تاکید کر دی بھلے کام انجام دینے کی نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی، اور تھے وہ ہماری بندگی کرنے والے۔"

دعائے ابراہیمؑ اولاد کے لیے تھی۔ مگر پوتے بھی (یعقوب علیہ السلام) عنایت کیے گئے۔ اسی لئے ان کو نافلہ فرمایا۔ اولادِ ابراہیمؑ کے لوگوں میں امامت اور پیشوائی دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کے حکم کی راہ بتاتے تھے۔

نماز کی اقامت، زکوٰۃ کی ادائیگی اور بندگیٔ رب کے ساتھ ساتھ تمام بھلے کام انجام دیتے رہنے کا نام ہی ملّتِ ابراہیمؑ ہے۔ مشرکینِ اہلِ کتاب جب بگڑتے ہیں تو انبیاء و صلحاء کو بشریت سے خارج قرار دے کر اُن کو خدا کا شریک بنایا

ہے۔ ضمناً ان کے اس باطل عقیدے کی بھی تردید ہوگئی اور بتایا کہ ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ ایک دوسرے کے بیٹے تھے۔ یعنی کوئی باپ تھا کوئی بیٹا۔ ذُرِّیَّۃً م بَعْضُھَا مِنْ م بَعْضٍ اور نہ صرف اسی پر بات ختم ہوئی بلکہ انبیاء کے ماں باپ، بھائی، بیوی، کنبہ قبیلہ برادری حتیٰ کہ خود حضورؐ کے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۃ احزاب کی آیت 50 میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بنی اسرائیل نے اپنے انبیاء میں بعض کو خاص طور پر حضرت عزیر علیہ السّلام کو مرتبۂ رسالت سے اونچا اُٹھا کر خدا کا ہم پلّہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ مسلمان بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہے۔ ہمارا ایک طبقہ تو بشریتِ انبیاء کا عقیدہ تو درکنار زبان پر لانا تک کفر قرار دیتا ہے۔ بے چارے یہود کو اپنے اس باطل عقیدے کی تبلیغ تک نہیں کرنی پڑی اور اُمّتِ محمدیہ میں ان کی بات ہمارے کچھ نادانوں نے رائج کردی ورنہ قرآن میں نبیوں اور رسولوں کو اولادِ آدم ہی بتایا گیا ہے۔ غیر بنی آدم کو یہ رُتبہ نہیں دیا گیا۔ (رُسُلٌ مِّنْکُمْ "رسول تم میں سے")

---

# معراج میں حضرت موسیٰؑ سے ملاقات

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝

(32 - السجدة - 25 - 24 - 23)

”اس کے قبل موسیٰؑ کو ہم کتاب دے چکے ہیں۔ سو تمھیں اُن کی ملاقات میں شک نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کتاب کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنا دیا تھا۔ اور جب تک وہ اس پر جمے رہے۔ اور ہماری آیات پر یقین کرتے رہے تو ہم نے ایسے پیشوا اُن میں کھڑے کئے جو راہ بتاتے تھے ہمارے حکم سے۔ اور اب یہ چھوٹ چکے ہیں تو اُن کے آپسی اختلاف کا فیصلہ بالیقین تمہارا رب قیامت کے دن فرمائے گا۔“

سیّد المرسلین صاحب کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر یہ بات ہمارے علم میں لائی گئی کہ موسیٰؑ کو کتاب دینے والے بھی ہم تھے۔ اور اُن کی ملاقات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج میں ہوئی اس میں

کسی کو شک نہ کرنا چاہیئے۔ بنی اسرائیل کو توریت صرف تعویذ بنا کر پہننے کے لئے نہیں دی گئی تھی بلکہ اللہ کی راہ پر چلنے چلانے کے لیئے یہ کتاب ان کے سپرد کی گئی تھی۔ اللہ کی آیات پر جب تک یقین تھا تو اُن میں ایسے زبردست اور عظیم رہنما پیدا ہوئے جو قوم کو ایک طرف خدائی احکامات پر جمائے رکھتے اور دوسری طرف اپنی قوم کو دنیا کی ترقی اور عروج کی آخری منزلوں تک پہنچا کر رہے۔ مگر جب احکاماتِ الٰہیہ میں اس قوم نے اختلاف اور پھوٹ کی راہ اختیار کی اور فی سبیل اللہ فساد مچا کر آپسی مارا ماری کرنے لگے تو صالح قیادت اور سچّی رہنمائی سے محروم ہو کر ابلیس کے ہتھے چڑھ گئے۔ اب اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن ہو گا کہ حق کیا تھا اور لوگوں نے آپس میں ضد اور مخالفت سے کیوں اور کس لیے راہِ ہدایت کو چھوڑ دیا۔ ہمارے یہاں احادیث کی کتب میں حضورؐ کے سفرِ معراج کی تفصیلات کے متعلق روایات میں حضرت موسیٰؑ اور حضورؐ کی ملاقات کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی قیادت کا طویل تجربہ رہا اور دینی احکامات میں ان کی نافرمانی سے آپ خوب واقف رہے۔ اسی لئے حضرت موسیٰؑ نے حضورؐ سے نمازوں کی تعداد جو اوّل پچاس وقت کی بتائی گئی ہے کم کرانے پر برابر زور دیا۔ حتیٰ کہ حضورؐ کو حضرت موسیٰؑ کے مشورے کا لحاظ کرتے ہوئے اور اُمّت کی سہولت کے پیش نظر بار بار آستانۂ عرش عظیم پر حاضری دینی پڑی۔ اور تعداد صرف پانچ وقت کی رہ گئی۔ تب بھی حضرت موسیٰؑ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کی اُمّت پانچ وقت کی نماز ادا نہ کر سکے گی، کچھ اور کم کرا لیجیئے۔ حضورؐ کا جواب روایات میں یوں بتایا گیا ہے کہ اب مجھے بار بار حضرت حق جل مجدہٗ

کے حضور جانے میں حجاب ہوتا ہے اس لیے چاہے جو بھی ہو اپنی اُمّت سے پانچ وقت کی نماز کی پابندی کرا کے رہوں گا۔

مسلمانانِ عالم کو ایک طرف تو حضرتِ موسیٰؑ کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ پچاس سے پانچ تک لاتے میں آپ ایک ذریعہ بن گئے۔ اور دوسری طرف حضرتِ سرورِ کائنات کے قول کی لاج رکھنی چاہیئے کہ جب پانچ وقت کی نماز کا فیصلہ خداوندی آپ قبول فرما چکے ہیں تو ہمیں ہر طرح سے حضورؐ کی اُمّت میں رہنے کے لئے پنجوقتہ نماز ادا کرنا ہی چاہیئے۔

---

# جنگِ احزاب

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا ط وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا o اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا o ھُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا o

(33 - الاحزاب - 11 - 10 - 9)

"اے ایمان والو! یاد کرو۔ اللہ کی اس نعمت کو، جو اُس نے تم پر کی ہے۔ جب تم پر لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ایک سخت آندھی اور طوفان بھیجا اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم نہیں دیکھ پائے اور تم جو کچھ کر رہے تھے اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا تھا جب یہ لشکر تم پر اوپر سے اور نیچے سے دوڑے چلے آ رہے تھے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں۔ کلیجے منہ کو آنے لگے اور تمہیں اللہ کے بارے میں طرح طرح کے خیال آنے لگے تو اُس وقت ایمان والوں کی خوب خوب آزمائش کر لی گئی اور سخت حالات میں انھیں ہلا کر دیکھ لیا گیا۔"

یہودی قبیلہ بنو نضیر کے لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے میں

ناکام رہے تھے اور اس بغاوت کے جرم میں مدینہ منوّرہ سے نکال باہر کیے گئے تھے، تمام حجاز میں گھوم پھر کر مشرکینِ عرب خاص طور پر قریشِ مکّہ اور بنو قریظہ جو مدینہ کے آس پاس آباد تھے اور دوسرے جنگی یہودی قبائل کی متحدہ طاقت جو تقریباً بارہ ہزار کے لگ بھگ تھی جمع کر کے پورے ساز و سامان و لشکری تیاری کے ساتھ مدینہ منوّرہ پر شوال سنہ 5 ہجری میں ٹوٹ پڑے۔ اس موقع پر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس متحدہ طاقت کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ طیّبہ میں حملہ آوروں کے داخلے کے رُخ پر خندق کھود کر فنِ حرب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ جو دشمن طاقتوں کو خندق کے اس پار روک رکھنے میں کامیاب ثابت ہوئی۔ اور قریب ایک ماہ تک خندق کے دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہوتی رہی۔ ادھر متحدہ طاقتوں کا سامان رسد گھوڑوں اور اونٹوں کا چارہ نیز لشکری جتھوں کی خوراک وغیرہ ایک ماہ کے بعد ختم ہو کر اُس فوجی طاقت کے بھوکوں مرنے کا سبب بنی جو دور دراز علاقوں سے مدینے پر چڑھائی کرنے کے لیے آ ٹوٹے تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے پُرزور آندھی بھیج دی جس کی وجہ سے دشمنوں کے گھوڑے چھوٹ بھاگے، فوجی کیمپ تہس نہس ہو گئے۔ تمام چولھے چوکے بجھ گئے۔ جب لشکر پر خوراک کی قلّت اور سخت آندھی کی یہ دو طرفہ تباہی آ پہنچی تو اُس متحدہ محاذ کی ہمّت جواب دے گئی اور تمام کے تمام نامُراد بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس جنگ کو جنگِ احزاب بھی کہا جاتا ہے، اور دوسرا نام جنگ خندق بھی مشہور ہے۔

بارہ ہزار کا یہ لشکر سامنے سے اور پیچھے سے بنو قریظہ حملہ آور ہوئے۔ اندر اور باہر کے دشمنوں کی اس یلغار سے اہلِ ایمان کی خوب جانچ ہو گئی اور سخت حالات

میں ہلا ہلا کر دیکھ لیا گیا کہ سیلاب بلا کو دیکھ کر اُن کا ایمان متزلزل نہیں ہوا، اس جنگ میں تمام یہودی قبائل جو حضورؐ سے معاہدہ رکھتے تھے، بغاوت پر آمادہ ہوگئے اور مدینہ طیبّہ کی اسلامی ریاست کے خاتمے کے لئے اپنی ساری طاقت متحدہ محاذ کے حق میں ڈال دی۔ اس طرح یہود نے ثابت کر دیا کہ وقت آنے پر وہ کسی معاہدے کی پابندی نہیں کریں گے بلکہ موقع ملنے پر اسلام کی مرکزی طاقت کو توڑنے کے لیے ہر طرح کی کمینہ حرکت کرتے رہیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احزاب میں متحدہ محاذ کے پسپا ہو کر واپس لوٹنے کے بعد اعلان فرمایا کہ اب ہم پر کوئی چڑھائی کرنے نہیں آئے گا بلکہ ہم خود دشمنوں کے مقابلے ہیں بجائے مدافعت کے اقدام کی لڑائی لڑیں گے۔ آگے چل کر یہ پیشین گوئی سو فیصدی صحیح ثابت ہوئی۔ اس موقع پر سرکارؐ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ حجاز سے یہود کو نکال باہر کیا جائے۔ چنانچہ ایسے باغیوں اور طاغیوں کے وجود سے اس علاقہ کو ہمیشہ کے لئے پاک کر دیا گیا۔ آج کی یہودی حکومت یہ خواب دیکھ رہی ہے کہ مدینے کے حدودِ سلطنت میں بسنے والے اس وقت کے بنو نضیر اور بنو قریظہ اور دوسرے قبائل کی زمینیں حاصل کرنے کے لئے مدینہ منوّرہ پر چڑھائی کر کے وہ علاقے پھر سے واپس لے گی۔ اسرائیلی پارلیمنٹ کے صدر دروازے پر ان علاقوں کے نقشے لٹکا کر اپنے گھر میں آج تو یہودی یہ خواب دیکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو یہود کے بالمقابل ایمان باللہ کے ساتھ اپنی تمام تر طاقت سمیٹ کر ایک بار اقدام کی لڑائی لڑنے کی ضرورت ہے۔ اس لڑائی میں فدایانِ محمدؐ کو اُسی جذبے کے ساتھ یہود کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ جیسے جنگِ احزاب کے وقت صحابہؓ نے مقابلہ کیا تھا۔ ان کی زبانوں پر اپنی بڑائی کے ترانے نہیں تھے۔ بلکہ خندق

کھودتے وقت پتھریلی زمین پر کدال مارتے اور کہتے جاتے تھے:

نَحۡنُ الَّذِیۡنَ بَایَعُوۡا مُحَمَّدًا  عَلَی الۡجِهَادِ مَا بَقِیۡنَا اَبَدًا

ہم وہ ہیں جو محمدؐ سے بیعت کر چکے ہیں جہاد میں جان کھپا دینے کی۔ جب تک باقی رہیں گے لڑتے جائیں گے اور سرکار رسالت مآب کی جانب سے ان جانبازوں کو یہ جواب ملتا کہ:

اَللّٰهُمَّ لَا عَیۡشَ اِلَّا عَیۡشُ الۡاٰخِرَةِ  فَاغۡفِرِ الۡاَنۡصَارَ وَالۡمُهَاجِرَةِ

اے اللہ عیش تو بس آخرت کا عیش ہے۔ پس تو مغفرت فرما دے انصار اور مہاجرین کی۔

---

# بنو قریظہ

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ط وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ط وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

(33 - الاحزاب - 27 - 26 - 25)

"اور اللہ نے کافروں کے مُنہ پھیر دئے۔ وہ صرف غصّے میں بھرے لوٹ گئے اور کچھ بھی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اور ایمان والوں کی طرف سے لڑنے کے لئے اللہ کافی ہوگیا۔ اللہ بڑی قوّت والا اور غالب ہے (یہود) اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا" اللہ انھیں ان کے قلعوں سے اُتار لایا۔ اور ان کے دلوں کو دہشت اور رعب سے ایسا بھر دیا کہ آج ان کے ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو تو دوسرا گروہ تمھاری قید میں ہے۔ اور اللہ نے تم کو اُن کی زمین اور مکانات و اموال کا وارث بنا دیا۔ اور وہ علاقہ تم کو عطا کر دیا جس پر تم کو اقدام نہیں کرنا پڑا تھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

یہود بنو قریظہ نواحِ مدینہ کے مشرقی جانب آباد تھے۔ وہاں ان کے مضبوط قلعے اور مستحکم عمارات کی کثرت تھی۔ مالدار بھی تھے۔ حضورؐ سے صلح بھی رکھتے تھے اور مدینہ

طیّبہ کی اسلامی ریاست سے وفاداری کا معاہدہ کیئے ہوئے تھے جنگِ احزاب کے موقع پر بارہ ہزار کے لشکر کو مدینہ پر چڑھائی کے لئے آیا دیکھ کر اُن کی نیّت خراب ہوئی مسلمانوں نے حملہ آوروں کے رُخ پر خندق کھود لی تھی۔ اور پیچھے اپنے بال بچّوں کو رکھ کر خود لڑائی میں دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ بنو قریظہ کو عہد کے مطابق تو اہلِ ایمان کا ساتھ دینا چاہیئے تھا، لیکن یہ لوگ غیر جانبدار رہ کر تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ذرا کچھ مشرکین کا پلہ بھاری دکھائی دیا تب بنو قریظہ کمینے پن کی حد سے نیچے آگرے۔ مسلمان عورتوں اور بچّوں کو ایّام جنگ میں جہاں محفوظ رکھا گیا تھا۔ اسی علاقہ پر بنو قریظہ کے "بہادروں" کی نگاہ پڑی۔ مسلمان عورتوں اور بچّوں پر بزدلانہ حملہ کرنے کی اسکیم بنائی گئی تاکہ ادھر سے مسلمان اپنے بال بچّوں کی چیخ پکار سُن کر اُن کی مدد کو خندق کے محاذ سے آجائیں اور ادھر متحدہ محاذ کا بارہ ہزاری لشکر خندق پار ہو کر مدینہ پر قبضہ کرلے لیکن اس موقع پر بناتِ اسلام کی قیادت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی اور بڑی دلیری سے ایک یہودی لیڈر پر جو گڑھیوں پر حملہ کرنے میں پیش پیش تھا۔ اوپر سے پتھر پھینک کر اُسے ہلاک کر دیا۔ اور نہ صرف اس پر بس کیا بلکہ اندھیری رات میں جائے پناہ سے نیچے آکر اس یہودی مُردے کا سر کاٹ لیا۔ اور پھر اپنے مقام پر واپس تشریف لے آئیں۔ اور اسی ملعون کے سر کو یہودی آبادی میں جو مسلم خواتین کی قیامگاہوں سے متصل تھی پھینک دیا۔ جب یہود نے اپنے ایک سپہ سالار کی یہ دُرگت دیکھی تو اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور سمجھنے لگے کہ مسلمانوں نے خواتین کی حفاظت کا اچھا خاصہ انتظام کر رکھا ہے۔ ادھر محاصرے کو ایک ماہ کے قریب ہونے آیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو امتحان میں کامیاب پا کر محض اپنی تائید و نصرتِ غیبی

سے آندھی بھیج کر احزاب کو تتر بتر کر دیا۔ حضورؐ نے جنگی محاصرے کے اُٹھ جانے کے بعد ہتھیار کھولے ہی تھے اور غسل کی تیاری فرما رہے تھے کہ جبرئیل تشریف لائے اور فرمانِ رب یہ بتایا کہ بنو قریظہ کے بدعہد یہود پر اسی وقت چڑھائی کر دی جائے۔ اہلِ ایمان نے ان کے علاقوں پر فوراً گھیرا ڈال دیا۔ اوّل تو بنو قریظہ ہمت نہیں ہارے اس لئے کہ جنگِ احزاب میں پورے حجاز کا علاقہ متاثر تھا مگر اُن پر کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکی تھی۔ ادھر مسلمان ایک ماہ کے گھیرے سے یوں بھی جز بز تھے۔ مگر خدا کے حکم کے آگے سر جھکا دیا۔ اور فوراً سینہ سپر ہو کر یہود بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ چوبیس پچیس دن تک یہود نے دم لیا۔ آخر اُن کی سانس پھول گئی اور محاصرے کی تاب نہ لا کر سرکارِ نبویؐ میں صلح کے پیام بھیجنے پر آمادہ ہوئے۔ قلعہ سے باہر آ کر حضرت سعد بن معاذؓ کو اپنا پنچ مقرر کیا اور ان کی عدالت میں بنو قریظہ کی سماعت ہوئی۔ جرمِ بغاوت اتنا صاف تھا کہ حضرت سعد بن معاذؓ کو فیصلہ کرتے دیر نہ لگی۔ دشمنوں کی یلغار اور جنگ کے وقت اس نمک حرام ٹولی نے مقامی مسلمانوں کی بیوی بچوّں پر حملہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر ان کا اس وقت بس چل جاتا تو مسلمان بہو بیٹیوں کی عصمت عزت کے ساتھ پوری اسلامی برادری کی سیاسی و ملی طاقت کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس جرمِ بغاوت پر حضرت سعد بن معاذ نے یہ سزا سنا دی کہ بنی قریظہ کے تمام قابلِ جنگ نوجوان قتل کیے جائیں اور باقی سب عورت مرد سیاسی قیدی و غلام بنائے جائیں اور ان کے تمام اموال کا وارث ان مسلمانوں کو بنا دیا جائے جن کے بیوی بچوّں پر عین جنگ کے پُرخطر ایّام میں ان سورماؤں نے حملہ کیا تھا کہ دشمنوں کو مدینہ فتح کرنے میں آسانی ہو جائے اور یہ فیصلہ توریت کے عین

مطابق تھا۔ چنانچہ کتاب استثناء باب 20 آیت 10 تا 15 ملاحظہ ہو:

"جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اُس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا ○ - اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگذار بن کر تیری خدمت کریں ○ - اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو اس کا محاصرہ کرنا ○ - اور جب خداوند اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا ○ - لیکن عورتوں اور بال بچّوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا ○ -

توریت کے اس حوالہ میں خط کشیدہ عبارت کے پڑھنے کے بعد اب اس بات میں کسی طرح کا شبہ باقی نہ رہا کہ حضرت سعدؓ بن معاذ کا فیصلہ بنو قریظہ کے حق میں احکاماتِ توریت کے عین مطابق تھا۔

---

# موسیٰؑ کو ستانے والے

یَاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوۡا ؕ وَکَانَ عِنۡدَ اللّٰہِ وَجِیۡھًا ○ (33 - الاحزاب - 69)

"اے ایمان والو! تم ان جیسے نہ ہو جانا، جنھوں نے ستایا موسیٰؑ کو اور الزام لگایا پھر بے عیب دکھایا اللہ نے موسیٰؑ کو اور موسیٰؑ کی خدا کے یہاں بڑی قدر و منزلت ہے۔"

حضرت موسیٰؑ پر یہود نے الزام لگایا کہ حضرت ہارونؑ کو جنگل میں لے جا کر قتل کر دیا تاکہ ریاست میں ان کی شرکت نہ رہے۔ قارون نامی وقت کے ایک سرمایہ دار نے ایک عورت کو مال کی بڑی مقدار دے کر اس پر آمادہ کیا کہ بھری محفل میں حضرت موسیٰؑ کی دست درازی کا جھوٹا واقعہ بیان کرے۔ پہلے واقعہ سے متعلق بتایا جاتا ہے کہ آسمان پر حضرت ہارونؑ کا جنازہ نظر آیا۔ اور آپ کی یہ آواز بنی اسرائیل نے سُنی کہ مجھے موسیٰؑ نے قتل نہیں کیا بلکہ خود اپنی موت آنے کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہوا ہوں۔

دوسرے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بدکار عورت کی زبان سے یہ کہلوا دیا کہ مال دے کر مجھے آپ پر جھوٹا بہتان لگانے کے لیے لایا گیا ہے۔

حضرت موسیٰؑ جیسے (A GREAT LAW GIVER) کی یہود نے ایسی ناقدری کی جس کی مثال تاریخِ انسانی میں شاید ہی ملے لیکن دنیا کے تینوں کتابی

مذاہب اب بھی حضرت موسیٰؑ کو پیغمبرِ برحق مانتے ہیں۔"سَلَامٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهَارُوْنَ"۔

دورِ موسیٰؑ میں۔ جو یہودی نہیں بلکہ بنی اسرائیل یعنی مسلمان تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مسلمان قوم کی لیڈری بھی کوئی آسان کام نہیں۔ خود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقعہ پر جب مال تقسیم فرما رہے تھے تو مجمع میں ایک آواز اُٹھ گئی کہ انصاف سے تقسیم کیجیے۔ بھلا اس دھرتی پر خدا کا نبی اگر انصاف نہ کرے تو پھر انصاف و عدل کی توقع اور کس سے کی جا سکتی ہے۔ حضورؐ کو اس بات کا اتنا صدمہ پہنچا کہ ارشاد فرمایا، اس آدمی کی نسل سے خارجی پیدا ہوں گے جو اپنے پیشواؤں پر طعن کریں گے، مسلمان کو چاہیئے کہ ہر طرح اپنے سپہ سالار، قائد، لیڈر، معلم، امام اور امیر وغیرہ کا ادب خوب لازم پکڑے۔ جانچ پڑتال پہلے خوب اچھی طرح کر لی جائے۔ مگر جب کسی کی قیادت تسلیم کر لی جائے تو اتباعِ امر لازم ہے اور کسی کی اتباع رضا و رغبت کے ساتھ اسی وقت کی جا سکتی ہے جب اس شخصیت پر ہمیں کامل اعتماد ہو۔

---

# شریعت اور منہاج

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝

(42 - الشوریٰ - 13)

"راہ ڈال دی تمہارے لیے دین میں وہی جو کہ سُنایا تھا نوحؑ کو اور جو وحی کی ہم نے آپؐ کی طرف اور ہم نے ابراہیمؑ و موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو۔ جو وصیّت کر دی تھی کہ قائم رکھو دین کو اور پھوٹ نہ ڈالو اس میں۔ شرک کرنے والوں پر تمہاری یہ دعوت سخت ناگوار ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے اور اپنی طرف آنے کا راستہ صرف اسی کو دکھاتا ہے، جو اللہ کی طرف رجوع کرے۔"

خدائے تعالیٰ کی پسندیدہ شریعت یا اس کا دین ہر زمانے میں ایک ہی رہا، البتہ منہاج یعنی راہِ عمل زمانے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے اس ڈھب پر ڈال دی کہ لوگوں کو دین پر عمل کرنا سہل ہو جائے۔ اس عاجز کے خیال میں دین و شریعت ایک ہیں چاہے زمانہ جو بھی ہو البتہ

منہاج الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ "ہم نے تم میں سے ہر اُمّت کے لیے ایک شریعت اور ایک منہاج (راہ) مقرر کر دی۔"

زمانہ جس نہج کا تقاضہ کرتا ہو دین و شریعت پر اُمّتوں کو چلانے کے لئے اسی نہج سے سہولتیں دی گئی ہیں مثلاً پہلی شریعتوں میں روزے کے متعلق ایک نہج تھا۔ یعنی ایک خاص طریقہ۔ جس میں ایامِ صوم کی راتوں میں آدمی کا اپنی بیوی سے صحبت کرنا ممنوع تھا لیکن دورِ محمدیؐ میں روزوں کی راتوں میں بیوی سے ہم بستر ہونے کی چھوٹ دیدی گئی۔ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ۔

اس فرق کی اصل وجہ خدا کے دین کا فرق ہر گز نہیں بلکہ زمانہ کی تبدیلی رہی مثلاً آج کے اس ماحول میں رات دن سینما کے گانے۔ بجانے، ننگے ناچ، فحش اخبارات، ریڈیو آدھی ننگی عورتوں کی بازاروں میں بھیڑ بھاڑ۔ یہ سب ہوتے ہوئے اگر اس دور میں روزہ رکھنے والوں پر رات میں اپنی بیویوں سے ملنے کی ویسی ہی پابندی لگا دی جاتی جیسے پہلے کسی اور نبی کے زمانے میں رہی ہو تو یہ بات انصاف کی نہیں کہی جا سکتی تھی۔ اور یہ سہولت بنی آدم کی تہذیب و تمدن کے ارتقاء اور تنزل کا لحاظ کرتے ہوئے دی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ شریعتِ محمدیہؐ کے سب سے آخر میں آنے کی وجہ سے اس شریعت میں کافی سہل الحصول طریقہ زندگی بتائے گئے۔ جو اس دور میں دعوتِ اسلامی کی عالمگیر بنیادوں کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں جس بنیاد پر بنی نوعِ انسانی کی تعمیر حیات نوح علیہ السّلام، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے زمانے میں قائم تھی۔ اسی سنگِ بنیاد پر دعوتِ محمدیؐ قائم ہے۔

# فضیلت کی وجہ

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (44 - دخان - 32-31-30)

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون سے دی جانے والی ذلت کی مار سے بچالیا۔ حد سے گذر جانے والوں میں فرعون بڑے اونچے درجے کا آدمی تھا۔ اور بنی اسرائیل کی حالت کو جانتے ہوئے بھی ہم نے ان کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابل فضیلت عطا کی۔"

فرعون کی غلامی میں جکڑی ہوئی قوم کو خدا نے قیادتِ موسوی میں اُٹھا کر کھڑا کر دیا اور دنیا کے جابروں اور ظالموں میں ایک اونچے درجے کے ظالم و جابر فرعون کو غرقِ آب کیا۔ اب جو بنی اسرائیل کو نجات ملی تو اُن کی خوبیاں اور کمزوریاں جو کچھ بھی تھیں خدا کے علم میں تھیں اس وقت دنیا میں جتنی قومیں آباد تھیں ان میں سب سے زیادہ موزوں تر قوم یہی تھی جسے پیغامِ الٰہی کا حامل بنایا گیا۔ یہ خداوندی فیصلہ اندھا دھند نہیں تھا۔ بلکہ جان بوجھ کر اس قوم کو دنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لیے چُن لیا گیا تھا۔ لاکھ بُرے ہو کر بھی اس وقت دنیا کی قیادت کے لئے دوسروں کے مقابل

یہی لوگ مناسب تھے پھر سلسلۂ انبیاء اور وحی کے لحاظ سے اوروں کے مقابلے میں ان کے مزاج کو زیادہ مناسبت تھی۔ توحید و نبوت اور آخرت کے بنیادی خیالات بنی اسرائیل کے سوا کسی اور قوم کے پاس نہیں تھے۔

---

# واضح شریعت اور اختلاف

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ (45 - الجاثیہ - 16-17)

" بنی اسرائیل کو کتاب، حکمت و نبوت عطا کرنے والے ہم تھے۔ پاکیزہ رزق سے ہم نے ان کو نوازا اور دنیا بھر کے لوگوں کے مقابل انھیں فضیلت عطا کی اور انھیں ہم نے صاف صاف احکامات دیئے۔ پھر جب ان میں آپس میں پھوٹ ہوئی تو ناواقفیت کی وجہ سے نہیں بلکہ علم آجانے کے بعد یہ لوگ اختلاف میں مبتلا ہوئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہی بلاشبہ تمہارا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان تمام باتوں کا فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے۔"

کتاب کا علم، دین کا فہم اور دانش مندی، ساتھ ہی سلسلۂ نبوت کا جاری رہنا اور طیّب و پاکیزہ رزق کی فراوانی، انعاماتِ ربّانی کے اس تسلسل نے بنی اسرائیل

کو اقوامِ عالم پر فضیلت و عروج کی آخری منزلوں تک پہنچا دیا۔ لیکن جب صاف اور واضح شریعتِ اسلامی کو فضول بحث و تکرار اور آپسی ضد سے کچھ کا کچھ بنا دیا گیا اور سیکڑوں ٹولیاں آپس میں بنیں۔ تب اس قوم کی ایسی درگت بنی کہ دوسروں کو راہِ ہدایت تو کیا خاک بتا سکتے خود آپس میں ہی اختلاف کر کے دین میں متفرق ہو کر ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آراء ہو گئے۔

ہماری پچھلی سو پچاس سال کی آپسی مناظرہ بازی اور مذہبی اختلاف بھی کچھ اسی نوعیت کا رہا کہ ہمارا پڑھا لکھا طبقہ دین اور اہلِ دین کے متعلق حسنِ ظن کو قائم نہ رکھ سکا اور آپسی پھوٹ سے جو فرقے وجود میں آئے وہ اب تک ایک دوسرے کے سر پھاڑنے پر آمادہ ہیں۔

اختلافات جہاں تبادلۂ خیالات سے دور نہ ہو سکیں تو پھر خدا کی عدالت کے اجلاس تک انھیں ملتوی رکھنے میں ہی ملت کا بھلا ہے۔

---

# بنونضیر کی جلاوطنی

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ○ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (59 - الحشر - 2 تا 5)

"وہی ہے جس نے منکرینِ اہلِ کتاب (یہود) کو اُن کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کر کے نکال دیا۔ تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ کبھی اس طرح بھاگ سکتے ہیں اور خود اُن کا بھی خیال تھا کہ ان کے قلعے اور حویلیاں خدا کی گرفت سے انھیں بچالیں گے۔ اللہ کا عذاب ان پر ایسی جگہ سے آپہنچا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دِلوں میں رعب ڈال دیا۔ تب وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو اُجاڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی۔ تو اے آنکھوں والو!

عبرت حاصل کرو۔ اور اگر اللہ نے ان کی تقدیر میں جلاوطنی نہ لکھی ہوتی تو دنیا میں انھیں اور بھی عذاب ہوتا اور آخرت میں تو ان کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ یہ سب اس لیئے ہوا کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرے تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ اور کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹ دیئے، یا انھیں ان کی جڑوں پر رہنے دیا، یہ سب اللہ کے حکم کے عین مطابق ہوا، تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو خوب رُسوا کرے۔"

مدینہ سے قریب دو میل کے فاصلے پر آباد یہودی زمینداروں کا ایک زبردست قبیلہ بنو نضیر نے (جو مدینہ کی اسلامی ریاست کے ساتھ عہد و پیماں رکھتا تھا) ربیع الاوّل 4ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ اور ایک حویلی کے سائے میں حضوؐر کو بڑے ادب واحترام سے بٹھایا۔ آپؐ جب اس قبیلہ کے مجمع کو خطاب فرما رہے تھے اس وقت یہود بنو نضیر کی پہلے سے طے شدہ سازش کے تحت ایک بڑا پتھر حویلی پر سے حضوؐر کے جسمِ مبارک پر ڈالا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت جبرئیل علیہ السّلام کو بھیج کر حضوؐر کو اس مقام سے تھوڑا ہٹ جانے کی ہدایت فرمائی۔ پتھر اوپر سے برابر گرا۔ اور عین اس مقام پر جہاں حضوؐر انور تشریف فرما تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بروقت حفاظت فرمائی۔ کسی ریاست کے سربراہ کو اپنے یہاں دعوت دے کر ایسی کمینہ حرکت آج تک کسی قوم نے شاید ہی کی ہو۔ اس غدّاری پر حضوؐر نے بنو نضیر کو دس دن کا نوٹس جاری فرمایا کہ علاقہ خالی کر کے چلتے بنیں ورنہ ہر ایک کو قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن بنو نضیر نے ایک طرف

اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اور دوسری طرف منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی کے اُکسانے پر اُس نوٹس کا جواب یہ دیا کہ ہم مدینہ خالی نہیں کریں گے آپ سے جو کچھ ہو سکے کر ڈالیے۔ حضورؐ نے دس دن کی میعاد ختم ہو جانے پر فوراً بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ مستحکم حویلیوں میں بنو نضیر محصور ہو کر بیٹھے رہے اور کوئی اُن کی مدد کو نہ آسکا۔ ادھر مسلمانوں نے یہود کو مقابلے کے لیے للکارا مگر وہ سامنے نہ آئے چار و نا چار مسلمانوں نے ان کے باغات اُجاڑنے شروع کیے اور کھجور کے پیڑ کاٹ دیئے تاکہ مال کی حفاظت کی غرض سے یہ لوگ مقابلے کے لیے باہر آئیں۔ یہود چلانے لگے کہ ہم تو کافر ہیں کیا یہ درخت بھی کافر ہیں جو تم کاٹ رہے ہو۔ خدا نے اس واقعہ میں کھجوروں کے پیڑ اور باغات کے اجاڑنے کو درست قرار دیا تاکہ اہلِ ایمان کو اس جنگی کارروائی میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ کے ساتھیؓ اسلامی آدابِ جنگ میں تقویٰ اور انصاف کا بہت خیال رکھتے تھے، قصہ مختصر یہ ہے کہ پھر بنو نضیر صلح کی بات چیت کو آمادہ ہوئے اور فریقین میں یہ طے پایا کہ بنو نضیر اپنے علاقہ سے جلا وطن ہو جائیں گے۔ ساتھ میں جو کچھ سامان لے جا سکیں لے جائیں گے۔ چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے والی کہاوت یہود پر صادق آتی ہے۔ انھوں نے اپنے مکانوں کے کواڑ کھڑکیاں تختے وغیرہ تک نکال لیئے۔ اور مسلمانوں نے اس کام میں ان کی مدد بھی کی تاکہ یہ قبیلہ یہاں سے جلد روانہ ہو جائے۔

خس کم جہاں پاک کے مصداق مدینہ طیبہ کی پاکیزہ دھرتی کو یہود بنو نضیر کے وجود سے دھو دیا گیا۔ اب یہ قبیلہ مضافاتِ مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر میں آباد ہوا۔

اور اسی کمینہ گروہ نے پورے حجاز میں گھوم پھر کر لاکھوں کی دولت خرچ کی اور زبردست پروپیگنڈہ کر کے مشرکینِ حجاز اور دوسرے تمام یہودی قبائل کی متحدہ طاقت "جو بارہ ہزار کے قریب" جمع ہو گئی۔ تب اس لشکر نے شوال 5ھ میں مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ اور تقریباً ایک ماہ کے محاصرے کے بعد ناکام ہو کر ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گئے۔ یہ لڑائی جنگِ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت 10 و 11 میں اس کا تذکرہ اسی کتاب میں ہم کر چکے ہیں اُسے دوبارہ دیکھ لیا جائے۔ بنی نضیر کی طاقت کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس طاقتور اور سرمایہ دار جنگی قبیلہ کو کبھی مدینہ طیبہ سے نکالا جا سکتا ہے۔ مگر خدا نے اپنی لطیف تدبیر سے بہت کم محنت پر مسلمانوں کے ہاتھ ان کی تمام حویلیاں باغات اور قلعے سپرد کر دیئے۔ گو تمام مکانات کی کھڑکیاں دروازے یہود اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ آج کی یہودی حکومت کو یہ دن اچھی طرح یاد ہیں اسی لیے مدینہ کے علاقے پر قبضہ کرنا اور پھر سے یہود کو اس علاقے میں آباد کرنے کا خواب دن دہاڑے یہ ملعون دیکھ رہے ہیں۔ جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

# آج کے مسلمانوں کے لئے ابراہیمؑ کا نمونہ

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ ج إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ز كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيْمَ لِأَبِيْهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ط رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ج إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (60 - الممتحنة - 5-4)

"بے شک تمہارے لیے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جب ان لوگوں نے اپنی قوم والوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم سے اور جس کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو ہم ان سب سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض ظاہر ہوگیا۔ جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ گے تب تک یہی صورتِ حال رہے گی۔ البتہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں تمہارے لیے ضرور استغفار کروں گا۔ اور مجھے اللہ کے آگے کسی بات کا اختیار تو ہے نہیں۔ اے

ہمارے رب ! ہم نے تجھے اپنا وکیل مان لیا۔ تیری طرف ہم رجوع ہوئے اور تیرے پاس ہم کو لوٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے رب ! ہمیں منکروں کا تختۂ مشق نہ بنائیو ہماری مغفرت فرما۔ بیشک تو ہی زبردست اور حکمت والا ہے "

سیّدنا حضرت ابراہیمؑ یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ تمام مسلمانوں کے دینی و روحانی پیشوا ہیں۔ آپ کی حیاتِ طیبّہ اور توکّل علی اللہ کا ایک بہترین خاکہ ان آیات میں ربِ اکبر نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہر مسلمان کو اسے بار بار پڑھنا چاہیئے۔ یہودی اور نصرانی تو مدّت ہوئی ملّتِ ابراہیمؑ سے اپنا رشتہ ناتہ عملی طور پر توڑ چکے ہیں مگر ہم پر تا قیامت یہ لازم ہے کہ اللہ کے خلیل کے اُسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں اِسے مشعلِ راہ بنائیں۔ ایک مومن قانت کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہونا چاہیئے کہ جب تک بندگانِ خدا اللہ واحد پر ایمان نہ لائیں اور شرک کو ترک نہ کر دیں تب تک برابر جدوجہد جاری رکھے حتیٰ کہ روئے زمین پر مالکِ زمین کی بندگی ہونے لگے۔ اور تمام جعلی معبودوں کی پرستش سے بنی آدم کو چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ رئیس الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعوتی زندگی میں ان کے باپ کی طرف سے بڑی زبردست رکاوٹ کھڑی کر دی گئی تھی لیکن آپ نے اپنے والد کی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے دعوتِ الی اللہ کو برابر جاری رکھا۔ اللہ کے نبی کے ماں باپ بھی ہوا کرتے ہیں اور باپ کی محبت ایک بشری تقاضا ہے۔ نبیوں کو بھی اس تقاضۂ بشری کے تحت والدین اور اولاد سے محبت ہوا کرتی ہے۔ مگر یہ محبّت تعمیلِ ارشادِ ربّانی کے مقابلے میں جب سدِّ راہ ہو جاتی ہے تو کاٹ دی جاتی

ہے۔ حضرتِ ابراہیمؑ کے اُسوۂ حسنہ سے یہ حقیقت ثابت ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی اپنے والدین کے لئے اور دوسروں کے لیے استغفار تو کر سکتے ہیں، مگر یہ اختیار نہیں رکھتے کہ ہر ایک کو بخشوا کر چھوڑیں۔ انبیاء اور صلحاء، اولیاء اور اتقیاء کے لیے جہلاء کا یہ عقیدہ ہوا کرتا ہے کہ وہ جو چاہیں خدا کی سرکار میں منوا کر چھوڑتے ہیں۔ برخلاف اس کے حقیقت تو یہ ہے کہ منکرین و مکذبین چاہے انبیاء کے رشتہ ناتے والے ہی کیوں نہ ہوں بخشے نہیں جاتے، پھر غیروں کا تو اُس کوچہ سے گذر ہی کیونکر ہو سکتا ہے۔ نسلی اور قومی دشمنی داعیانِ اسلام کو کسی سے نہیں رہی۔ مخاصمت تو صرف عقیدۂ توحید کے ترک کرنے پر ہی سامنے لائی گئی۔ ورنہ شفقت اور خیر خواہی تو ہر ایک کے ساتھ رہی۔

---

# تائیدِ غیبی کی راہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ○

(61 - الصّف - 14)

"اے ایمان والو! مددگار ہو جاؤ اللہ کے دین کے جیسا کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ نے حواریوں سے فرمایا تھا۔ اللہ کی راہ میں میرا کون ساتھی بننا چاہتا ہے تو حواری بولے ہم ہیں اللہ کے دین کے مددگار پھر بنی اسرائیل میں سے ایک ٹولی تو عیسیٰؑ بن مریمؑ پر ایمان لے آئی اور ایک منکر رہی تب ہم نے ایمان والوں کا ساتھ ان کے دشمنوں کے مقابلے میں دیا پھر یہی لوگ غالب ہو کر رہے۔"

اللہ کی غیبی مدد کے حقدار ہونا چاہتے ہو تو اللہ کے دین کے مددگار بنو۔ انصار اللہ بنے بغیر خدا کی نصرت ہرگز نہیں آئے گی۔ بنی اسرائیل کے ایک طبقہ نے جب حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کو قبول کیا تو رد کرنے والے گروہ کے مقابلے میں اللہ اس طبقہ کا مددگار ہو گیا اور فتح و نصرت بالآخر انصار اللہ کے حق

میں ہوگئی۔ حضرت مسیحؑ کو اپنی زندگی میں قتال اور جہاد کا موقع نہیں آیا۔ پھر بھی آپ کی تائید اور نصرت کرنے والے انصار اللہ مانے گئے۔ انصار اللہ بننے کے لیے قتال و جہاد کا موقع اگر نہ آسکے تب بھی عام حالاتِ زندگی میں خدا کے دین کے مددگار ہونے سے ہمیں انصار اللہ کا درجہ آج بھی مل سکتا ہے۔ صدائے توحید اور اعمالِ صالحہ کی دعوت ہر زمانہ کے بدکردار لوگوں کے لیے ایک تازیانہ سے کم نہیں۔ اہلِ ایمان جب یہ کوڑا مخالف طاقتوں پر برسا دیتے ہیں۔ تب آپ سے آپ وہ حالات پیدا ہو کر رہتے ہیں جہاں قتال فی سبیل اللہ کے سوا اہلِ ایمان کے لیے کوئی راستہ نہیں رہ جاتا ترتیب سے اس طرح کے حالات اگر پیدا ہوں تو نصرتِ الٰہی اپنا وزن اہلِ ایمان کے حق میں ڈال دینے کے لئے بندھی ہوئی ہے۔

وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

# آخری بات اور آخری علاج

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝

(98 - البيّنة - 1 تا 5)

"اہلِ کتاب میں خود جو لوگ انکاری ہو گئے اور مشرکین اپنی حرکتوں سے کبھی باز آنے والے نہیں تھے۔ جب تک ان کے پاس ایک واضح اور روشن دلیل نہ آجاتی۔ یعنی اللہ کا ایک (آخری) رسول جو اُن کو پاکیزہ صحیفہ پڑھ کر سُنا دے جس میں مضبوط کتابیں سمو دی گئی ہوں۔ مگر جو اہلِ کتاب تھے وہ دلیل آنے کے بعد ہی تو پھوٹ میں مبتلا ہوئے حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت وہ اس طرح کریں کہ دین کو صرف اسی کے لیے خالص رکھیں اور یکسو ہو جائیں، نماز کی پابندی کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں بس یہی مضبوط اور سیدھا دین ہے۔"

بعثتِ محمدیؐ کے وقت تمام اہلِ کتاب سرتا پا شرک میں غرق تھے۔ اور درجے کے لحاظ سے کافروں کے برابر ہو کر بگڑ چکے تھے۔ اور ہر ایک اپنی غلطی پر نادم ہونے کی بجائے مغرور تھا اور مرض کو عین تندرستی سمجھنے میں ہر طبقہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دلیلوں کے ڈھیر لگائے جا رہا تھا۔ کسی عادل بادشاہ یا پیر اور ولی، فلاسفر یا حکیم کے بس کی بات نہ تھی کہ ان کو سدھار دیتا بس ان کے مرض کو درست کر دینے کی ایک راہ باقی تھی کہ خدا کا ایک مقدس پیغمبر ایسا آئے جو پاکیزہ صحیفہ پڑھ کر اُن کو سُنا دے اور اُن کے دِل کو دھو ڈالے۔ پھر اس صحیفہ ربّانی میں پہلی کتبِ آسمانی اور تمام انبیاء کرام کی تعلیم بھی موجود ہو۔ اور یہ مقدس پیغمبرؐ اس پاکیزہ صحیفہ قرآن مجید کو لے کر تشریف لائے۔ اب کسی بدنصیب کا روگ آپؐ کے آنے کے بعد بھی دور نہ ہو تو اس کے چنگے ہونے کی کوئی امید نہیں۔ یہود و نصاریٰ اور دوسرے غیر معروف اہلِ کتاب تو پُرانے مریض ہیں ان کی بیماری جب اس صحیفہ مطہرہ سے درست ہو سکتی تھی تو ہم مسلمان تو بحمداللہ ان کی طرح لاعلاج مریض ہر گز نہیں ہماری بیماری تو بس وقتی اور موسمی تبدیلی کے بخار جیسی ہے۔ اگر ہماری توجہ اس طرف ہو تو انشاء اللہ ہمارے تمام امراض جاتے رہیں گے۔ ضرورت ہے خدا کے مقدس صحیفے کی تلاوت کرنے کی۔

اہلِ کتاب کی تمام پچھلی اکائیوں کی پھوٹ اور اختلاف کی وجہ صرف ایک ہی تھی کہ دلیل آجانے کے بعد جو سبب اجتماع تھی اپنی روش پر نظر ثانی کرنے کے لیے وہ تیار نہ ہوئے۔ کیا ہم بھی اپنے طریقۂ زندگی کو خدا کے کلام کے مطابق بنا دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے۔؟

سببِ اجتماع کو سببِ تفریق بنا لینے والے اپنی اجتماعیت کو دیر تک

برقرار نہیں رکھ سکتے۔ اور خوب سُن لو کہ جن لوگوں نے اس مضبوط کتاب کو تھام لیا۔
خدا نے ان کے ہاتھوں نہ صرف ملکوں ملکوں میں ایمان اور اسلام کی تحریک
رواں دواں کردی بلکہ ان ہی کو روئے زمین پر اقتدار بھی عطا کیا۔ خدا کا کلام آج
بھی ایسا ہی با اثر ہے جیسا پہلے تھا۔ اپنی اور دنیا کی کایا پلٹ دینا چاہتے ہو تو
ایک بار خدا کی کتاب کا بغور مطالعہ کرو۔ کسی مستند عالم کا ترجمہ ہی ایک بار پڑھ
کر دیکھ لو کہ تمھاری زندگی میں کچھ تو سدھار آنے کی امّید کی جا سکے۔ اور اپنے دین
کی واضح دلیل ہم کو معلوم ہو تاکہ قلبی و ذہنی یکسوئی اس طرح کی حاصل ہو
جائے کہ سب طرف سے لوٹ کر صرف ایک اللہ کے ہو سکیں۔ اللہ کی عبادت
کرنے کے لئے قلب و ذہن کی یکسوئی چاہیئے۔ پس دین کو ایک اللہ کے لئے
خالص کرو۔ صلوٰۃ قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ مضبوط اور مکمل سیدھا اور صاف
دین صرف یہی دین ہے۔

آدمی کی زندگی میں پچاسوں اُلٹ پھیر آتے ہیں۔ کہیں چین نہیں، سکون
نہیں۔ برساتی نالوں میں جب باڑھ آتی ہے تو کچھ ہی وقت کے لیے پھر ویرانی اور
خشکی مگر میدانی دریا گو اتنے جوش و خروش سے نہیں بہا کرتے بلکہ دھیمی رفتار
سے چلتے ہیں۔ موسم چاہے گرم بھی ہو تو برف کے پہاڑوں کو پگھلا کر اپنا بہاؤ
جاری رکھیں گے۔

بس یہی مثال آدمی کے عقیدے اور عمل کی ہے۔ خدا پر ایمان، قرآن پر
ایمان، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان، نماز کی اقامت، زکوٰۃ کی ادائیگی۔ یہ
سب باتیں ہماری زندگی کو میدانی دریا بنا دینے والی ہیں۔ جس کے سوتے سوکھا

نہیں کرتے۔ یہود نے تمامتر ایک ایسی اُمّت پر ہاتھ ڈال کر وقتی کامیابی حاصل کی ہے جو مدّت ہوئی رسول اللہؐ اور صحیفۂ مطہرہ سے انجان بنی ہوئی تھی۔ اللہ کے آخری رسول سیدِ عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ مگر ہمارے بھی رسول ہیں۔ اسی لیے آپؐ کو رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ۔ یعنی رسول تم میں سے تمہارا اپنا رسول فرمایا گیا۔

سبحان اللہ، سبحان اللہ، کیا شانِ محمدیؐ ہے۔ جب خدا کے حضور کھڑے ہوں تو ہمارے رسول ہیں اور جب اپنی اُمّت سے مخاطب ہوں تو اللہ کے رسول ہیں۔ خالق اور مخلوق دونوں کے پیغامبر ان کا پیغام مخلوق تک پہنچا دیں۔ اور مخلوق کے معاملات اور پریشانیاں، کمزوریاں رب کی بارگاہ میں پیش فرما کر اس کا ایسا صاف ستھرا حل لے آویں کہ ہماری تمامتر دشواریاں آسانیوں میں تبدیل ہو جائیں۔ توبہ کرو، اپنے دِلوں کو دھو ڈالو۔ صحیفۂ مطہرہ کا صحیح استعمال کرو۔ خدا تمہارے ساتھ ہے۔

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ج

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

---

# کتابِ ہٰذا کے متعلّق چند اکابرین اور رسالوں کی آرار

مصلحِ اُمّت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی مدظلہ العالی مصنّف کو ایک ذاتی خط میں اس طرح رقم طراز ہیں:

"..... میں آپ کو دوبارہ اس مفید۔ خوش ترتیب اور دیدہ زیب کتاب کے لئے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ سے زیادہ مقبول بنائے ..... خدا کرے اس کا آفسیٹ ایڈیشن اور زیادہ مقبول ہو۔ آپ کبھی یہاں آئیں اور چند دن ساتھ رہنا ہو تو بڑی خوشی ہو گی۔"

---

عالی جناب حضرت مولانا محمد نعیم صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے اپنے ایک خط میں یوں فرمایا:

محترم الحاج جناب ایوب صاحب کی دعوت پر "سیرتِ مبارکہ" کے اجلاس کے لیے" کامٹی ناگپور" حاضری ہوئی۔ اس سلسلہ میں عالیجناب محترم عبدالکریم پاریکھ صاحب سے نیاز حاصل ہوا اور ان کی نورانی صورت اور نور میں ڈوبی ہوئی فصیح و بلیغ معلومات افزا تقریر سننے کا اتفاق ہوا اور پورے مجمع کے ساتھ بندہ بھی محظوظ و متاثر ہوا۔

اختتامِ جلسہ پر موصوف نے اپنی دو تالیفات مرحمت فرمائیں۔ بندہ نے بہ نیت استفادہ ان کا مطالعہ کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآنی ذوق رکھنے والے اہلِ علم کے لیے یہ ایک علمی شاہکار ہے۔ قومِ یہود کی صیہونیت کو قرآنی آئینے میں موصوف نے بے نقاب کیا ہے۔ اس سے جہاں ایک طرف یہ تاثر ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم نے بلاوجہ اپنے چوتھائی حصّہ کو صرف نہیں کیا وہیں یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس مسخ شدہ قوم کی سیہ کاریوں اور مکاریوں کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں کو کسی بھی خوش نما فریب میں نہیں آنا چاہیئے اور انھیں صرف اللہ پر بھروسہ کر کے نہ تو صبر و قناعت کا غلط مفہوم ان الجھنوں سے بچانے کے لیئے کافی ہے اور نہ ہی روس، امریکہ اور یوروپ کے

بُنے ہوتے جالوں میں پھنسنا چاہیئے بلکہ اس عظیم اژدہے کے زہر کے لئے اللہ کی نصرت ومدد پر حقیقی یقین اور بے پناہ عملی جدوجہد اور مسلسل قربانیوں اور عظیم اتحاد واتفاق کو استعمال کرنا ہے۔

..... مؤلف سلمہٗ کی مؤثر شخصیت کے ساتھ ان کے جذبۂ اخلاص اور پُر اثر قلم سے بندہ متاثر ہوا ہے۔ مجھے امید ہے تمام قارئین وناظرین میرے ہمنوا ہوں گے . . . . "

---

ہفت روزہ نشیمن بنگلور نے اس کتاب کا تذکرہ یوں کیا ہے :

"..... ایڈیٹر صاحب نے کتاب تبصرہ کے لیے دی تھی لیکن اس کو پڑھنے کے بعد خیال آیا کہ مخصوص کالم ہی اس کتاب کے لیے موزوں ہے۔ کیونکہ ایسی باتیں اس کتاب میں بیان ہوئی ہیں اور اتنے جامع اور بہترین انداز میں ہماری موجودہ تصویر کھینچی گئی ہے کہ اس کی تعریف ہو ہی نہیں سکتی۔ میں تو یہاں تک کہنے کے لیے تیار ہوں کہ یہ کتاب ہر مسلمان بھائی کو پڑھنی چاہیئے۔

اس کتاب میں یہودی قوم کی پوری داستان قرآن کی روشنی میں بیان کی گئی ہے

..... کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے مسلمانوں پر بھی ان کی غلطیاں ظاہر کی ہیں اور صاف الفاظ میں کہا ہے کہ اللہ سے جو بھی قوم بغاوت کرتی ہے، شریعت کے احکامات کو توڑتی ہے اور رسولوں کی تعلیمات کو بھلا دیتی ہے اس کا انجام کیا ہوتا ہے. کتاب بے حد اچھی ہے۔"

---

الجمعیۃ دہلی کے 27 ستمبر 70ء کے شمارے کی سطریں :

"..... یہ کتاب قرآن کریم کی روشنی میں قوم یہود کی مفصل تاریخ پیش کرتی ہے۔

..... مصنف نے واقعی یہ بڑا کام کیا ہے کہ قرآن کریم کی روشنی میں قوم یہود کی تاریخی نفسیات اس کے عزائم اور جرائم اور اس کے طبعی میلانات کا ایک مفصل خاکہ پیش کر دیا ہے۔

..... قوم یہود مسلمانوں کے حق میں جس درجہ احسان فراموش رہی ہے وہ اس کی تاریخ کا ایک بڑا المیہ ہے . . . . . اس کے ذریعہ مسلمانوں پر واضح ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم نے یہود کے بارے میں وہ سب کچھ بتا دیا تھا جو آج ظہور میں آرہا ہے۔"

---

الحاج منادی صاحب مرحوم نے رسالہ "مسلم گجرات" سورت (گجراتی) میں اس کتاب پر

اس طرح تبصرہ فرمایا :

" عنوان : - قوم یہود ( زمانۂ قدیم سے زمانۂ آخر ) تک قرآن کی روشنی میں ایک انوکھی اردو کتاب کی اشاعت ۔

اس اردو کتاب نے دینی تاریخ، جغرافیائی اور سیاسی ادب میں ایک انوکھا، ضروری اور بر وقت اضافہ کیا ہے۔ اس نوعیت کی یہ پہلی اور انوکھی کتاب ہے۔ درحقیقت قرآنِ حکیم ہی پر تمام تر منحصر یہ ایسا یہود نامہ ہے جو زمانۂ قدیم سے عصرِ جدید تک کی حیرت انگیز اور عبرتناک کھلی حقیقتوں سے بھرا پڑا ہے۔ پوری باریکی سے حقیقت کو آشکارا کرتے ہوئے مدتوں کی یہودی نافرمانیوں کی افسوسناک داستان ہے۔ اس کتاب میں عبرت کے لئے مسلمانوں پر یہ آشکارا کیا گیا ہے کہ کس طرح خداوند تعالیٰ کے احکامات کی مغرورانہ نافرمانی کرتے ہوئے ہٹ دھرمی کے راستے زمانۂ قدیم میں اسلام ہی میں سے یہودیت کا جنم کیا گیا اور اسے کسی طرح پروان چڑھا لیا گیا۔

الحاج سیٹھ عبدالکریم پاریکھ صاحب قرآن کے عاشق اور طالبِ علم، مبلغ اور اُستاذ کی حیثیت سے وسطی ہند، مہاراشٹر اور گجرات میں مشہور ہیں۔ عصرِ حاضر کے مولوی ملّا یا دھندہ داری عالم نہ ہوتے ہوئے ایک مشہور میمن تاجر ہیں۔ ایسا کوئی شخص جو خدمتِ قرآن کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے اور کتنے ہی بزرگوں کی سنّت کو زندہ کرے تو پاریکھ صاحب بھی ایک ایسی ہی شخصیت ہیں یہ ان کی قرآنی خدمات اور اس کتاب سے عیاں ہے۔"

بحوالہ میمن ویلفیر۔ بمبئی

15 ر ستمبر 1970ء

---

# مترجم ومفسر قرآن مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب

## کی دیگر تصانیف

تشریح القرآن
قرآن مجید کی مکمل ترجمانی وتفسیر -/۱۵۰

سحر (جادو) کا توڑ (قرآن وحدیث میں)
اردو -/۵

لغات القرآن
بنگلہ • انگریزی • ہندی -/۴۰

لغات القرآن
اردو -/۵۰

ہنوں کی نجات
اردو -/۱۵۰

قوم یہود اور ہم
اردو -/۳۵

حج گائڈ
انگریزی -/۲۵

حج کا ساتھی
اردو -/۱۲

اوپر کی دنیا
اردو -/۳۰

قانون اور انصاف کے نام پر عورت کی توہین
اردو -/۵

گنو ھتیا - اپرادھی کون؟
ہندی • انگریزی • مراٹھی -/۲۵

مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم
اردو -/۱۲

مومن خواتین اور قرآن مجید
اردو -/۱۵

تحفظ گائے اور ہندوستانی مسلمان
اردو -/۸

تعلیم الحدیث
اردو